مجموعۂ قوانینِ اسلام

جلد دوم

ڈاکٹر تنزیل الرحمن (تمغہ امتیاز)
جج سندھ ہائی کورٹ

مجمـوعۂ قوانین اسـلام

جلد دوم

قانون طلاق

ڈاکٹر تنزیل الرحمن

ادارہ تحقیقات اسلامی ۔ جامعہ اسلامیہ
اســلام آباد

سلسلۂ مطبوعات نمبر : ۷

نام کتاب : مجموعۂ قوانین اسلام
مؤلف : ڈاکٹر تنزیل الرحمن
طبع اول : ایک ہزار ۔ جولائی ۱۹۶۵ء
طبع دوم : دو ہزار ۔ مئی ۱۹۷۶ء
طبع سوم : گیارہ سو ۔ دسمبر ۱۹۸۴ء
طبع چہارم : ایک ہزار ۔ ستمبر ۱۹۹۶ء
اشاعت پنجم ۲۰۰۴

مطبع : ادارہ تحقیقات اسلامی پریس
ناشر : ادارہ تحقیقات اسلامی
پوسٹ آفس بکس نمبر : ۱۰۳۵
اسلام آباد

قیمت :

پاکستان .... [illegible]/- روپے
جنوبی ایشیا .... ۱۸۰/- روپے
دیگر ممالک .... ۲۰/- ڈالر

نذر رحمٰن

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

ہدیۂ رحمٰن بفضل عظیم

جسٹس ایس ۔ اے ۔ رحمٰن

کی خدمت میں

بصد ادب و احترام یہ حقیر ارمغان علمی پیش ہے ۔

گلدستۂ بہارے زیبد بہ نوبہارے

فہرست مندرجات

قانون طلاق

گیارھواں باب - طلاق کی تعریف اقسام ، اہلیت ، شہادت اور تفویض

بارھواں باب - کن اشخاص کی طلاق واقع نہ ہوگی

تیرھواں باب - رجعت ، بینونت صغریٰ و بینونت کبریٰ (مغلظہ)

چودھواں باب - خلع و مبارأت

پیش لفظ

جسٹس ایس ۔ اے ۔ رحمٰن

جج سپریم کورٹ ، پاکستان

مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامی، پاکستان نے قوانین اسلامی کا مفید سلسلہ شروع کیا ہے ۔ سلسلۂ مذکور میں جناب تنزیل الرحمٰن صاحب کی ایک کتاب پہلے شائع ہوچکی ہے ۔ زیر نظر کتاب اسی سلسلہ کی دوسری کڑی ہے جس میں اسلامی قانون طلاق پر بحث کی گئی ہے ۔ فاضل مصنف نے قرآن و سنت اور فقہہ کی مستند کتابوں کی روشنی میں اسلامی قانون طلاق کے مسائل کا جائزہ لیا ہے ۔ کتاب کی افادیت اس بات سے بڑھ گئی ہے کہ انہوں نے دوسرے اسلامی ممالک میں رائج الوقت اسلامی قوانین سے بھی استفادہ کیا ہے اور جہاں ان کے تنقیدی شعور نے رہنمائی کی ہے انہوں نے موجودہ پاکستانی قانون میں ترمیم کی تجاویز بھی پیش کی ہیں ۔ وہ چونکہ مغربی اور مشرقی علوم دونوں میں دستگاہ رکھتے ہیں اس لئے ان کی جچی تلی رائے اہل نظر کے لئے دعوت فکر و تفقہہ کا سامان اپنے اندر رکھتی ہے ۔ ان کی رائے سے اختلاف ممکن ہے لیکن ان کے کام نے فکر و نظر کے لئے جن نئی راہوں کی نشان دہی کی ہے وہ ہمارے تیزی سے بدلتے ہوئے معاشرہ کو سمت منزل متعین کرنے میں مدد دے سکتی ہیں ۔ مجھے امید واثق ہے کہ ان کی مخلصانہ محنت کو بنظر استحسان دیکھا جائے گا ۔

ایس ۔ اے رحمٰن

لاہور
۲۰ نومبر ۱۹۶۶ ع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ
طبع سوم

وطن عزیز میں نفاذِ اسلام کے عمل کی تائید و ترویج کے لئے ضروری ہے کہ قوانین اسلام کا وہ ذخیرہ جو عربی زبان میں ہے ، اردو میں منتقل ہو کر ملک کے قانون دان طبقہ کے ہاتھوں میں پہنچے ۔ ادارہ تحقیقات اسلامی اپنے قیام و تأسیس کے اول دن سے اس علمی خدمت میں مصروف ہے ۔ قوانین اسلام سے متعلق بعض انتہائی اہم کتابیں اردو ، اور انگریزی میں شائع کی گئی ہیں ، بعض بنیادی کتابوں یا ان کے منتخب ابواب کے اردو تراجم بھی شائع کئے گئے ہیں ۔ اسی مقصد کی خاطر اسلامی قوانین کو جدید لباس میں پیش کرنے کیلئے مجموعہ قوانین اسلام کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا ۔ جس کے مؤلف جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمن تھے ۔ اس سلسلے کی چھ جلدیں اب تک شائع کی جا چکی ہیں ۔ یہ سلسلہ پاکستان میں اسلامی قانون کی ضابطہ بندی (Codificatian) کی طرف ایک اہم قدم ہے ، اور اسلامی قانون کی تعبیر (Interpretatian) ، اور اطلاق و تنفیذ (Applicatian) کی اس تحریک کی ایک کڑی ہے جس کا آغاز مسلم ممالک میں ایک مدت تک قوانین اسلام کے تعطل کے بعد ترکی میں (١٨٦٦ ء میں) „ مجلة الاحکام العدلیه " کی صورت میں ہوا ۔

مجموعۂ قوانین اسلام کی دوسری جلد مسائل طلاق پر مشتمل ہے جسے ہم تیسری بار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں ۔ ہمارے لئے یہ امر باعث مسرت و افتخار بھی ہے اور موجب تشکر و امتنان بھی کہ ہماری اس کتاب کو قانون دان طبقے میں بھی پذیرائی نصیب ہوئی اور علماء نے بھی نہ

صرف اس کا خیر مقدم کیا ، بلکه دینی حلقه کے ایک وقیع ترجمان ماہ نامه بینات کراچی نے یه تجویز پیش کی که " اس کتاب کو ایک مجلس علماء کے سامنے رکھدیا جائے اور ان کی توثیق و اتفاق کے بعد اس کو حکومت ملک میں نافذ کر دے " -

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے که ادارہ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ میں علمی و فکری معاونت اور بطور خاص قوانین اسلام کو قومی زبان میں منتقل کرنے کی جو کوشش کر رہا ہے وہ شرف قبول پا رہی ہے -

دعا ہے که الله سبحانه و تعالی ہماری مخلصانه مساعی کو قبول فرمائے -

وما توفیقنا الا بالله -

یوم الخمیس ، ۱۹ ربیع الاول ،۱۴۰۵ ھ

۱۳ - دسمبر ۱۹۸۴ ء

ڈاکٹر شیر محمد زمان

ڈائریکٹر جنرل

دیباچہ

جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن

ڈائریکٹر ادارۂ تحقیقات اسلامی ، پاکستان

اس سے قبل فاضل مصنف کے قلم سے ایک مجلّد (مجموعۂ قوانین اسلام جلد ۱) ادارۂ تحقیقات اسلامی کی طرف سے ملّت اور حکومت کے پیش خدمت ہو چکی ہے ۔ جس کی پذیرائی بفضلہ تعالیٰ بہت اچھی ہوئی ہے ۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے علماء روایات کے ایک بڑے سربرآوردہ اور محترم حلقے نے بھی اس کو خوش آمدید کہا ہے اور موقّر ماہنامہ '' بیّنات'' نے تو تجویز پیش کی تھی کہ اس کتاب کو ایک مجلس علماء کے سامنے رکھ دیا جائے اور ان کے اتفاق کے بعد اس کو حکومت ملک میں نافذ کر دے ۔ بہرحال اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ ادارے کی مساعی رفتہ رفتہ انشاءاللہ کامیاب ہو رہی ہیں ـــ و اللہ یحق الحق و یھدی السّبیل ـ اصل میں یہ کام خود علماء کے کرنے کا تھا ۔ لیکن ان اکابرین ملت پر اب یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ دراصل یہ کام کتنا مشکل ہے ـــ یعنی اسلامی تعلیمات کو قانونی شکل دے کر ان کی بدلتے ہوئے معاشرے پر تطبیق ۔ اور یہ کام محض علم روایت کے بل بوتے پر سرانجام نہیں پا سکتا ۔ بلکہ اس کے لئے موجودہ علوم میں دسترس اور معاشرے کے تغیرات میں بصیرت از بس درکار ہیں ۔

اب اس سلسلے کی دوسری جلد حاضر ہے جو طلاق اور رشتۂ زوجیت کے مختلف طریقہ ہائے فصل و انفصال سے متعلق ہے ۔ ان مشکل مسائل پر فقہاء اسلام نے جن مختلف نقطہ ہائے نظر سے بحثیں فرمائی ہیں ان کی جامعیت بھی قارئین کے سامنے کھل کر آ جائے گی ۔ شکّر اللہ سعیھم ۔ اور جس قدرت ذہنی سے جناب تنزیل الرحمٰن نے ان پر جرح و تعدیل کی ہے اس سے فاضل مصنف کی علمی اور فکری قوتوں کا اندازہ بھی بخوبی ہو جاتا ہے ۔ جزاء اللہ الجزاء الا و فیٰ ۔ کئی مقامات پر مصنف نے فقہاء سے

اور کئی جگہ پر رائج الوقت قانون سے اختلاف کیا ہے اور اسی بنیاد پر تدوین قانون اسلامی کی کوشش کی ہے۔ کئی ایک مقامات ــــ بالخصوص طلاق ثلاثہ یا طلاق مغلّظہ کے مسئلہ پر فاضل مصنف کے فقہی استدلالات سے میرا ذاتی اختلاف ہے۔ لیکن آپ کے پیش کردہ مسئلہ کے حل سے مجھے مکمل اتفاق ہے۔ اس مسئلہ کے حل پر آپ نے متن کتاب میں اور پھر مقدمہ کتاب میں بھی جو توضیح پیش کی ہے وہ ہمارے بدلتے ہوئے معاشرے کی ضروریات کے لیے بہت مناسب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض اصحاب کو ان کے فقہی استدلالات یا مسئلہ کے حل سے اتفاق یا اختلاف ہو، لیکن ایک مفکّر کے نزدیک پوری تحقیق اور غور و فکر کے بعد دیانتداری سے ایک وقت پر جو رائے قائم ہو، وہی اس کا ثمرۂ اجتہاد ہوتا ہے۔ ایک مفکّر کو دوسرے سے اختلاف رائے ہو سکتا ہے لیکن اس کی تنقیص نہیں ہونی چاہیے۔ اور سب کا فیصلہ بالآخر ملّت کا اسلامی ضمیر (اجماع) کرتا ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ اس کتاب کو اہل علم حضرات بالعموم اور علماء روایت اور قانون ساز، ارکان عدلیہ اور وکلاء بالخصوص مفید پائیں گے۔

فضل الرحمٰن
ڈائرکٹر
ادارۂ تحقیقات اسلامی، راولپنڈی

مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۶۷ء

مقدّمہ

نومبر ۱۹۶۳ء کا ذکر ہے۔ میں چیف جسٹس پاکستان، عالی جناب جسٹس اے۔ آر کارنیلیس صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ چیف جسٹس صاحب نے فرمایا کہ ہالسبریز لاز آف انگلینڈ (Halsbury's Laws of England) کی طرح اسلامی قوانین کا ایک مجموعہ مرتب ہونا چاہیے۔ اور

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔

غیر منقسم ہندوستان کے مسلمانوں کی ساری جد و جہد آزادی اس مقدس مقصد کے حصول کے لئے تھی کہ مسلمانان ہند کو ایک ایسا خطۂ ارض مل جائے جہاں وہ قرآن و سنت کے قوانین رائج کر سکیں —— پاکستان بن گیا مگر اس خطۂ ارض میں قرآن و سنت کے مطابق قانون سازی کا کام ''قرارداد مقاصد'' سے آگے نہ بڑھ سکا۔ نہ حکومت وقت اور نہ کسی جماعت نے مروّجہ قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنے کا کام سر انجام دیا اور نہ ہی آئندہ بنائے جانے والے قوانین کو اسلامی نقطۂ نظر سے جانچنے کے لیے کسی کمیشن یا اتھارٹی کا قیام عمل میں آیا بلکہ جوں جوں وقت گزرتا گیا خود ''نظریۂ پاکستان'' ہی غبار آلود ہوتا گیا۔ ایک طرف حکومت اور سیاسی جماعتیں تھیں جن کے ارکان سیاسی جوڑ توڑ میں مشغول رہتے۔ دوسری طرف علماء کرام، جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور عوام الناس تھے۔ علماء کرام اپنے فرسودہ نظام تعلیم اور مخصوص ذہنی تربیت کے سبب اس عظیم کام سے عہدہ برآ نہ ہو سکتے تھے۔ اس لئے انھوں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ صرف حکومت پر اسلامی قانون بنانے کی ذمہ داری ڈال کر علمی سطح پر خود کوئی عملی اقدام نہ کیا جائے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی اکثریت اسلامی قانون کو ازمنۂ قدیم کی یادگار سمجھ کر اور عہد حاضر کے لیے ''ناقابل عمل'' قرار دے کر مطمئن ہو بیٹھی تھی، اور سادہ لوح عوام نعرہ بازی کا شکار تھے۔

صدر ایوب کی حکومت کو بہر حال یہ افتخار ضرور حاصل ہے کہ اس نے ایک طرف ادارۂ تحقیقات اسلامی کی بنیاد رکھی اور اسلامی تعلیمات کو قانونی شکل دے کر موجودہ معاشرہ پر تطبیق کا اہم کام اس کے سپرد کیا اور دوسری طرف اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل کا قیام عمل میں آیا تاکہ مروّجہ یا آیندہ قوانین پر اسلامی نقطۂ نظر سے بے لاگ رائے دی جاسکے (یہ ذمہ داری بہرحال متعلّقہ افراد کی ہے کہ وہ کس حد تک اپنے ملّی فرائض سے عہدہ برآ ہوتے ہیں) ۔

میں ان حالات کے پیش نظر ایک عرصہ سے اس بات کا متمنی تھا کہ اسلامی قوانین کو جدید انداز میں مدّون کیا جائے ۔ چیف جسٹس صاحب کے اس ارشاد نے میری اس دیرینہ خواہش کے لیے مہمیز کا کام کیا ۔ انھوں نے فرمایا :

"عدالتوں میں جب کبھی کسی مسئلہ میں گہرائی میں جانے اور اس مسئلہ کے مالہٗ اور ما علیہ کو معلوم کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے تو ہمارے پاکستانی وکلاء بڑے اطمینان اور بے فکری سے "ہالسبریز لاز آف انگلینڈ" اور "امریکن جورس پروڈنس" سے بے تکان حوالے پیش کرتے چلے جاتے ہیں ۔ لیکن ایسا شاذ ہی ہوتا ہے کہ متعلقہ مسئلہ پر اسلامی نقطۂ نظر سے بھی روشنی ڈالی جائے ۔ آخر ہمارے وکلاء اسلامی قانون، اس کے اصول اور احکام جاننے کی کوشش کیوں نہیں کرتے ؟"

میں چیف جسٹس صاحب کی خدمت میں یہ بات عرض نہ کر سکا کہ انگریزی نظام تعلیم نے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کون سا اسلام باقی چھوڑا ہے جو وہاں کے فارغ التحصیل قانون کے میدان میں انگریزی اور امریکی نقطہ ہائے نظر پیش کرنے کے ساتھ اسلامی نقطۂ نظر بھی پیش کر سکیں (اور آج اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود کم و بیش وہی صورت برقرار ہے) ۔

میں نے چیف جسٹس صاحب سے تو کچھ نہ کہا مگر ان کے کمرہ سے دل میں یہ عزم لے کر ضرور اٹھا کہ اس کام کو انجام دینے کی مقدور بھر کوشش ضرور کروں گا ۔ گھر آ کر مسلسل کئی راتوں اور دنوں کے غور و فکر کے بعد ان اہم

موضوعات پر مشتمل ایک خاکہ تیار کیا جن سے متعلق قرآن و سنت اور مستند کتب فقہ کی روشنی میں اسلامی قانون (احکام) کا مجموعہ تیار کیا جانا از بس ضروری تھا۔ اگرچہ میں یہ بات جانتا تھا کہ میرے لیے اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات اور علمی کم مائگی کے باعث تن تنہا اس عظیم کام کو انجام دینا غیر ممکن نہیں تو بے انتہا کٹھن اور مشکل ضرور ہے۔ لیکن میری مشکل پسند طبیعت ناممکن کو ممکن اور دشوار کو آسان بنانے پر تُلی ہوئی تھی۔ اور بالآخر میں نے دسمبر ۱۹۶۳ء میں اس عظیم کام کی داغ بیل ڈال دی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک مسئلہ اور در پیش تھا۔ وہ یہ کہ پاکستان میں کسی ایسے ادارے سے رابطہ قائم کیا جائے جو اس عظیم کام میں مستقل مزاجی کے ساتھ طباعت و اشاعت میں تعاون کے لئے آمادہ ہو۔ محدود روابط اور کمیٔ معلومات کے اعتراف کے ساتھ، مجھے پاکستان میں کوئی ایک بھی ایسا علمی ادارہ نظر نہ آیا جو بالکلّیہ غیر تجارتی بنیادوں پر اسلامی قوانین کے ایک ایسے مجموعہ کی طباعت و اشاعت کا ذمہ لے جو کسی ایک فقہی مسلک کا پابند نہ ہو—— خوش قسمتی سے میں نے اس بات کا ذکر اپنے کرم فرما جناب جسٹس ایس۔ اے۔ رحمن صاحب، جج سپریم کورٹ، پاکستان سے کیا۔ جسٹس صاحب نے مجھے ادارۂ تحقیقات اسلامی کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ جب میں نے اس کا ذکر محترم ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب، ڈائرکٹر ادارۂ تحقیقات اسلامی سے کیا تو موصوف نے پاکستان کی اہم اور قومی ضرورت کے پیش نظر اس خیال کو بہت سراہا اور ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ چنانچہ میں نے اللہ کے بھروسے پر اس کام کو کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی کہ میں کراچی میں اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کے علی الرغم ایک مجموعۂ قوانین اسلام تیار کروں اور ادارۂ تحقیقات اسلامی اس کو جلد وار شائع کرے۔

چنانچہ مارچ، ۱۹۶۴ء میں قوانین اسلام کی ترتیب نو اور تدوین جدید کے عظیم کام کا باقاعدہ آغاز کر دیا گیا۔ کام کی ابتداء شخصی قوانین (عائلی) سے کی گئی۔ اس کے چند اسباب تھے:

۱- ایک مہذب معاشرتی زندگی میں عائلی قوانین کی اہمیت وضرورت دوسرے

قوانین کی بہ نسبت زیادہ ہے ۔

۲۔ پاکستان میں مسلمانوں کی عائلی زندگی سے متعلق اسلامی قوانین (چند مستثنیات کے علاوہ) رائج ہیں ۔

۳۔ عدالتوں میں شرع اسلام کا یہ حصہ (چند مستثنیات کے علاوہ) نافذ العمل ہے اور عدالتوں میں ایک مستند مجموعہ کی ضرورت کا احساس پایا جاتا ہے ۔

۴۔ وکلاء اور عدلیہ کے بیشتر ارکان عربی زبان سے ناواقفیت کے سبب اصل مآخذ سے رجوع نہیں کر سکتے۔ بناء بریں ان کو انگریزی ترجموں یا غیر مسلم مؤلفین کی کتابوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے ۔ وہ بالعموم احکام شرعی کی غرض و غایت ، اسباب و علل اور مآخذ معلوم کرنے میں خاصی دشواری محسوس کرتے ہیں ۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجموعۂ قوانین اسلام کی پہلی جلد جو نکاح ، مہر اور نفقۂ زوجہ کے احکام سے متعلق دس ابواب پر مشتمل ہے ، جولائی ۱۹۶۵ع میں منظر عام پر آ گئی ۔ اب جلد ثانی آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔ یہ جلد طلاق کے احکام پر مشتمل ہے ۔ اس کو بھی (گیارہ لغایت بیس) دس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے :

گیارھواں باب :

یہ باب طلاق کی تعریف ، اقسام ، اہلیت ، تفویض اور شہادت سے متعلق ہے ۔

میں نے شہادت طلاق کے ضمن میں شیعہ فقہاء کے اس نقطۂ نظر سے اختلاف کیا ہے کہ طلاق بغیر شہادت واقع نہیں ہوتی ۔ اس بارے میں جمہور فقہاء کا مسلک کہ طلاق کے وقت گواہ قائم کر لینا مستحب ہے نہ کہ واجب ، صحیح معلوم ہوتا ہے۔

بارھواں باب :

اس باب میں جن حالتوں میں طلاق واقع نہیں ہوتی ان سے بحث کی گئی ہے ۔ اس ضمن میں طلاق بحالت نشہ اور طلاق بحالت جبر میں حنفیہ مسلک کو کلیۃً قبول نہیں کیا گیا ہے۔ میں نے بحث کے بعد ائمۂ ثلاثہ اور شیعہ فقہاء کے مسلک کو صواب سے قریب تر

پایا ہے اور اسی بنیاد پر قانون سازی کی ہے ۔ طلاق بحالت مرض الموت میں دوسرے مذاہب فکر سے اختلاف کرتے ہوئے حنفیہ مسلک کو اختیار کیا ہے ۔

تیرھواں باب :

یہ باب طلاق رجعی، طلاق بائن اور طلاق مغلّظہ سے متعلق ہے ۔ اس باب میں تفصیلی بحث و تجزیے کے بعد ائمۂ اربعہ کے اس نقطۂ نظر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ تین طلاق بلفظ واحد یا بوقت واحد تین ہی واقع ہوں گی ۔

منجملہ ان اہم مسائل کے جن پر متن کتاب میں مفصل بحثیں کی گئی ہیں، طلاق مغلّظہ یا طلاق بالثلاث کا مختلف فیہ مسئلہ بھی ہے ۔ جہاں تک احادیث نبوی و آثار صحابہ کا تعلق ہے، یہ حقیقت ثابت شدہ ہے کہ ان احادیث نبوی اور آثار صحابہ کی روشنی میں جو اس مسئلہ میں روایت کی جاتی ہیں اور متن کتاب میں بھی بیان کی گئی ہیں، امّت مسلمہ (شیعہ حضرات کو چھوڑ کر) تین طلاق بلفظ واحد یا بوقت واحد کے وقوع کی قائل اور اس کی تنفیذ کے حق میں رہی ہے ۔ ظاہر ہے کہ قانون محض اپنی حکمی یا جبری قوت کی بناء پر کسی ملک کے عوام کے لیے قابل قبول نہیں ہوا کرتا بلکہ قانون میں ایک اخلاقی روح ہوتی ہے جو اپنے اندر جاذبیت اور کشش رکھتی ہے اور لوگوں میں قانون کی پیروی کا جذبہ ابھارتی ہے ۔ لہذا اسلامی قانون سازی کے لئے جہاں معاشرہ میں سرعت سے رونما ہونے والی تبدیلیوں کے تحت مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کو ایک صحیح اور معیّن سمت دینا ضروری ہے وہاں شرعی پہلو کو بھی پیش نظر رکھنا لازمی ہے ۔ چنانچہ اس صورت حال کی موجودگی میں اسلامی تعلیمات کو اس انداز میں قانونی شکل دینا ہے کہ فی الاصل وہ قانون قرآن و سنت سے متصادم نہ ہو اور معاشرتی بہبود کا مقصد بھی حاصل ہو جائے ۔ طلاق بالثلاث کے مسئلہ میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس طرح طلاق دینا خلاف سنت ہے اور بدعت ہے ۔ طلاق دینے کا احسن طریقہ وہی ہے جس کی تعلیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے ۔

بد قسمتی سے ہند و پاکستان کے مسلمان ایک عرصہ سے تین طلاقیں بیک وقت دینے کے عادی چلے آرہے ہیں بلکہ تین طلاق سے کم کو طلاق ہی تصور نہیں کرتے ۔

یہ صورت بالا تفاق سنت کے خلاف اور معاشرتی بہبود کے بھی خلاف ہے۔ تاہم تین طلاقوں کا واقع ہو جانا بھی ثابت ہے اور اس پر برابر عمل بھی ہوتا رہا ہے۔ ایسی صورت میں موجودہ پاکستانی معاشرے کے لیے اس مسئلے کا اس سے بہتر کوئی حل سمجھ میں نہیں آتا کہ حکومت ''طلاق احسن'' کی بنیاد پر قانون بنائے لیکن قانون میں اس کی صراحت ہونی چاہیے کہ اگر کوئی شخص تین طلاق بیک وقت دے دے تو قانون کے نزدیک وہ طلاقیں نافذ قرار دی جائیں گی۔ لیکن اس طریقہ پر طلاق دینا مستوجب سزا ہوگا۔ اسی طرح طلاق جوں ہی دی جائے اس کو واقع قرار دیا جائے، نہ کہ اس کا وقوع چیرمین کو نوٹس دینے اور نوّے دن گذرنے پر موتوف ہو۔ البتہ طلاق کے بعد اگر کوئی شخص طلاق کی اطلاع نہیں دیتا (جس کا مقصود دراصل حکومت کے قائم کردہ ادارے کو مصالحت کا موقع فراہم کرنا ہے) تو وہ سزا کا مستوجب قرار دیا جا سکتا ہے اس لیے کہ اس کا اطلاع نہ دینا شرعی مصالح کے خلاف ہوگا۔

چودھواں باب :

یہ باب خلع سے متعلق ہے۔ خلع کے مسئلے میں ہمارے ملک میں کوئی قانون موضوعہ موجود نہیں اس لیے خلع اور اس کے متعلقہ مسائل کو قانون کی شکل میں منضبط کر دیا گیا ہے جس کی بنیاد پر پاکستان میں قانون بنایا جا سکتا ہے۔

پندرھواں باب تا سترھواں باب :

ان ابواب میں عورت کے حق طلب تفریق سے متعلق تفصیل کے ساتھ بحثیں کی گئی ہیں۔ چنانچہ مرد کے ظلم و ضرر، عیوب و امراض، مفقودالخبری، قید و عدم فراہمی نفقہ کے سبب عورت مرد سے بذریعہ عدالت تفریق حاصل کر سکتی ہے اور عدالت ظلم کو دفع کرنے کی غرض سے نکاح فسخ کرنے کی مجاز ہے۔

اٹھارھواں باب :

یہ باب ارتداد اور انکار و قبول اسلام کی بناء بر فسخ نکاح کی بحث پر مشتمل ہے۔

انیسواں باب :

اس باب میں ایلاء، ظہار اور لعان کے سبب فسخ نکاح سے متعلق بحث کی گئی ہے۔

بیسواں باب :

یہ باب عدّت کے احکام سے متعلق ہے ۔

مذکورہ بالا دس (۱۰) ابواب کے تحت احکام طلاق کو دفعہ وار مرتب کرکے بطور تشریح حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ، جعفریہ، زیدیہ اور ظاہریہ وغیرہ مکاتیب فکر کے نقطہ ہائے نظر پیش کیے گئے ہیں ۔ یہ احکام کتاب‌اللہ، احادیث نبوی، آثار صحابہ اور معتبر کتب فقہہ سے اخذ کیے گئے ہیں جن کے جابجا حوالے بھی دیے گئے ہیں ۔ تقابلی مطالعے اور جدید رجحانات سے واقفیت بہم پہونچانے کی غرض سے ممالک اسلامیہ میں رائج‌الوقت متعلقہ قوانین کے تفصیلی اقتباسات بھی پیش کیے گئے ہیں ۔ ساتھ ہی پاکستان میں رائج‌الوقت احکام طلاق کا بھی جائزہ لیا گیا ہے ۔ بعض مسائل سے متعلق پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کے فیصلے بھی زیر غور لائے گئے ہیں اور جہاں کہیں قانون نافذالوقت اور شرعی قانون میں تصادم محسوس کیا گیا ہے اس کی نشان دہی کرتے ہوئے قوانین نافذالوقت میں مناسب ترمیم کی تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں (البتہ تحقیق، نتائج اور تجاویز کی نوعیت بالکل ذاتی اور انفرادی ہے ۔ غور و فکر کے بعد میں جو کچھ سمجھا ہوں اور جس نتیجے پر پہونچا ہوں بیان کردیا ہے) ۔

یہاں یہ اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں نے مجموعۂ ہذا میں فقہی مسائل کے اعتقادی جوابات دینے کے بجائے اس امر کی کوشش کی ہے کہ مباحث سے پیدا ہونے والے اہم سوالات کو مدلّل اور فکر انگیز پیرایہ میں واضح کردوں ! کیونکہ یہ میرا ایقان ہے کہ اگر اسلام کو بیسویں صدی کی مسلم سوسائٹی میں ایک جان دار اور فعّال قوّت کی حیثیت سے نافذکرانا ہے تو ایسا کرنا ناگزیز ہوگا ۔ اور اگر میں اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوگیا ہوں تو یہ میری عین خوش قسمتی ہوگی ۔

دیگر مذاہب اور مغربی ممالک میں طلاق کے قوانین :

نکاح و طلاق کے مسائل کسی قوم کی اجتماعی زندگی میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ نا مناسب نہ ہوگا اگر یہاں یہودی، عیسائی اور ہندو مذاہب نیز مغربی ممالک کے رائج‌الوقت قوانین کا ایک سرسری جائزہ لیا جائے تاکہ زمانۂ حال کے قوانین

طلاق اور اسلامی قانون طلاق کے تقابلی مطالعے سے اسلامی قانون کی سربلندی اور ابدیت کا دعویٰ ثابت کرنے میں آسانی ہو۔

شریعت یہودیہ :

شریعت یہودیہ میں طلاق کی عام اجازت ہے۔ البتہ عورت کے لیے صرف مرد کے زناکار ثابت ہونے کی صورت میں طلب تفریق کا حق ہے۔ طلاق کے بعد مرد اپنی زوجہ سے دوبارہ نکاح نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرکے دخول کے بعد اس سے تفریق حاصل نہ کرلے یا وہ خود اسے طلاق دے دے یا مر جائے۔ اسلامی قانون میں طلاق رجعی میں رجوع اور طلاق بائن ایک یا دو کی صورت میں از سر نو نکاح کرنے کے جو احکام پائے جاتے ہیں، شریعت یہودیہ میں نہیں ملتے۔ اسی طرح اسلام میں عورت کو جن متعدد اسباب و وجوہ کی بناء پر طلب تفریق کا حق دیا گیا ہے وہ اسلامی قانون طلاق کی برتری کا بیّن ثبوت ہیں۔

ہندو مذہب :

عام ہندو مذہب طلاق کے نام سے آشنا نہیں کیونکہ ہندو نقطۂ نظر کے مطابق نکاح شوہر و زوجہ کے درمیان ناقابل تنسیخ ہے لہذا کسی فریق کو بھی طلاق کی اجازت نہیں حتیٰ کہ مرد کا زوجہ سے ترک تعلق کر لینا یا کسی ایک کا مرتکب زنا ہونا بھی فسخ نکاح کا موجب نہیں مگر اب ہندوؤں کے قانون میں بھی طلاق کا حق تسلیم کر لیا گیا ہے۔

عیسائی مذہب :

عیسائی مذہب نکاح کو ناقابل انقطاع تصور کرتا ہے لیکن بالآخر مجبور ہوکر یہ قرار دیا گیا کہ فریقین میں سے کسی ایک کا مرتکب زنا ہونا علیحدگی کا موجب ہو سکتا ہے مگر یہ ''علیحدگی'' محض جسمانی ہوگی۔ رشتۂ نکاح بدستور قائم رہے گا، کیونکہ ''جسے اللہ نے جوڑا اسے آدمی جدا نہ کرے''۔ بالفاظ دیگر زوجین میں سے کسی ایک کو نکاح ثانی کی اجازت نہ ہوگی بلکہ وہ بقیہ عمر ''ازدواجی زندگی'' سے محروم رہیں گے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بداخلاقی اور حرام کاری کو کھلی

چھٹی مل گئی ۔ اس موضوع پر ''چرچ'' اور ''اسٹیٹ'' میں زبردست آویزش ہوئی اور عیسائی چرچ دو گروہوں میں بٹ گیا ، ایک رومن کیتھولک اور دوسرا پروٹسنٹ ، ایک وہ جو ازدواجی تعلق کو ناقابل انقطاع تصور کرتا ہے اور دوسرا قابل انقطاع ۔

انگلستان :

اپنے ابتدائی عہد میں انگلستان میں ازدواجی معاملات سے متعلق قانون کلیتاً کلیسائی تھا ۔ بالخصوص جب سے پاپائے روم کو اعلیٰ ترین کلیسائی اختیارات حاصل ہوئے ، کلیسائی عدالتیں ازدواجی معاملات میں کلیسائی قانون کے مطابق فیصلے دیتی تھیں ۔ ایک عیسائی نکاح ناقابل فسخ تھا ۔ البتہ بعض معاملات میں طلاق جو جدید عہد کی عدالتی تفریق کے مترادف ہے ، ممکن تھی ۔ ہنری ہشتم نے اپنے زمانے یعنی سولھویں صدی میں جو اصلاحات نافذ کیں ان کا کلیسائی عدالتوں پر کوئی خاص اثر نہ پڑا ۔ چنانچہ طلاق ، جس کو عدالتی تفریق کہنا زیادہ مناسب ہوگا ، پارلیمان سے نجی ایکٹ کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی تھی ۔ اس کا طریقۂ کار یہ تھا کہ اگر کوئی عورت یا مرد طلاق چاہتا تھا تو ملک کی پارلیمان مخصوص طور پر اس معاملے سے متعلق ایک قانون منظور کیا کرتی تھی ۔ انگلستان میں یہ صورت ۱۸۵۷ع تک برقرار رہی اس سے قبل گزشتہ ڈیڑھ سو سال میں انگلستان کی پارلیمان نے ۳۴۲ پرائیویٹ ایکٹس آف پارلیمان کے ذریعہ طلاقیں منظور کیں ۔ لیکن یہ طریقۂ کار بہت پیچیدہ اور گراں تھا ، جس سے صرف دولت مند افراد ہی فائدہ اٹھا سکتے تھے ۔

انگلستان میں عدالتی ذریعہ سے تفریق حاصل کرنے کا اختیار سب سے پہلے قانون معاملات ازدواج (Matrimonial Causes Act) مجریہ ، ۱۸۵۷ع کے تحت دیا گیا ۔ اس کے بعد متعدد ترمیمی اور ضمنی قوانین بنائے گئے جو ۱۹۲۵ع میں سپریم کورٹ آف جوڈی کیچر (کنسا لیڈیشن) ایکٹ ، ۱۹۲۵ع کے تحت جمع کر دیے گئے ۔ یہ مجموعۂ قوانین ۱۹۵۰ع تک نافذ رہا ۔ آج کل انگلستان میں قانون معاملات ازدواج ایکٹ ، ۱۹۵۰ع نافذ ہے ۔

چونکہ عیسائی مذہب کی رو سے نکاح ناقابل فسخ ہے اس لیے زمانے کے تقاضوں

سے مجبور ہو کر مسیحی کلیسا کو بالآخر ایک نیا طریقہ نکالنا پڑا اور وہ یہ کہ اگر کوئی شخص درحقیقت نکاح کا انفساخ چاہتا تو وہ یہ کرتا کہ کلیسائی عدالت کے سامنے نکاح کے کالعدم قرار دئے جانے کا دعویٰ کرتا جس کے تحت یہ قرار دیا جاتا کہ نکاح باطل تھا ۔ گویا اس کا عدم و وجود برابر ہو جاتا ۔ اور اس طرح زوجین کو ایک دوسرے سے نجات مل جاتی ۔ ۱۸۵۷ع کے ایکٹ کے تحت نکاح کو کالعدم قرار دینے سے متعلق قانون کو برقرار رہنے دیا گیا ۔ علاوہ ازیں مذکورہ ایکٹ میں چند ایسی صورتوں کا بھی تعیّن کر دیا گیا جن کی بناء پر اس فریق کو جو طلاق کا خواہش مند ہو ، طلاق طلب کرنے کا حق حاصل ہو گیا ۔

جن صورتوں میں نکاح فی نفسہ باطل قرار دیا جا سکتا تھا وہ حسب ذیل تھیں :

۱۔ جب کہ مرد یا عورت پہلے ہی سے شادی شدہ ہو اور اس کی بیوی یا شوہر (جیسی بھی صورت ہو) زندہ ہو اور وہ سابق نکاح قائم ہو ۔
۲۔ جب کہ اس شخص کی ، جس کے ساتھ نکاح ہوا ہو ، شناخت میں غلطی ہو گئی ہو ۔
۳۔ جب کہ کوئی فریق بعد تحقیق پاگل پایا گیا ہو ۔
۴۔ جب کہ فریقین کے درمیان بوجہ قرابت حرمت محرمہ ہو ۔
۵۔ جب کہ نکاح کی ضروری رسوم ادا نہ کی گئی ہوں ۔
۶۔ جب کہ کوئی فریق کم عمر ہو ۔
۷۔ جب کہ نکاح فرضی ہو ۔

انگریزی قانون کے تحت حسب ذیل صورتوں میں نکاح کو فاسد (voidable) قرار دیا گیا :

۱۔ جب کہ کوئی فریق نامرد ہو اور جماع ناممکن ہو ۔
۲۔ جب کہ فریق ثانی کے عمداً انکار سے تعلق زنا شوئی کی تکمیل (consumation of marriage) نہ ہوئی ہو ۔
۳۔ جب کہ عورت کسی اور شخص سے حاملہ ہو ۔

۴۔ جب کہ نکاح دھمکی، خوف یا دباؤ سے ہوا ہو۔
۵۔ جب کہ بوقت شادی کوئی ایک فریق نشے میں ہو۔

آخری دو صورتیں پہلے باطل قرار پاتی تھیں لیکن آج کل انہیں فاسد سمجھا گیا ہے۔

دراصل انگلستان کے قانون میں نکاح کو کالعدم قرار دینے کی جن صورتوں کو وقتاً فوقتاً قانونی حیثیت دی گئی ہے ان میں ردّ و بدل ہوتا رہا ہے۔ یہ ردّ و بدل نہ صرف ان وجوہ میں اضافے کی شکل میں ہوا بلکہ اس شکل میں بھی ہوا کہ جس وجہ کے سبب نکاح باطل قرار دیا جاتا تھا، اس کے بجائے فاسد قرار دیا جانے لگا۔

باطل اور فاسد نکاحوں میں اثرات اور نتائج کے اعتبار سے یہ فرق رکھا گیا کہ باطل نکاح کے بارے میں یہ قرار دیا جاتا کہ وہ نکاح منعقد ھی نہیں ہوا۔ اور زوجین کے درمیان ابتداء ھی سے کوئی ازدواجی رشتہ، تعلق یا درجہ حاصل نہ تھا۔ جب کہ فاسد نکاح کی صورت میں وہ نکاح جائز اور قائم سمجھا جاتا، اس وقت تک کے لیے جب تک کہ زوجین کی زندگی میں اس کے کالعدم کرانے کی ڈگری حاصل نہ کر لی جاتی۔ نتیجے کے طور پر جو ڈگری باطل نکاحوں میں دی جاتی وھی فاسد نکاحوں میں دی جاتی تھی، لیکن جو امور فاسد نکاح کی صورت میں دوران نکاح وقوع پذیر ھو چکے تھے وہ اس ڈگری سے غیر متاثر رہتے تھے۔ ایک دوسرا فرق باطل اور فاسد نکاحوں میں یہ تھا کہ نکاح کے باطل ہونے کا دعویٰ کسی فریق یا فریقین کی موت کے بعد بھی کیا جا سکتا تھا، جب کہ فاسد نکاحوں میں ایسا دعویٰ بے اثر ثابت ھو سکتا تھا۔

فاسد اور باطل نکاحوں کی صورت حال نے انگلستان کی عدالتوں میں دشواریاں اور پیچیدگیاں پیدا کیں اس کا اندازہ جی۔ سی۔ چشائر کی کتاب پرائیویٹ انٹرنیشنل لا (چھٹا ایڈیشن) کے صفحہ ۳۷۲ پر مندرج اس قول سے لگایا جا سکتا ھے کہ ''ابھی تک پرائیویٹ انٹرنیشنل لا، کے میدان میں نکاح کے کالعدم قرار دینے سے متعلق انگریزی عدالتوں کے فیصلوں نے وسیع اور عام اصولوں پر مشتمل کسی مربوط نظام قانون کو مصرّح طور پر پیش نہیں کیا ھے۔ اس انتشار کا ایک اور سبب یہ ھے کہ

انگریزی قانون ان وجوہ و اسباب کی بناء پر نکاح کالعدم قرار دیتا ہے جو طلاق کی وجوہ ہونی چاہئیں تھیں۔ اس دوران میں وقتاً فوقتاً جو قانون سازی کی گئی ہے اس نے اس شعبہ کے بے ڈھنگے پن (inelegence) میں اور اضافہ کر دیا ہے۔''

انگلستانی عدالتیں حسب ذیل وجوہ کی بناء پر طلاق دے سکتی ہیں :

۱۔ شوہر یا بیوی نے نکاح کے بعد زنا کا ارتکاب کیا ہے۔

۲۔ درخواست طلاق پیش کرنے سے ۳ سال پہلے سے درخواست گزار کو فریق ثانی نے چھوڑ رکھا ہے۔

۳۔ نکاح کے بعد سے درخواست گزار کو ظلم و ستم کا شکار بنا رکھا ہے۔

۴۔ درخواست پیش کرنے سے پانچ سال قبل سے شوہر یا زوجہ پاگل ہے۔ اور مسلسل زیر علاج ہے، اور وہ پاگل پن ناقابل علاج ہے۔

۵۔ شوہر شادی کے بعد زنا بالجبر یا اغلام کا مرتکب ہوا ہے۔

انگلستان کے قانون میں اس امر کی صراحت کر دی گئی ہے کہ عام قاعدے کے تحت عدالت میں بلا اجازت خاص طلاق کی کوئی درخواست نکاح کے ۳ سال گزر جانے سے قبل پیش نہیں کی جا سکتی۔

زنا کا الزام اگر جھوٹا ثابت ہو تو عدالت طلاق نہیں دے سکتی۔

انگلستان کے قانون کے تحت عدالت اس امر کی مجاز ہے کہ عدالتی تفریق کی صورت میں اپنی صواب دید سے زوجہ کو گزارہ الاؤنس (alimony) دیے جانے کا حکم دے سکتی ہے جو (عدم طلاق کی صورت میں) تا حیات ہوگا۔ نیز نکاح کو کالعدم قرار دینے یا طلاق کی ڈگری دینے کے بعد بعض صورتوں میں عدالت شوہر کو مستقل گزارہ الاؤنس دینے کا حکم بھی دے سکتی ہے۔ مزید برآں زوجہ کے متعلق زناشوئی کی تکمیل (consumation of marriage) سے انکار کی صورت میں بھی اگر نکاح کالعدم قرار دیا گیا ہو تب بھی زوجہ کے حق میں عدالت شوہر کو اس بات کا پابند کر سکتی ہے کہ وہ عورت کو گزارہ الاؤنس دے۔

فرانس :

انقلاب کے بعد فرانس میں طلاق کے سلسلے میں کچھ آسانیاں پیدا کی گئی تھیں

لیکن بعد ازاں کوڈ نیپولین (Code Nepoleane) میں کچھ پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ چنانچہ ۱۸۱۶ میں طلاق دینا قطعاً ممنوع قرار دے دیا گیا۔ البتہ ۱۸۸۴ع میں اس کو جائز قرار دیا گیا۔ اس کے بعد ۱۸۸۶ع، ۱۹۰۷ع اور ۱۹۲۴ع میں مختلف قوانین کے ذریعہ چند وجوہ و اسباب کی موجودگی میں عدالت کو طلاق کا حق دیا گیا ہے۔

جرمنی، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ وغیرہ :

عدم مباشرت کی صورت میں عورت کو جرمنی میں ایک سال، سوئٹزرلینڈ میں ۳ سال اور ہالینڈ میں ۵ سال کی مدت گذر جانے پر طلب تفریق کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس بارے میں دوسرے ممالک کے قوانین خاموش ہیں۔ چنانچہ جدید عہد کے تقاضوں سے مجبور ہوکر دیگر مغربی ممالک کو بھی عورت کے حق تفریق کا قائل ہونا پڑا اور انھوں نے اپنے اپنے انداز میں قانون سازی کی۔

اسی طرح شوہر کے مفقود الخبر ہونے کی صورت میں سوئٹزرلینڈ میں ۶ سال اور ہالینڈ میں ۱۰ سال کے بعد عورت کو طلب تفریق کا خق حاصل ہوتا ہے۔

شوہر کے مجنون (پاگل) ہونے کی صورت میں جرمنی، سویڈن، اور سوئٹزرلینڈ میں ۳ سال کے بعد عورت کو طلب تفریق کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔

عدت کے بارے میں بلجیم اور فرانس میں ۱۰ ماہ کی مدت مقرر ہے۔ دیگر ممالک میں نہیں ہے۔ (فرانس کے زیر اثر ترکی میں بھی عدت کی مدت ۳۰۰ دن مقرر ہے جو صریحاً قرآن کے خلاف ہے)۔

زوجین میں سے کسی ایک کے قید میں ہونے کی صورت میں آسٹریلیا میں ۵ سال اور بلجیم میں محض سزا یاب ہونے کی صورت میں طلاق کا حق حاصل ہو جاتا ہے لیکن سویڈن اور ہالینڈ میں حبسِ دوام کی صورت میں یہ حق ہوتا ہے۔

حال ہی میں میکسیکو کی پارلیمان نے مطلّقہ عورت کو یہ حق دیا ہے کہ فریقین باهمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔

نتیجۂ فکر :

حقیقت یہ ہے کہ ان نام نہاد ترقی یافتہ قوانین کے مقابلے میں اسلامی قانون

طلاق توازن، عدل، انصاف، رواداری، اخلاق و عصمت کی محافظت، محبت اور مودت مقاصد نکاح کے حصول، نجات اخروی، مصلحت عامہ اور انسانی فطرت کے اصولوں پر قائم ہے۔ اور ہم فخر کے ساتھ دنیا کے سامنے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ چودہ سو سال پہلے جو قانون اللہ اور اس کے رسول نے عطا کیا ہے وہ مغربی دنیا کے موجودہ قوانین طلاق سے افضل اور بدرجہا بہتر ہے۔ (اس دعوے کے ثبوت میں انتہائی انکسار اور عاجزی کے ساتھ یہ کتاب حاضر ہے)۔ دراصل مغربی دنیا کا قانون اخلاقی قانون کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا اور نہ ہی نکاح کے دیوانی نتائج مذھبی نتائج کے مطابق ہوتے ھیں۔ اس کا اعتراف خود ھالسبریز لاز آف انگلینڈ مرتبہ لارڈ سائمنڈس جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۴ پر کیا گیا ہے۔

آخر میں مجھے ایک اعتراض کا جواب دینا ہے۔ شرع اسلام پر بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ھیں کہ مرد کے ھاتھ میں طلاق کا اختیار دے کر عورت کے ساتھ بے انصافی کی گئی ہے؛ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ شرع نے طلاق کو ضرورت کے وقت مباح کیا ہے ورنہ طلاق دینے والا گناہ گار ھوگا۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ شرع اسلام نے نفاذ طلاق کو حکم حاکم پر موقوف نہیں رکھا، جب کہ بعض حضرات طلاق کے نافذ ھونے کا فیصلہ حکم حاکم پر موقوف رکھنا چاھتے ھیں، کیونکہ اس طرح زوجین کے اعمال کی جانچ ھو جاتی ہے اور مرد کو آزادی کے ساتھ اپنی منشاء چلانے کا موقع نہیں ملتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بلا حکم حاکم نفاذ طلاق میں بڑی حکمتیں پوشیدہ ھیں۔ اسلام مرد و عورت کو اعمال کی اصلاح کا خود ھی موقع دیتا ہے البتہ بعض صورتوں میں عورت کو طلب تفریق کا اختیار بھی دیا گیا ہے جو معاشرے میں اصلاح کا موجب ہے نہ کہ برائی کا۔ علاوہ بریں اسلامی قانون میں جن وجوہ کی بناء پر عورت کو طلب تفریق کا حق دیا گیا ہے وہ مثالی نوعیت رکھتی ھیں۔ دنیا کی کوئی شریعت یا کسی ملک کا قانون اسلامی قانون طلاق کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسلامی قانون طلاق میں رجعت، خلع، باھمی رضامندی سے علیحدگی (مبارات) اور تفویض طلاق کے اصول اعلیٰ معاشرتی قدروں کی بنیاد پر قائم ھیں، جن کی کوئی نظیر

نہیں ملتی۔ فاقم وجھک للدین حنیفاً فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا لاتبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم و لکن اکثر الناس لا یعلمون (پس تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر، اللہ کی تراش وہی ہے جس پر اس نے لوگوں کو تراشا ہے۔ اللہ کے بنائے ہوئے کو بدلنا نہیں۔ یہی ہے سیدھا دین، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ (سورۃ الروم، ۳۰)

کسی بھی ملک میں فقہ (قانون) سے دل چسپی رکھنے والوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک معلّم اور دوسرے عامل — ہمارے ملک میں اسلامی قانون کے ضمن میں بھی یہی صورت ہے — ایک گروہ میں علماء ہیں اور دوسرے گروہ میں وکلاء، جج اور قانون ساز آتے ہیں۔ ہمارے علماء جو فقہ (اسلامی قانون) کی درس و تدریس مشغول رہتے ہیں ان کا مطالعہ اس شخص کے مطالعے سے یقیناً مختلف ہوگا جو قانون کو اپنی پوری وسعت کے ساتھ زندگی کی عملی حقیقتوں سے شب و روز باہم دست و گریبان دیکھتا ہے۔

ان دونوں گروہوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ پہلا گروہ فقہ کے محض روایتی انداز میں مطالعے پر اکتفا کرتا ہے، جب کہ ایک قانون ساز، جج یا وکیل قانون کے ساتھ اس معاشرے کو بھی نگاہوں سے اوجھل ہونے نہیں دیتا جس پر اس قانون کا اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ قانون بالآخر معاشرے کی بہبود کے لیے ہوتا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قوانین اسلام کی ترتیب جدید و تدوین نو کا کام بے انتہا مشکل اور کٹھن ہے۔ یہ کام نہ تو محض ہمارے موجودہ علماء کر سکتے ہیں جو، ماسوائے چند شخصیتوں کے، سطحی انداز کی تدریسی ضروریات کی تکمیل کے تنگ دائرہ میں محدود ہو کر رہ گئے ہیں جو فرسودہ نظام تعلیم کے تحت غیر تحقیقی انداز پر قائم ہے، اور نہ محض جدید ماہرین قانون کر سکتے ہیں جو قدیم اسلامی علوم سے بے بہرہ ہونے اور اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کے باعث اس قسم کے تحقیقی کاموں سے مستغنی ہیں۔ البتہ ان دونوں طبقوں کے باہمی اشتراک و تعاون سے یہ کام بطریق

احسن انجام دیا جا سکتا ھے لیکن بد قسمتی سے یہ دونوں گروہ ''ھمچو من دیگرے نیست'' کی غلط فہمی کا شکار ھیں' اپنے سوا کسی دوسرے کو خاطر میں نہیں لاتے۔ (یہاں یہ اشارہ کر دینا غالباً نامناسب نہ ھو گا کہ راقم الحروف نے' جیسا کہ ماھنامہ بیّنات کراچی نے (شمارہ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ میں) اعتراف کیا ھے' اس کام میں سرفہرست علماء کا تعاون حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کی مگر بعض ''اسباب و عوامل'' کی بناء پر کامیابی حاصل نہ ھوسکی) - یہی وجہ ھے کہ پاکستان کے قیام کو بیس سال ھونے کو آئے مگر آج تک طبقۂ علماء کسی ایک موضوع پر بھی اسلامی قانون کا مسودہ پیش نہ کرسکا۔ اسی طرح ماھرین قانون کا دامن بھی خالی ھے - اندریں حالات میرے لیے اس عظیم کام کا تن تنہا آغاز ھی ایک تائید غیبی ھے - ''اللہ ولیُّ التوفیق فی البدایة والنہایة۔'' اللہ ھی ھر کام کے آغاز اور انجام میں توفیق بخشنے والا ھے۔

ناسپاسی ھوگی اگر میں استاذ محترم مولینا محمد حقیق صاحب' سابق شیخ الحدیث مدرسۂ عالیہ' رام پور و مدرسۂ امدادیہ عربیہ' مراد آباد (یو-پی) بھارت اور مولانا مفتی امجد علی صاحب' سابق استاذ الحدیث مدرسہ مطلع العلوم' رام پور کا شکریہ ادا نہ کروں جنھوں نے بعض اھم اور نازک مسائل میں میری رھنمائی فرمائی'

وھذا ماتَیَسَّرَ لِلْعاجِزِ الْحقیر بعنایة مولاہُ القَوِیّ القدیر۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ العِزَّةِ عَمَّا یَصِفُونَ ۝ و سَلَامٌ علی المُرسَلِینَ ۝

و الحَمدُ لِلّٰه رَبِّ العَالَمِینَ ۝

طالب مغفرت

تنزیل الرحمٰن

کراچی

۱۰ جنوری' ۱۹۶۷ء

قانونِ طلاق

مع شرح

گیارھواں باب

طلاق کی تعریف، اقسام، اہلیت، شہادت اور تفویض

تعریف طلاق

۹۳۔ شوھر کی جانب سے اصالتاً یا وکالتاً، نیابتاً یا تفویضاً مخصوص الفاظ کے ساتھ یا بالکنایه، فی الفور یا بالنتیجه، رشتۂ ازدواج ختم کرنے کا نام طلاق ھے۔

تشریح

''طلاق'' کے لغوی معنی ''ترک'' اور ''مفارقت'' کے ھیں۔ امام سرخسی[1] نے طلاق کے لغوی معنی ''ازالۃُ القید'' کے لکھے ھیں یعنی قید سے رھائی اور چھٹکارا۔ اس کا مادہ ''طلقٌ'' ھے جس سے لفظ اطلاق ماخوذ ھے جس کے معنی ''رھائی'' کے ھیں۔

شرع میں طلاق مخصوص الفاظ کے ساتھ اس قید کے اٹھا دینے کو کہتے ھیں جو طلاق کے وقت نکاح سے قائم ھو۔ بعض فقہاء کے خیال میں طلاق مخصوص الفاظ کے ذریعہ نکاح کی قید کو ختم کرنے یا نکاح کی اس گرہ کو کمزور کر دینے کے ھیں کیوں کہ بائن طلاق کی صورت میں نکاح فوری ختم ھو جاتا ھے، جب کہ رجعی طلاق کی صورت میں نکاح عدت گزر جانے تک ختم نہیں ھوتا، بلکہ کمزور ھو جاتا ھے۔

حنفی کتب فقہ میں طلاق کی تعریف :

ابن ھمام نے اپنی مشہور کتاب فتح القدیر میں مخصوص الفاظ یا کنایہ یا کسی دوسرے ذریعہ مثلاً قاضی کے حکم سے قید نکاح اٹھا

---

(۱) المبسوط، امام سرخسی (۴۸۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ھجری، جلد ۶ صفحہ ۲۔

دینے کو طلاق کہا ہے۔[۲] اللباب[۳] اور بحر الرائق[۴] میں لکھا ہے کہ "مخصوص الفاظ کے ساتھ قید نکاح کو فی الفور یا بالنتیجہ اٹھا دینے کو طلاق کہتے ہیں۔ "درالمختار"[۵] میں علی الفور طلاق بائن کے ذریعہ یا بالنتیجہ طلاق رجعی کے ذریعہ مخصوص الفاظ کے ساتھ قید نکاح اٹھا دینے کو طلاق کہا گیا ہے۔ کنز الدقائق[۶]، ملتقی الابحر[۷] اور شرح مجمع البحرین[۸] میں طلاق کی تعریف "رفع القید الثابت بالنکاح" کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے یعنی "طلاق عبارت ہے رفع قید نکاح[۹] سے جو شرعاً ثابت ہو۔"

دیگر مذاہب فقہ کی کتب میں طلاق کی تعریف:

طلاق کی مندرجہ بالا تعریفیں حنفی کتب فقہ میں بیان کی گئی ہیں۔ دیگر مذاہب فقہ کی کتابوں میں بھی مختلف تعریفیں ملتی ہیں۔ حنفی مذاہب فقہ کے علاوہ دوسرے مذاہب فقہ کی کتابوں میں طلاق کی

---

(۲) "و فی الشرع رفع قید النکاح بلفظ مخصوص او بکنایۃ و غیرھما کقول القاضی" فتح القدیر، ابن ہمام (۸۶۱ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۲۱۔ یہاں یہ اشارہ کرنا بے محل نہ ہوگا کہ قاضی کے حکم سے جو قید نکاح اٹھائی جاتی ہے وہ بعض مواقع پر فسخ کی ایک صورت ہوتی ہے۔

(۳) "رفع قید النکاح فی الحال او المآل بلفظ مخصوص" اللباب للمیدانی، شرح علی مختصر القدوری، المطبعۃ الجمالیۃ، ۱۳۳۰ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۳۰۔

(۴) "فالحد الصحیح قولنا رفع قید النکاح حالا اومآلا بلفظ مخصوص" بحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۲۵۲۔

(۵) "و شرعاً رفع قید النکاح فی الحال بالبائن اوالمآل بالرجعی بلفظ مخصوص" درالمختار بر حاشیہ ردالمحتار، علاءالدین حصکفی (۱۰۸۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۲۵۲ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۴۲۶۔

(۶) کنز الدقائق، نسفی (۷۱۰ھ) مطبع مجتبائی، دھلی، ۱۳۲۸ ہجری، صفحہ ۱۱۴۔

(۷) ملتقی الابحر بر حاشیہ مجمع الانہر، شیخ ابراھیم بن محمد بن ابراھیم الحلبی (۹۵۶ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۷ ہجری، جلد ۱، صفحہ ۳۸۱۔

(۸) مجمع البحرین، احمد بن علی المعروف بابن الساعاتی (۶۹۴ ہجری) کتاب الطلاق، مصلح المطابع، دھلی، ۱۸۹۹ع، صفحہ ۲۔

(۹) "قید نکاح" سے دراصل وہ احکام شرع مراد ہیں جو نکاح صحیح کی صورت میں زوجین پر مرتب ہوتے ہیں مثلاً حق حبس، حق انتفاع، حق نفقہ وغیرہ۔

جو مختلف تعریفیں بیان کی گئی ہیں وہ اگرچہ شرعاً درست ہیں لیکن ان تعریفات میں جامعیت اور ہمہ گیری نہیں پائی جاتی جو طلاق کی تعریف میں داخل امور کا کلی طور پر احاطہ کر سکے جیسا کہ صفحے کے آخر میں نیچے دی ہوئی تعریفات سے واضح ہوگا۔[10]

مندرجہ بالا کتب فقہ میں جو تعریفات بیان کی گئی ہیں وہ مکمل اور جامع نہیں کہی جا سکتیں۔ فٹ نوٹ میں دی ہوئی تمام تعریفات نہایت مجمل ہیں۔ اسی طرح آخرالذکر تین حنفی کتابوں میں بیان کردہ تعریفات بھی ناقص ہیں کیوں کہ ان کتابوں میں طلاق کی جو تعریف بیان کی گئی ہے اس میں ایسی طلاق داخل نہیں ہے جو بالنتیجہ یا رجعی ہو۔ (جس میں قید نکاح عدت گزرنے کے بعد ختم ہوتی ہے) نیز ان تعریفات میں تفریق بسبب خیار بلوغ، یا عدم کفاءت یا ارتداد کی صورتیں بھی آسکتی ہیں جب کہ یہ صورتیں ''فسخ'' کی تعریف میں داخل ہیں نہ کہ طلاق میں، کیوں کہ فسخ کی صورت میں بھی قید نکاح ختم ہو جاتی

---

(۱۰) تعریفات (دیگر):
المالکیۃ: ''الطلاق: صفۃ حکمیۃ ترفع حلیۃ متعۃ الزوج بزوجتہ'' مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، محمد بن عبدالرحمان المغربی (۹۵۴ ہجری)، مطبعۃ السعادۃ، مصر، ۱۳۲۹ھ جلد ۴، صفحہ ۱۸۔
الشافعیۃ: الطلاق: حل عقدہ النکاح بلفظ الطلاق و نحوہ ''مغنی المحتاج شرح المنہاج، شیخ محمد الشربینی الخطیب (۹۷۷ ہجری) مطبعۃ مصطفیٰ البابی، ۱۹۳۳ع، جلد ۳، صفحہ ۲۷۹۔
الحنابلۃ: ''الطلاق: ہو حل قید النکاح او بعضہ'' الاقناع، شرف الدین المقدسی، (۹۶۸ ہجری) المطبعۃ المصریہ، جلد ۴، صفحہ ۲۔
الامامیۃ: ''الطلاق: ازالۃ قید النکاح بصیغۃ طالق و شبہہا'' جواہرالکلام طبع حجر ایران، جلد ۵، صفحہ ۲۷۱۔
الزیدیۃ: ''الطلاق: قول مخصوص اوما فی معناہ یرتفع بہ النکاح اوینثلم'' المنتزع المختار، عبداللہ بن مفتاح (۸۷۷ ہجری) قاہرہ، ۱۳۳۲ھ، جلد ۲، صفحہ ۳۸۱۔

ہے ۔ اسی طرح طلاق کی تعریف میں رفع قید نکاح کو مخصوص الفاظ[11] یا کنایہ[12] کے ساتھ مقید کرنا بھی ضروری ہے ساتھ ہی رفع قید نکاح کا فی‌الفور یا بالنتیجہ ہونا بھی ضروری ہے کیوں کہ بائن طلاق کی صورت میں فی الفور نکاح ختم ہو جاتا ہے جب کہ رجعی طلاق کی صورت میں نکاح عدت گزر جانے کے بعد ختم ہوتا ہے ۔

بلاد اسلامیہ کے عائلی قوانین میں تعریف طلاق :

آج کل مختلف اسلامی ممالک میں جو عائلی قوانین نافذ ہیں اور ان میں طلاق کی جو تعریفات بیان کی گئی ہیں ، ان میں سے کوئی ایک تعریف بھی جامع و مانع نہیں کہی جا سکتی ۔ البتہ عراق اور مراکش کے رائج الوقت عائلی قوانین میں بیان کردہ تعریفات تیونس کے قانون میں بیان کردہ تعریف کے مقابلہ میں بہتر ہیں ۔[13]

نتیجۂ فکر :

مذکورہ بالا تعریفات کا بغور جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ مذکورہ بالا کتب فقہ میں جو مختلف تعریفیں بیان کی گئی ہیں ان میں ابن ہمام ، ابن نجیم اور علاء الدین حصکفی کی بیان کردہ

---

(۱۱) "مخصوص الفاظ" کا مطلب یہ ہے کہ وہ الفاظ طلاق کے لیے صریح ہوں مثلاً "میں نے تجھے طلاق دی ۔"

(۱۲) "کنایہ" سے مراد یہ ہے کہ وہ الفاظ طلاق کے لیے صریح نہ ہوں مگر قرینہ ایسا ہو کہ ان الفاظ سے طلاق مراد لی جا سکتی ہو بشرطیکہ ان الفاظ سے طلاق دینے کی نیت کی گئی ہو ۔ مثلاً شوہر اپنی زوجہ سے کہے "تو مجھ پر حرام ہے" یا "عدت شمار کر ۔"

(۱۳) "الطلاق رفع قید الزواج بایقاع من الزوج او وکیله او من الزوجة ان وکلت به ، او فوضت ، او من القاضی" ۔ دفعہ ۳۴ قانون الاحوال الشخصیہ ، عراق ، نمبر ۸۸ مجریہ ۱۹۵۹ع ۔
"الطلاق هو حل عقدة الزوج" فصل ۲۹ مجلة الاحوال الشخصیہ ، تیونس ۔
"الطلاق هو حل عقدة النکاح بایقاع الزوج او وکیله او من فوض له فی ذلک او الزوجة ان ملکت هذا الحق و القاضی" ۔ فصل ۳۴ مدونة الاحوال الشخصیہ ، مراکش ۔

تعریفات دوسرے فقہاء کی بیان کردہ تعریفات سے بہتر ہیں اور بڑی حد تک طلاق کے مفہوم کا احاطہ کرتی ہیں لیکن ہم نے تعریف کی ابتداء میں ''شوہر کی جانب سے اصالتاً یا وکالتاً یا نیابتاً یا تفویضاً'' اور مخصوص الفاظ کے ساتھ ''بالکنایہ'' کا اضافہ کرکے طلاق کی جامع تعریف پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

اقسام طلاق

۹۴۔ (الف) بہ لحاظ کیفیت طلاق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) طلاق سنت یا مسنون طلاق۔

(۲) طلاق بدعی یا غیر مسنون طلاق۔

(ب) بہ لحاظ تاثیر طلاق کی تین قسمیں ہیں:

(۱) طلاق رجعی۔

(۲) طلاق بائن صغریٰ۔

(۳) طلاق بائن کبریٰ یا مغلّظہ۔

تشریح

(الف) طلاق بہ لحاظ کیفیت

طلاق سنت:

طلاق سنت اس طلاق کو کہتے ہیں جو اُس وقت اور اس طرح دی جائے جس طرح حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی مگر ایسی طلاق موجب عبادت نہیں اور نہ ہی اس کا یہ مطلب ہے کہ اس طرح طلاق دینے میں کچھ ثواب ملے گا کیوں کہ طلاق فی نفسہ عبادت نہیں کہ ثواب کی توقع کی جائے[۱۴] بلکہ طلاق سنت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے طریقۂ طلاق کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے پسند فرمایا ہے اور اس طریقہ کے خلاف طلاق دینا موجب گناہ ہے۔

---

(۱۴) بحر الرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۲۵۶۔

طلاق سنت کی اقسام :

احناف کے نزدیک طلاق سنت دینے کے دو طریقے ہیں اور اس لحاظ سے اس کی دو قسمیں ہیں :[15]

(۱) طلاق احسن ۔ (۲) طلاق حسن ۔

۱۔ **طلاق احسن :** طلاق احسن وقت کے اعتبار سے طلاق سنت کی پہلی قسم ہے ۔ طلاق احسن یہ ہے کہ شوہر اپنی زوجہ مدخولہ کو ایسے طہر (حیض سے پاک ہو جانے کے بعد کا زمانہ) میں ' جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو اور نہ کوئی طلاق دی ہو اور نہ اس طہر سے قبل حیض میں طلاق دی ہو' ایک رجعی طلاق دے پھر اس کو چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے یا اگر حاملہ ہو تو وضع حمل ہو جائے ۔[16]

طلاق احسن کی بنیاد ابراہیم نخعی کی اس روایت پر ہے کہ صحابہ کرام اس طلاق کو پسند فرماتے تھے کہ عورت کو ایک طلاق دی جائے پھر اس کو چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ تین حیض آ جائیں ۔[17]

امام محمد نے اپنی کتاب موطاء میں لکھا ہے کہ طلاق سنت یہ ہے کہ مرد اپنی زوجہ کو عدت کے لحاظ سے طلاق دے حالت پاکی میں بغیر جماع کیے اس طہر جس میں وہ حیض سے پاک ہوئی ہو ۔ یہی قول امام ابو حنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا ہے ۔[18]

۲۔ **طلاق حسن :** حسن طلاق تعداد کے لحاظ سے سنت طلاق کی

---

(۱۵) بدائع الصنائع ' امام کاسانی (۵۸۷ ہجری) ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۲۸ ہجری ' جلد ۳ ' صفحات ۸۸ ۔

(۱۶) بدائع الصنائع ' امام کاسانی (۵۸۷ ہجری) ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۲۸ ہجری ' جلد ۳ ' صفحات ۸۹ - ۸۸ ۔

(۱۷) بدائع الصنائع ' امام کاسانی (۵۸۷ ہجری) ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۲۸ ہجری ' جلد ۳ ' صفحات ۹۱ - ۸۸ ۔

(۱۸) "قال محمد طلاق السنة ان یطلقها لقبل عدتها طاهرا من غیر جماع حین تطهر من حیضها قبل ان یجامعها و هو قول ابی حنیفة والعامة من فقهائنا" موطا امام محمد (عربی) ' مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی ' کتاب الطلاق ' صفحہ ۲۵۰ ۔

دوسری قسم ہے۔ حسن طلاق وہ طلاق کہلاتی ہے کہ شوہر اپنی زوجہ مدخولہ کو ایسے طہر میں جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو ایک رجعی طلاق دے۔ پھر دوسرے طہر میں دوسری اور تیسری طہر میں تیسری طلاق دے۔[19] اس حساب سے تین طہر میں تین طلاقیں مکمل ہوں گی۔

طلاق حسن کے طلاق سنت ہونے کے بارے میں احناف کی دلیل :

طلاق احسن کے طلاق سنت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ طلاق حسن کے طلاق سنت ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ احناف اپنے قول کی بنیاد قرآن پاک کی آیت "فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ" پر رکھتے ہیں۔[20] "فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ" کا مفہوم یہ ہے کہ طلاق عدت کے واسطے ہے یعنی تین طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں۔ احناف اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عمر کا واقعہ بطور استدلال پیش کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی۔ اس بارے میں حضرت عمرؓ نے رسول اللہ سے پوچھا تو آپ نے کچھ غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ عبداللہ نے سنت کی خلاف ورزی کی جیسا کہ تمہارے رب نے حکم دیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا "من السنة ان تستقبل الطهر استقبالا فتطلقها لكل طهر

---

(۱۹) "بحرالرائق"، ابن نجیم (۹۷۰ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۲۵۶ و دارالکتب العربیۃ الکبری مصر صفحہ ۲۳۸۔
بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۸۷ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۹۱
المبسوط، امام سرخسی (۴۸۲ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۶، صفحہ ۳
مجمع الانہر، داماد آفندی (۱۰۷۸ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۱، صفحات ۳۸۱ - ۳۸۲۔
(۲۰) سورۃ الطلاق، آیت ۱۔

تطلیقۃً ''۔ یعنی مسنون طلاق اس طرح ہوتی ہے کہ تم ہر طہر میں ایک طلاق دو ۔[21]

امام مالک کا نقطۂ نظر :

امام مالک کے علاوہ دیگر ائمہ کے نزدیک طلاق احسن اور طلاق حسن دونوں طلاق سنت میں داخل ہیں لیکن امام مالک کے نزدیک ہر طہر میں ایک ایک طلاق دینا بھی بدعت ہے اور طلاق سنت صرف یہی ہے کہ شوہر ایک طلاق دے کیوں کہ طلاق اصلاً ممنوع ہے اور صرف ضرورت کی بناء پر عورت سے چھٹکارا پانے کے لیے جائز کی گئی ہے اور یہ مقصد ایک طلاق سے پورا ہو جاتا ہے ۔[22] چنانچہ امام مالک کے نزدیک سنت طلاق اس طرح ہوگی کہ شوہر اپنی بیوی کو ایسے طہر میں ، جس میں جماع نہ کیا ہو ، ایک طلاق رجعی دے اور عورت کو تین حیض کی عدت گزرنے تک چھوڑ دیا جائے اور اس دوران میں مزید

---

(۲۱) بدائع الصنائع ، امام کاسانی (۵۸۷ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۸۹ ۔
النکت ، شرح زیادات امام محمد ، امام سرخسی (۴۸۲ھ) ، مطبوعہ دکن ، ۱۳۷۸ ہجری صفحات ۴ - ۲ ۔
کتاب السنن ، بیہقی ، مطبوعہ حیدرآباد جلد ۷ صفحہ ۳۲۴ ۔
یہ واقعہ صحیح بخاری اور مسلم شریف میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے :
''عن عبداللہ بن عمرانہ طلق امراۃ لہ وھی حائض فذکر عمر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتغیظ فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال لیر اجعھا ثم یمسکھا حتیٰ تطھر ثم تحیض فتطھر فان بداله ان یطلقھا فلیطلقھا طاھراً قبل ان یمسھا فتلک العدۃ التی امران تطلق لھا النساء و فی روایۃ مرہ فلیر اجعھا ثم طلقھا طاھراً او حاملاً متفق علیہ ۔'' باب الخلع ، کتاب الطلاق
مشکوٰۃ المصابیح ، اصح المطابع کراچی ، (عربی) صفحہ ۲۸۳
یہ حدیث متعدد راویوں سے روایت کی گئی ہے جن کا تفصیلی ذکر صحیح بخاری ، مسلم شریف ، اور سنن ابو داؤد میں کتاب الطلاق کے تحت کیا گیا ہے ۔

(۲۲) شرح مجمع البحرین ، احمد بن علی المعروف با بن الساعاتی (۶۹۴ ہجری) ، کتاب الطلاق ، مصلح المطابع ، دہلی ، (۱۸۹۹ع) صفحہ ۵ ۔

کوئی طلاق نہ دی جائے۔[۲۳] امام مالک کے نزدیک سنت طلاق کے لیے ضروری ہے کہ عدت کے اندر دوسری طلاق نہ دی جائے۔[۲۴] ان کے قول کی بنیاد یہ ہے کہ طلاق مسنون وہ ہے جو حاجت پوری کرنے کے لیے ہو اور چونکہ حاجت ایک طلاق سے پوری ہو جاتی ہے۔ اس لیے دوسرے اور تیسرے طہر میں دوسری اور تیسری طلاق بلا حاجت ہونے کے سبب مکروہ ہے چنانچہ امام مالک کے نزدیک اسی طرح طلاقوں کا ایک ساتھ دینا بھی مکروہ ہے کیونکہ پہلی طلاق واقع ہو جانے کے بعد دوسری اور تیسری طلاق بلا ضرورت ہے۔

امام شافعی کا مسلک :

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں بھی سنت طلاق ہیں۔ جبکہ احناف اور امام مالک کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں طلاق سنت نہیں کہلائی جاسکتیں۔ امام شافعی حدیث ''ملاعنہ''[۲۵] سے استدلال کرتے ہیں کہ عجلانی نے اپنی بیوی کو لعان کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیک وقت تین طلاقیں دیں۔ اگر

---

(۲۳) ''قال مالک لا اعرف طلاق السنة الا ان یطلقها واحدة ویترکها حتی تنقضی عدتها۔'' بدائع الصنائع ' امام کاسانی (۵۸۷ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ ہجری جلد ۳ ' صفحہ ۸۹۔

(۲۴) بدایۃ المجتہد ' ابن رشد (۵۹۵ ہجری) ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۷۹ ہجری ' جلد ۲ ' صفحہ ۶۳۔

(۲۵) عن ابن شهاب ان سهل بن سعد الساعدی اخبره ان عویمر بن اشقر العجلانی الی آخر الحدیث۔ و فیه' فاقبل عویمر حتی الی رسول الله صلعم و هو وسط الناس فقال یا رسول الله ارایت رجلاً وجد مع امراته رجلاً ایقتله فتقتلونه ام کیف یفعل فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم قد انزل فیک وفی صاحبتک قرآن فاذهب فات بها قال سهل فتلاعنا و انا مع الناس عند رسول الله صلی الله علیه وسلم فلما فرغا قال عویمر کذبت علیها یا رسول الله ان امسکتها فطلقها ثلاثاً قبل ان یامره النبی صلی الله علیه وسلم قال ابن شهاب فکانت تلک سنة المتلاعنین۔' (یہ حدیث مختلف اسناد و روایات کے ساتھ سنن ابو داؤد ' مطبوعہ ولی محمد اینڈ سنز کراچی ' ۱۳۲۹ ہجری ' باب اللعان ' صفحہ ۳۰۵ اور صحیح بخاری و مسلم شریف وغیرہ میں کتاب الطلاق ' باب اللعان کے تحت بیان کی گئی ہے۔)

تین طلاقیں سنت نہ ہوتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خاموش نہ رہتے بلکہ اسی وقت عجلانی سے فرماتے کہ طلاق دینے کا یہ طریقہ درست نہیں ۔ اصحاب مالک اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ عجلانی نے لعان کے بعد تین طلاقیں دی تھیں لیکن چونکہ اس کی بیوی لعان کے ذریعہ بائن ہو چکی تھی اس لیے اس کے بعد طلاقیں دینا بے معنی تھا ۔[۲۶]

امام کاسانی نے امام شافعی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ نہ اسے طلاق سنت کہتے ہیں نہ طلاق بدعت بلکہ مباح خیال کرتے ہیں ۔[۲۷] امام شافعی کے متعلق امام کاسانی کا قول ابن رشد کے قول کے مقابلے میں صحیح معلوم ہوتا ہے جس کی تائید دوسری کتب فقہ سے بھی ہوتی ہے ۔

طلاق بدعی اور اس کی اقسام :

طلاق بدعی (یا طلاق بدعت) کو غیر مسنون[۲۸] طلاق بھی کہتے ہیں ۔ طلاق کا اس طرح دینا موجب گناہ ہے ۔

طلاق بدعی کی دو قسمیں ہیں :[۲۹]

(۱) باعتبار وقت ۔ (۲) باعتبار تعداد ۔

۱۔ باعتبار وقت : اگر ایسے وقت میں رجعی طلاق دی جائے جس وقت کہ عورت کو حیض آ رہا ہو تو ایسی طلاق ، بدعی طلاق کہلائے گی ۔ ایسی صورت میں مرد کو چاہیے کہ وہ رجوع کرے ۔ برہان الدین مرغینانی مصنف " الہدایہ " نے لکھا ہے کہ جو طلاق حیض

---

(۲۶) بدایۃ المجتہد ، ابن رشد (۵۹۵ ہجری) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۷۹ ہجری ، جلد دوم ، صفحہ ۶۳ ۔

(۲۷) "وقال الشافعی لا اعرف فی عددالطلاق سنۃ ولا بدعۃ بل مباح" بدائع الصنائع ، امام کاسانی (۵۸۷ ہجری) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۹۳ ۔

(۲۸) اس طلاق کو امام کاسانی نے طلاق مکروہ بھی لکھا ہے بدائع الصنائع ، امام کاسانی (۵۸۷ ہجری) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ہجری ، صفحہ ۸۸ ۔

(۲۹) بدائع الصنائع ، امام کاسانی (۵۸۷ھ) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۸۸ ۔

کی حالت میں دی جائے اس میں رجوع واجب ہے تاکہ امر کے حقیقی معنی یعنی وجوب پر عمل ہو جائے اور حتی الامکان گناہ سے بچا جا سکے اور عورت کو بھی طویل عدت سے ضرر نہ پہونچے۔[30] طلاق بحالت حیض کی صورت میں رجوع کا وجوب اس روایت سے ثابت ہے کہ جب حضرت عبداللہ ابن عمر رض نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی اور اس بارے میں حضرت عمر رض نے حضور صلعم سے دریافت کیا تو آنحضرت نے حضرت عمر رض سے فرمایا کہ اس کو (عبداللہ ابن عمر کو) حکم دو کہ وہ رجوع کرے۔[31]

حیض کی حالت میں طلاق دینا اس مصلحت کی بناء پر غیر مسنون ہے کہ اس وقت مرد کو عورت کی جانب طبعاً رغبت نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں ایسا کرنے سے عدت کا زمانہ بڑھ جاتا ہے کیونکہ جس حیض میں طلاق دی جاتی ہے وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوتا اور عورت کو بے جا زحمت اٹھانا پڑتی ہے۔[32] لیکن مذاہب اربعہ (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ) کے نزدیک بالاتفاق طلاق بحالت حیض واقع ہو جاتی ہے البتہ جعفریہ فرقہ کے نزدیک طلاق بحالت حیض واقع نہیں ہوتی۔ ظاہر یہ بھی عدم وقوع کے قائل ہیں۔

اس طرح وقت کے اعتبار سے وہ طلاق بھی غیر مسنون (بدعی) کہلائے گی کہ مرد اپنی بیوی کو ایسے طہر (زمانۂ پاکی) میں طلاق

---

(۳۰) ہدایہ، برہان الدین مرغینانی (۵۹۳ ہجری) (انگریزی ترجمہ از ہملٹن)، مطبوعہ لاہور، صفحات ۷۵-۷۴۔
بدائع الصنائع امام کاسانی، (۵۸۷ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ھ، جلد ۳، صفحہ ۹۳۔

(۳۱) "عن عبداللہ بن عمر انہ طلق امرأتہ وہی حائض فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسأل عمر عن ذالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال مرہ فلیر اجعہا" موطاء امام محمد (عربی) کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی، کتاب الطلاق باب طلاق السنۃ، صفحہ ۲۵۰۔

(۳۲) بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۸۷ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری جلد ۳ صفحہ ۹۴۔

دے جس میں وہ اپنی بیوی سے صحبت کر چکا ہو - ایسی طلاق اس بناء پر خلاف سنت ہے کہ ممکن ہے عورت حاملہ ہو جس کے سبب عورت کو زیادہ عرصہ (وضع حمل تک) عدت میں بیٹھنا پڑے -[۳۳] شیعہ فقہاء کے نزدیک ایسی طلاق واقع نہیں ہوگی مگر مذاہب اربعہ ایسی طلاق کے خلاف سنت ہونے کے باوجود اس کے وقوع کے قائل ہیں۔

صاحب مجمع البحرین نے لکھا ہے کہ حالت حیض میں مدخولہ کو طلاق دینا مکروہ ہے جب کہ غیر مدخولہ کو حالت حیض میں طلاق دینا بلا کسی کراہت کے جائز ہے۔[۳۴] کیونکہ غیر مدخولہ پر عدت واجب نہیں ہے۔

۲۔ **باعتبار عدد :** ایک طہر میں ایک طلاق دینے کی بجائے ایک ہی طہر میں بیک وقت دو یا تین طلاقیں دینا بدعی طلاق کی تعریف میں داخل ہے - خواہ طلاق ایک ہی کلمہ سے ہو یا متفرق کلمات سے مثلاً کسی شوہر کا اپنی بیوی کو یہ کہہ کر طلاق دینا کہ "تجھے تین طلاق" یا یہ کہے کہ "تجھے طلاق ، طلاق ، طلاق" -[۳۵]

شیعہ فرقے کے نزدیک تین طلاقیں یکبارگی دینے سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی -[۳٦] جب کہ جمہور فقہاء کے نزدیک بلفظ واحد یا بوقت واحد

---

(۳۳) بدائع الصنائع ، امام کاسانی ، (۵۸۷ ہجری) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۹۴ -

(۳۴) مجمع البحرین ، ابن الساعاتی ، (۶۹۴ ہجری) کتاب الطلاق ، مصلح المطابع دہلی ، ۱۸۹۹ع صفحہ ۹ -

مجمع الانہر ، داماد آفندی ، (۱۰۷۸ ہجری) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۷ ہجری ، جلد ۱ ، صفحات ۳۸۲ - ۳۸۱ -

(۳۵) درالمختار بر حاشیہ ردالمختار ، علاءالدین حصکفی (۱۰۸۸ ہجری) مطبوعہ مصر ، ۱۲۵۲ ہجری ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۳۰ -

بدائع الصنائع ، امام کاسانی ، (۵۸۷ ہجری) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۹۴ -

(۳٦) شرائع الاسلام ، نجم الدین جعفر (۶۷۴ ہجری) مطبوعہ ایران ، القسم الثالث صفحہ ۲۰۹ -

تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں واقع ہوں گی ۔ البتہ اس طرح طلاق دینے والا گناہ گار ہوگا ۔[۳۷] یکبارگی طلاق دینے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس طرح طلاق دینے سے منشاء قرآن "الطلاق مرتان فامساک بمعروف اوتسریح باحسان" کی خلاف ورزی ہوتی ہے (اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو دفعہ نمبر ۱۱۰ کتاب ہذا) ۔

(ب) طلاق بہ لحاظ تاثیر

طلاق رجعی :

طلاق رجعی سے ایسی طلاق مراد ہے جس میں انقضائے عدت کے بعد فرقت واقع ہوتی ہے اور دوران عدت مرد کو اپنی زوجہ سے ، بلا تجدید نکاح ، رجوع کرنے کا حق ہوتا ہے ۔ چنانچہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق دے مگر طلاق کے ساتھ بائن کا لفظ استعمال نہ کرے مثلاً یوں کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی یا طلاق کے ساتھ ایک یا دو کا لفظ بھی استعمال کرے تو یہ طلاق رجعی ہوگی اور مرد عدت کے اندر اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے خواہ بیوی راضی ہو یا نہ ہو ۔[۳۸] (رجعت کی تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو دفعہ ۱۰۸ کتاب ہذا)

طلاق بائن صغریٰ :

طلاق بائن صغریٰ سے ایسی طلاق مراد ہے جس کے نتیجہ میں فوری طور پر بدون انقضائے عدت فرقت واقع ہو جاتی ہے اور مرد و عورت کے مابین رشتۂ زوجیت منقطع ہو جاتا ہے ۔ شوہر اپنی بیوی سے دوران عدت رجوع نہیں کر سکتا ۔ البتہ عدت کے بعد اگر فریقین باہم راضی

---

(۳۷) بدائع الصنائع ، امام کاسانی ، (۵۸۷ ہجری) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ھ جلد ۳ صفحات ۹۳ - ۹۴ ۔

(۳۸) بدائع الصنائع ، امام کاسانی ، (۵۸۷ ہجری) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۸۳ ۔
مجمع الانہر ، داماد آفندی (۱۰۷۸ ہجری) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۷ ہجری ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۳۲ ۔

ہوں تو از سر نو نکاح کر سکتے ہیں ۔ چنانچہ کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق دے اور اس کے ساتھ بائن کا لفظ استعمال کرے مثلاً یوں کہے کہ میں تجھے ایک طلاق بائن یا دو طلاق بائن دیتا ہوں تو امام شافعی کے علاوہ مذاہب ثلاثہ کی رو سے اس عورت پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور مرد عدت کے زمانہ میں اپنی بیوی سے رجوع نہیں کر سکتا ۔ البتہ یہی شوہر عدت میں یا عدت گزارنے کے بعد دونوں باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں ۔

طلاق بائن کبریٰ یا مغلّظہ :

طلاق بائن کبریٰ یا طلاق مغلّظہ سے ایسی طلاق مراد ہے جس کے نتیجہ میں مرد اس عورت سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا تاوقتیکہ اس کی مطلّقہ بیوی کسی دوسرے شخص سے نکاح کرکے اس سے مجامعت کے بعد طلاق حاصل نہ کر لے یا وہ مرد فوت نہ ہو جائے ۔

جمہور فقہاء کے نزدیک طلاق بائن کبریٰ یا مغلّظہ اس وقت واقع ہوتی ہے جب کہ مرد اپنی بیوی کو یک وقت یا متفرق اوقات میں بلفظ واحد یا متفرق کلمات سے تین طلاقیں دے دے ۔[۳۹] (اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو دفعہ ۱۱۰ کتاب ھذا) ۔

تعداد طلاق

۹۵ ۔ ہر مسلمان شوہر ایک رشتۂ نکاح میں اپنی زوجہ کو تین طلاقیں تک دینے کا مجاز ہے ۔

تشریح

از روئے شرع اسلام مرد اپنی زوجہ کو تین طلاقیں تک دینے کا مجاز

---

(۳۹) بدائع الصنائع ' امام کاسانی (۵۸۷ ہجری) ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۲۸ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۱۸۷ ۔

مجمع الانہر ' داماد آفندی (۱۰۷۸ ہجری) مطبوعہ مصر ' ۱۳۲۷ ہجری ' جلد ۱ ' صفحہ ۳۳۷ ۔

ہے ۔ تین طلاقوں کے بعد عورت اس مرد کے لیے حرام ہو جاتی ہے ۔ اس عورت سے نہ رجوع کرنے کا حق باقی رہتا ہے اور نہ عدت گزرنے پر عقد ثانی کا ' الاّ یہ کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرکے صحبت کے بعد اس سے طلاق حاصل کر لے یا وہ مرد فوت ہو جائے ۔[۳۰] چنانچہ ایک مرد ایک رشتۂ نکاح میں اپنی بیوی کو زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ رجعی طلاق دے کر اس سے رجوع کر سکتا ہے لیکن جب کبھی وہ اپنی زوجہ کو تیسری بار طلاق دے گا تو طلاق کی تعداد پوری ہو جائے گی اور وہ عورت کلّی طور پر اس مرد سے جدا ہو جائے گی ۔

احناف کے نزدیک طلاق کی تعداد کا اعتبار عورتوں کی حیثیت عُرفی (status) پر منحصر ہے یعنی عورت آزاد ہے یا کنیز ' جب کہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک طلاق کی تعداد کا انحصار مرد کی حیثیت عُرفی پر مبنی ہے کہ وہ آزاد ہے یا غلام ـــــ مذکورہ بالا اقوال کے علاوہ ایک قول یہ بھی ہے کہ شوہر اور بیوی میں اگر ایک بھی غلام یا کنیز ہو تو دو طلاقیں بائن (مغلّظہ) ہوں گی ۔ یہ قول عثمان بتّی کا ہے اور حضرت ابن عمر کی ایک روایت بھی اس کے موافق ہے ۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تعداد طلاق کا انحصار حیثیت عرفی پر ہے چنانچہ مرد یا عورت دو میں سے اگر کوئی ایک غلام یا کنیز ہو تو تعداد طلاق تین سے گھٹ کر دو رہ جائے گی ۔

امام محمد کا نقطۂ نظر :

امام محمد نے اپنی کتاب مؤطا میں لکھا ہے کہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک طلاق اور عدت میں عورتوں کا لحاظ کیا جائے گا ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ'' یعنی تم

---

(۳۰) ''الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان۔۔۔۔ فان طلّقها فلا تحل له حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ'' قرآن پاک ' سورۃالبقرہ ' آیات ۲۳۰ - ۲۲۹ -

طلاق دو ان (عورتوں) کو ان کی عدت کے لیے۔ چنانچہ جب طلاق عدت کے لیے ہے اور عدت میں عورت کی ذات کا اعتبار کیا جاتا ہے تو طلاق میں بھی اسی کی ذات کا اعتبار کیا جائے گا۔ چنانچہ جب عورت آزاد ہو اور اس کا شوہر غلام ہو تو اس عورت کی عدت تین حیض مقرر ہے اور (طلاق کی تعداد کے اعتبار سے) تین طلاقیں ہیں اور جب شوہر آزاد ہو اور اس کی زوجیت میں کنیز ہو تو اس کی عدت دو حیض ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ طلاق عدت کے لیے ہے (اس لیے) اس کنیز کی طلاقیں بھی عدت کے لیے دو ہوں گی۔ حضرت علی ابن طالب اور عبداللہ بن مسعود کا بھی یہی قول ہے کہ تعداد طلاق کا تعلق عورتوں سے ہے۔[۳۱]

امام کاسانی :

اس ضمن میں امام کاسانی، اپنی کتاب بدائع الصنائع، جلد ۳، "کتاب الطلاق" میں لکھتے ہیں کہ "طلاق کی تعداد زوجین کے حالات کے لحاظ سے مختلف ہے۔ کیوں کہ یا تو میاں اور بیوی دونوں آزاد ہوں گے یا میاں غلام اور بیوی کنیز ہوگی یا دونوں میں سے ایک آزاد اور دوسرا غلام۔ پس اگر دونوں آزاد ہیں تو مرد تین طلاقوں کا مالک ہے اور اگر میاں غلام اور بیوی کنیز ہے تو اس صورت میاں دو طلاقوں کا مالک ہوگا اور اگر ایک آزاد ہے اور دوسرا غلام ہے تو اس صورت میں

---

(۳۱) "قال محمد (الشیبانی) فانما الطلاق للعدة فاذا کانت الحرة و زوجها عبد فعدتها ثلثة قروء و طلاقها ثلث تطلیقات للعدة.........واذا کان الحر تحته امة فعدتها حیضتان و طلاقها للعدة تطلیقتان۔" مؤطا امام محمد (عربی)، کارخانۂ تجارت کتب نور محمد، کراچی، صفحہ ۲۵۱۔

"قال محمد (الشیبانی) اخبرنا ابراهیم بن یزید المکی قال سمعت عطاء ابن ابی رباح یقول قال علی بن ابی طالب الطلاق بالنساء والعدة بهن وهو قول عبداللہ بن مسعود و ابی حنیفة والعامة من فقهائنا۔" موطا امام محمد (عربی)، کارخانہ تجارت کتب نور محمد، کراچی، صفحہ ۲۵۲۔

تعداد طلاق میں علماء کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک طلاق کی تعداد کا تعین عورت کی حیثیت عرفی کے اعتبار سے ہوگا یعنی اگر عورت آزاد ہے تو مرد خواہ آزاد ہو یا غلام، تین طلاقوں کا مالک ہے۔ اور اگر عورت کنیز ہے تو مرد، خواہ آزاد ہو یا غلام، صرف دو طلاقوں کا مالک ہوگا۔ اور امام شافعی کے نزدیک طلاق کی تعداد کا تعین مرد کے لحاظ سے ہوگا چناں چہ اگر کسی غلام کی بیوی آزاد ہوگی تو احناف کے نزدیک مرد تین طلاق کا مالک ہوگا اور امام شافعی کے نزدیک مرد دو طلاقوں کا مالک ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی آزاد مرد کی بیوی کنیز ہوگی تو ہمارے نزدیک مرد دو طلاقوں کا مالک ہوگا اور امام شافعی کے نزدیک وہ تین طلاقوں کا مالک ہوگا۔ اس مسئلہ میں صحابۂ کرام کی رائے بھی مختلف ہے۔ چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہہ کی روایت سے احناف کی تائید ہوتی ہے جب کہ حضرت عثمان اور زید بن ثابت کی روایت سے امام شافعی کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ مگر اس مسئلہ میں جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ عدت کے معاملے میں عورت کا لحاظ کیا جائے گا۔ یعنی عورت اگر آزاد ہوگی تو اس کی عدت کی میعاد تین حیض ہوگی اور اگر عورت کنیز ہوگی تو اس کی عدت کی میعاد دو حیض ہوگی۔"

بناء اختلاف:

احناف اور مالکی و شافعی حضرات کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف کی بناء یہ ہے کہ جن فقہاء کے نزدیک طلاق کی تعداد کا تعلق عورت کی غلامی سے ہے جس پر طلاق واقع ہوئی ہے، ان کے نزدیک عورت کی حیثیت عرفی (status) کا اعتبار کیا جائے گا کیوں کہ طلاق کا اثر براہ راست عورت پر مرتب ہوتا ہے لیکن جن فقہاء کے نزدیک طلاق کی تعداد کا تعلق مرد کی غلامی سے ہے جس کو طلاق دینے کا اختیار حاصل ہے ان کے نزدیک مرد کی حیثیت عرفی (status) کا اعتبار

کیا جائے۔[۴۲]

اہلیت طلاق

۹۶۔ ہر مسلمان عاقل و بالغ شوہر ، ماسوائے ان اشخاص کے جن کا ذکر دفعات ۱۰۲ تا ۱۰۵ میں کیا گیا ہے ، اپنی زوجہ کو طلاق دینے کا اہل ہے ۔

تشریح

طلاق دینے والے شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ شوہر ہو یا شوہر کا وکیل یا مفوّض الیہ (delegatee) ہو ۔ چناں چہ کسی صغیر السن بچے کے والد یا ولی (guardian) کو اپنے بچے یا زیر ولایت کی زوجہ کو طلاق دینے کا اختیار نہیں ہے ۔ دارقطنی میں ایک حدیث ابن عباس سے مروی ہے جس میں ابن عباس نے اہلیت طلاق کے بارے میں ''انما الطلاق لمن اخذ بالساق'' فرمایا ہے یعنی طلاق وہی شخص دے سکتا ہے جو ذات کا مالک ہو چکا ہو ۔[۴۳]

پہلی شرط ـــ عقل :

طلاق دینے والے شخص کا عاقل ہونا ضروری ہے ۔[۴۴] صاحب عقل

---

(۴۲) تعداد طلاق کے سلسلے میں یہ بحث اجمالی طور پر محض ضمناً بیان ہوگئی ہے اب چونکہ ادارۂ غلامی کا کوئی وجود باقی نہیں رہا اس لیے تفصیل کی حاجت نہیں ۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "بدایۃالمجتہد" ابن رشد ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۷۹ ہجری ' جلد ۲ ' صفحات ۶۳ - ۶۲ اور "بدائع الصنائع" امام کاسانی ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۲۸ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۹۷ ۔

(۴۳) فتح القدیر ' ابن ہمام (۸۶۱ ہجری) مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۴۴ ۔

(۴۴) قدوری ' علامہ ابوالحسن قدوری (۴۲۸ ہجری) کتاب الطلاق ' قرآن محل کراچی صفحہ ۱۵۷ ۔
کنزالدقائق ' نسفی (۷۱۰ ہجری) مطبع مجتبائی دہلی ' کتاب الطلاق ' صفحہ ۱۱۵ ۔
ردالمحتار مع درالمختار ' ابن عابدین (۱۲۵۲ ہجری) ' مطبوعہ مصر ' ۱۲۵۶ ہجری ' جلد ۲ ' صفحہ ۴۲۸ ۔
فتاوی عالمگیری ' (عربی) مطبع مجیدی کان پور ' جلد دوم صفحہ ۱۴۴ ۔
شرائع الاسلام ' نجم الدین جعفر (۶۷۴ ہجری) مطبوعہ تہران ' القسم الثالث ' کتاب الطلاق ' صفحہ ۲۰۵ ۔

ہونے کی شرط شوہر کے وکیل اور مفوض الیہ پر بھی عائد ہوتی ہے۔ چناں چہ دیوانے ، معتوہ ، مدھوش ، یا مبرسم (سرسام زدہ) یا مغمی علیہ کی طلاق واقع نہ ہوگی۔[۳۵] (ان اشخاص کی طلاقوں کی تفصیلی بحث دفعہ ۱۰۲ میں بیان کی گئی ہے) لیکن اگر کوئی شخص کم عقل ہو مگر اپنے فعل طلاق کے مضمرات اور نتائج کو پوری طرح سمجھ سکتا ہو تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس کو عقل سے کلیۃً عاری نہیں سمجھا جا سکتا۔[۳۶] ابن عابدین نے اپنی کتاب ردالمحتار میں لکھا ہے کہ ایسی صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس کے افعال کی اکثریت معمول کے مطابق ہے یا نہیں اگر یہ دیکھا جائے کہ وہ شخص اپنے اکثر افعال میں معمول کے مطابق نہیں ہے تو اس کی دی ہوئی طلاق پر طلاق معتوہ کا حکم لگایا جائے گا اور وہ غیر نافذ قرار دی جائے گی۔[۳۷] ہمارے نزدیک بھی ایسی صورت میں ایک کم عقل شخص کی زندگی کے عام معاملات کا جائزہ لے کر ہی فیصلہ کرنا مناسب ہوگا۔

دوسری شرط — بلوغ :

طلاق دینے والے کی اہلیت کی دوسری شرط بلوغ ہے لہذا بچے کی

---

(۳۵) ماخوذاز ردالمحتار مع درالمختار ، ابن عابدین ، (۱۲۵۲ ھجری) مطبوعہ مصر ۱۲۵۶ ھجری ، جلد ۲ ، صفحات ۴۳۸ - ۴۲۸ -
بحرالرائق ، ابن نجیم (۹۷۰ ھجری) مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۱ ھجری ، جلد ۳ ، صفحہ - ۲۶۸ - ۲۶۳
ھدایہ اولین ، (عربی) برھان الدین مرغینانی (۵۹۳ ھجری) مطبوعہ قران محل کراچی جلد ۲ صفحہ ۳۵۸ -
بدائع الصنائع ، امام کاسانی (۵۸۷ ھجری) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ھجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۰۰ - ۹۹ -
شرائع الاسلام ، نجم الدین جعفر (۶۷۶ ھجری) تہران ، القسم الثالث ، کتاب الطلاق ، صفحہ ۲۰۵ -
(۳۶) بدائع الصنائع ، امام کاسانی (۵۸۷ ھجری) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ھجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۰۰ -
(۳۷) ماخوذ از ردالمحتار مع درالمختار ، ابن عابدین (۱۲۵۲ ھجری) مطبوعہ مصر ، جلد ۲ ، صفحات ۴۳۸ - ۴۳۴ -

دی ہوئی طلاق خواہ قریب البلوغ ہی کیوں نہ ہو، واقع نہ ہوگی۔[۴۸] چنانچہ اگر طلاق صغرسنی میں دی گئی ہو تو بالغ ہونے پر بھی اس کو نافذ نہیں کیا جا سکتا۔[۴۹] البتہ بالغ ہو جانے پر جدید طلاق دی جا سکتی ہے۔ سنیوں کے نزدیک ولی کو بچے کی طرف سے طلاق دینے کا اختیار نہیں، شیعوں کے نزدیک بھی ولی کو ایسا اختیار حاصل نہیں ہے کیونکہ طلاق مالک بضع (شوہر) کے ساتھ مختص ہے۔[۵۰] اگرچہ باغراض نکاح و طلاق وغیرہ عمر کا تعین اسلامی قانون کے تحت ہوگا اور پاکستان میں نافذ الوقت قانون بلوغ اس سے متعلق نہیں۔[۵۱] لیکن عائلی قوانین آرڈی نینس نمبر ۸ بابت ۱۹۶۱ع کے تحت عورت و مرد کی عمر نکاح بالترتیب ۱۶ اور ۱۸ سال معین کر دی گئی ہے بنا بریں قانون ھذا کے مطابق اس سے قبل طلاق دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

---

(۴۸) مجمع الانہر، داماد آفندی (۱۰۷۸ ھجری) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۷ ھجری، جلد ۱، ۸۵ - ۳۸۴۔
بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۸۷ ھجری) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ھجری، جلد ۳، صفحات ۱۰۰ - ۹۹۔
ردالمحتار، ابن عابدین (۱۲۵۲ ھجری) مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ھجری، جلد ۲، صفحات ۳۸ - ۳۳۷ اور ۴۲۸۔
فتاویٰ عالمگیری، (عربی) مطبع مجیدی کان پور، جلد دوم، صفحات ۳۵ - ۱۴۴۔
شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر (۶۷۶ ھجری) تہران القسم الثالث، کتاب الطلاق، صفحہ ۲۰۵۔
بحر الرائق، زین العابدین ابن نجیم (۹۷۰ ھجری) مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ھجری جلد ۳، صفحات ۶۸ - ۲۶۳۔
ہدایہ اولین (عربی) برہان الدین مرغینانی (۵۹۳ ھجری) مطبوعہ قران محل، کراچی صفحہ ۳۵۸۔
(۴۹) فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کان پور جلد ۲ صفحہ ۱۴۵۔
ردالمحتار مع درالمختار، ابن عابدین (۱۲۵۲ ھجری)، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ھجری، جلد ۲ صفحہ ۴۳۷۔
(۵۰) "ولو طلق ولیہ لم یصح لاختصاص الطلاق بمالک البضع" شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر (۶۷۶ ھجری) مطبوعہ تہران، القسم الثالث کتاب الطلاق، صفحہ ۲۰۵۔
(۵۱) دفعہ ۲ قانون بلوغ، (Majority Act, 1875) پاکستان، مجریہ، ۱۸۷۵ع۔

ملک شام میں :

ملک شام کے قانون الاحوال الشخصیہ ، میں اہلیت طلاق کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے کہ طلاق دینے کے وقت مرد نے اپنی عمر کے اٹھارہ سال مکمل کر لیے ہوں ۔[۵۲] البتہ اگر مرد بالغ ہو مگر اس کی عمر ۱۸ سال نہ ہو تو قاضی طلاق کی اجازت دے سکتا ہے ۔ یا اس کی دی ہوئی طلاق کو مصالح کے پیش نظر جائز قرار دے سکتا ہے ۔[۵۳]

پاکستان میں :

پاکستان میں اگرچہ امتناع ازدواج اطفال مجریہ، ۱۹۲۹ء کے تحت ۱۸ سال سے کم عمر کے لڑکے کا نکاح کرنا تعزیری جرم ہے لیکن نکاح جائز ہوگا[۵۴] بنابریں ۱۸ سال سے کم عمر میں نکاح ہو جانے کی صورت میں اگر بعد بلوغ شرعی طلاق دی جائے گی تو جائز ہوگی خواہ اس وقت مرد کی عمر ۱۸ سال نہ ہو ۔

محل طلاق

۹۷۔ ہر وہ عورت محلّ طلاق ہے جو نکاح صحیح میں ہو یا طلاق رجعی یا ایک یا دو طلاق بائن کی عدت پوری کر رہی ہو ۔

توضیح : ایسی عورت محل طلاق نہ ہوگی جس کا طلاق دینے والا ملک زوجیت کا حقدار نہ ہو ۔

تشریح

جس طرح طلاق دینے کے لیے ضروری ہے کہ مرد طلاق کا اہل ہو اسی طرح لازمی ہے کہ جس عورت کو طلاق دی جائے وہ طلاق کی

(۵۲) "یکون الرجل متمتعاً باہلیۃ الکاملۃ للطلاق فی تمام الثمانیۃ عشرۃ من عمرہ" دفعہ ۸۵ (۱) ۔

(۵۳) "یجوز للقاضی ان یاذن بالتطلیق' او یجز الطلاق الواقع من البالغ قبل الثمانیۃ عشرۃ اذا وجدت المصلحۃ فی ذلک ۔" دفعہ ۸۵ (۲) قانون الاحوال الشخصیۃ ' سوریہ

(۵۴) دفعہ ۱۲ مسلم فیملی لاز آرڈی نینس نمبر ۸ مجریہ ' ۱۹۶۱ع ۔

محل ہو یعنی اس پر شرعاً طلاق واقع کی جا سکتی ہو ۔ طلاق چونکہ اس رشتہ اور تعلق کو ختم کر دینے کا نام ہے جو اس وقت نکاح کے ذریعہ قائم ہوتا ہے اس لیے عورت کا محلّ طلاق ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ طلاق دینے والے کی منکوحہ ہو یا طلاق رجعی یا ایک یا دو طلاق بائن کی عدت میں ہو ۔ لیکن جس طرح مرد کی اہلیت طلاق بلوغ اور عقل کی پابند ہے یعنی طلاق دیتے وقت اس کا بالغ اور عاقل ہونا شرط ہے ، عورت کا محلّ طلاق ہونے کے لیے بالغ اور عاقل ہونا شرط نہیں ۔ چنانچہ زوجہ کے نابالغ یا مجنون ہونے کی صورت میں اس کو طلاق دی جا سکتی ہے ۔

اہلیت طلاق کی نسبت مرد اور عورت میں امتیاز :

مرد اور عورت کے درمیان ایقاع طلاق (طلاق واقع کرنے) اور وقوع طلاق (طلاق واقع ہونے) کی شرائط میں فرق اس لیے کیا گیا ہے کہ طلاق مرد کے قول و فعل سے واقع کی جاتی ہے اور چونکہ غیر عاقل اور نابالغ کا قول یا فعل طلاق واقع کرنے کے لیے قابل اعتبار نہیں اس لیے مرد اگر غیر عاقل یا نابالغ ہو تو طلاق واقع نہیں کر سکتا ۔ لیکن مرد کے قول یا فعل کے نتیجے میں اس کے اثر کے تحت عورت پر طلاق واقع ہو جاتی ہے اس لیے واقع ہونے کے لیے عورت کی عقل اور بلوغ کو شرط قرار نہیں دیا گیا ۔ البتہ تفویض طلاق کی صورت میں عورت اگر خود طلاق دے تو عورت چونکہ اس فعل میں خود مختار ہوتی ہے اس لیے ایسی صورت میں عورت کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہوگا ۔

اجنبی عورت کو طلاق :

اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ عورتیں جو نکاح میں ہیں یا طلاق رجعی کی عدت میں ہیں محلّ طلاق میں یعنی ان پر طلاق واقع ہو سکتی ہے لیکن یہ امر کہ اجنبی عورتوں پر مشروط بالتعلیق طلاق

واقع ہوتی ہے یا نہیں مختلف فیہ مثلاً ہے ۔ کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں کسی بھی عورت سے نکاح کروں یا فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ـــ اس مسئلہ میں تین نقطہ ہائے نظر سامنے آتے ہیں :

(۱) طلاق واقع نہیں ہوتی خواہ قول عام ہو یا خاص ۔ یہ مذہب امام شافعی اور احمد بن حنبل کا بیان کیا جاتا ہے ۔

(۲) نکاح کے فوراً بعد طلاق واقع ہو جائے گی خوا قول عام ہو خاص ۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک یہی ہے ۔

(۳) طلاق واقع نہ ہوگی اگر قول میں عمومیت پائی جائے ۔ لیکن قول اگر کسی خاص عورت کی نسبت ہو تو نکاح کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی ۔ یہ مسلک امام مالک کا ہے ۔

وقوع طلاق

۹۸- طلاق صریح الفاظ ، کنایہ اور اشارہ سے واقع ہو سکتی ہے ۔

توضیح : زوجین میں سے کسی ایک کے معذور ہونے کے سبب ایسے اشارے کے ذریعہ طلاق واقع کی جا سکتی ہے جو معلوم اور مشخّص ہو ۔

تشریح

طلاق صریح الفاظ کے ذریعہ واقع ہو جاتی ہے ۔ اس میں طلاق دینے والے کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا ۔[۵۶] اگر کوئی شخص ''لفظ طلاق'' کے علاوہ کسی ایسے لفظ سے طلاق دے جو اس زبان میں طلاق کے لیے مخصوص ہو تو اس کا حکم صریح طلاق کا ہوگا ۔

---

(۵۵) بدایۃ المجتہد ، ابن رشد (۵۹۵ھ) ۱۳۷۹ ہجری مطبوعہ مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۸۴ - ۸۳ ۔

جامع الترمذی ، مطبوعہ کارخانہ کتب کراچی "باب لاطلاق قبل النکاح ۔"

(۵۶) بحرالرائق ، ابن نجیم (۹۷۰ ہجری) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۱ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۷۰ ۔

بدائع الصنائع ، امام کاسانی ، (۵۸۷ ہجری) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۰۱ ۔

کنایے کے لفظ سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے بشرطے کہ طلاق دینے والے نے وہ لفظ طلاق دینے کی نیت سے کہا ہو - طلاق بالکنایہ کے الفاظ طلاق کے لیے مخصوص نہیں ہوتے مگر وہ الفاظ اپنے اندر معنی کے اعتبار سے یہ احتمال ضرور رکھتے ہیں کہ انہیں طلاق کے لیے استعمال کیا جائے اور قرائن کے ساتھ ان سے طلاق مراد لی جائے - اگر طلاق دینے والا اس لفظ سے طلاق کی نیت کرے گا تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں چنانچہ اگر طلاق دینے والا یہ کہے کہ میں نے ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی تھی تو طلاق واقع قرار دی جائے گی لیکن اگر وہ یہ کہے کہ ان الفاظ سے میری نیت طلاق کی نہ تھی تو طلاق واقع نہ سمجھی جائے گی اور بیوی مطلّقہ نہ ہوگی -

دراصل طلاق بالکنایہ دیانتاً واقع ہوتی ہے -[۵۷] یعنی طلاق دہندہ کا قول مابین بندہ اور خدا معتبر ہوتا ہے البتہ قضاءً یعنی حکم حاکم سے طلاق واقع ہونے کی صورت میں حاکم عدالت کو زوجین کے حالات کی تحقیق کرنا ہوگی اور قرائن کا جائزہ لینا ہوگا کہ اس وقت زوجین حسب ذیل حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں ضرور ہوں گے -[۵۸]

(۱) رضا مندی کی حالت، یعنی وہ الفاظ کنایہ رضا مندی کی حالت میں کہے گئے ہوں -

(۲) غصے یا جھگڑے کی حالت، یعنی وہ الفاظ کنایہ جب کہے گئے ہوں تو کسی بات پر باہم تکرار ہو رہی ہو - یا

(۳) باہم طلاق کا ذکر ہو رہا ہو -

چنانچہ اگر رضامندی کی حالت ہے تو تمام الفاظ طلاق بالکنایہ میں

---

(۵۷) غایۃالاوطار (اردو ترجمہ درالمختار) علاءالدین حصکفی (۱۰۸۸ ہجری) مطبوعہ نول کشور لکھنو، جلد ۲، صفحہ ۱۱۳ -

(۵۸) غایۃالاوطار (اردو ترجمہ درالمختار) علاءالدین حصکفی (۱۰۸۸ ہجری) مطبوعہ نول کشور لکھنو، جلد ۲، صفحہ ۱۱۳ -

عدم نیت کی صورت میں دیانتاً یا قضاءً کسی طرح بھی طلاق واقع نہ ہو گی ۔ البتہ دوسری دو حالتوں میں حالات و قرائن اور شواہد کے لحاظ سے بعض الفاظ طلاق بالکنایہ ایسے ہیں جن کے ادا کرنے کی صورت میں قضاءً وقوع طلاق کا حکم دیا جا سکتا ہے ۔[۵۹]

طلاق کنایہ کی اقسام :

طلاق کنایہ کی دو قسمیں ہیں :

(۱) کنایہ بنفسہ ۔

(۲) کنایہ شرعی ۔

۱۔ **کنایہ بنفسہ :** اس سے مراد ایسے الفاظ ہیں جو طلاق کے لیے مخصوص نہ ہوں مگر ان سے طلاق کے معنی مراد لیے جا سکیں اس قسم کے بہت سے الفاظ ہیں مثلاً ''بائن'' (علیحدہ) ''حرام'' ''امرک بیدک'' (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ) ''اختاری'' (تو اختیار کر لے) ''اعتدی'' (تو عدت شمار کر) ، وغیرہ ۔

۲۔ **کنایہ شرعی :** اس سے مراد ایسے الفاظ ہیں جو کاغذ پر لکھ کر دئے جائیں مگر اس میں طلاق دینے والا شخص اپنی بیوی کو مخاطب نہ کرے ۔ بلکہ صرف ''مطلّقہ'' کا لفظ لکھدے یا وہ صرف یہ کہدے کہ (وہ) طلاق دینے والی ہے اس صورت میں اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کی نیت کرے گا تو دیانتاً طلاق واقع ہو گی ورنہ نہیں ۔ یہ صورت کنایۂ شرعی اس لیے کہلاتی ہے کہ جب مرد نے ''مطلّقہ'' یا ''طلاق والی'' کا لفظ کہا تو چونکہ وہ کسی دوسرے شخص کی بیوی کو طلاق دینے کا مجاز نہیں ہے لہذا اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق

---

(۵۹) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "بدائع الصنائع" امام کاسانی (۵۸۷ ہجری) جلد ۳ صفحہ ۱۰۶ ۔

دینے کی نیت سے یہ الفاظ کہے گا تو نیت صحیح ہوگی کیونکہ اسے صرف اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق ہے نہ کہ کسی اور کی بیوی کو ۔[60]

گونگے اور معذور کی طلاق :

حنفیوں کے نزدیک گونگے شخص کی طلاق اشارہ سے واقع ہو جائے گی بشرطے کہ اشارہ معلوم اور مشخّص ہو ۔ ایسی صورت میں اشارہ قول کا قائم مقام تصور کیا جائے گا ۔[61] لیکن اگر گونگا شخص پڑھا لکھا ہے تو صرف تحریر کا اعتبار کیا جائے گا ۔ دیگر ائمہ کا اس پر اتفاق ہے چنانچہ ایسا گونگا جو لکھنا پڑھنا جانتا ہو اس کی طلاق بذریعہ اشارہ نہ ہوگی ۔[62]

ملک شام کا قانون :

ملک شام کے عائلی قانون کے تحت طلاق لفظاً اور بالکنایہ واقع ہو جاتی ہے اور جو شخص لفظ اور کنایہ دونوں سے عاجز ہو اس کے معلوم و مشخّص اشارے سے طلاق واقع ہو جائے گی ۔[63]

---

(۶۰) طلاق بالکنایہ کی بحث علمی نقطۂ نظر سے لائق ذکر ہے ورنہ آج کل شاذ ہی کوئی شخص کنایتاً طلاق دیتا ہو ۔ کنایات اور ان کی اقسام وغیرہ کے تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہوں "بدائع الصنائع" امام کاسانی (۵۸۷ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۳، صفحات ۱۰۵ تا ۱۰۹ اور فتح القدیر ابن ہمام (۸۶۱ ہجری)، جلد ۳، صفحہ ۴۲ نیز ردالمحتار، ابن عابدین، (۱۲۵۲ ہجری) مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۴۳۶ ۔

(۶۱) درالمختار بر حاشیہ ردالمحتار، علاءالدین حصکفی (۱۰۸۸ ہجری) مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۴۳۶ ۔
فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبوعہ مطبع مجیدی کان پور، جلد ۲، صفحہ ۱۴۶ ۔
ہدایہ اولین، (عربی) برہان الدین مرغینانی (۵۹۳ ہجری) مطبوعہ دہلی جلد ۲ صفحہ ۳۳۵ ۔
المغنی، ابن قدامہ مقدسی (۶۲۰ ہجری) مطبوعہ مصر، جلد ۷، صفحہ ۳۳۸ ۔

(۶۲) بحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ ہجری) مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۲۶۷ ۔

(۶۳) "یقع الطلاق باللفظ و بالکتابة و یقع من العاجز عنہما باشارة المعلومة" دفعہ ۸۷، قانون الاحوال الشخصیہ ۔

اصالتاً یا وکالتاً

۹۹۔ ہر مسلمان شوہر مجاز ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو خود طلاق دے یا دینے کے لیے کسی عاقل و بالغ شخص کو اپنا وکیل مقرر کرے۔

تشریح

یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ طلاق شوہر خود دے سکتا ہے اور چاہے تو اپنے مقرر کردہ وکیل کے ذریعہ دلوا سکتا ہے لیکن وقوع طلاق کے لیے صریح طلاق کی نسبت اپنی زوجہ کی طرف کرنا شرط ہے۔[۶۴]

وکیل طلاق کے لیے ضروری ہے کہ وہ عاقل اور بالغ ہو۔ اگر وکیل نابالغ ہو گا تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہ ہو گی۔ وکیل کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ اسے اختیار صراحتاً دیا گیا ہو۔

کسی دوسرے شخص کو وکیل طلاق مقرر کرنے کے یہ معنی ہیں کہ وہ شخص اس اختیار کے استعمال پر مامور ہوتا ہے اور اس کا پابند ہوتا ہے کہ وہ اس اختیار کو (حسب ہدایت اپنے موکل) استعمال میں لائے۔[۶۵]

وکیل کی صورت میں شوہر کو ہر وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وکیل کو دئے ہوئے اختیار کو واپس لے لے یا وکیل کے اس اختیار کو محدود کر دے، بشرطے کہ وکیل نے اس سے قبل اس اختیار کو استعمال نہ کیا ہو البتہ وکیل اگر دیوانہ ہو جائے تو وکالت خود بخود ساقط ہو جائے گی۔[۶۶]

اہلیت طلاق سے متعلق جو قیود و شرائط خود شوہر سے متعلق ہیں وہ وکیل سے بھی متعلق ہوں گی۔

---

(۶۴) درالمختار بر حاشیہ ردالمحتار علاءالدین حصکفی (۱۰۸۸ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ہجری، جلد ۲، صفحات ۸۹ - ۳۸۷ -
"للزوج ان یوکل غیرہ بالتطلیق -" قانون الاحوال الشخصیۃ، شام، دفعہ ۸۸ -

(۶۵) درالمختار بر حاشیہ ردالمحتار، علاءالدین حصکفی (۱۰۸۸ ہجری) مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ہجری، جلد ۲، صفحات ۸۹ - ۳۸۷ -

(۶۶) غایۃ الاوطار (اردو ترجمہ درالمختار) مطبوعہ نول کشور، لکھنو، جلد ۲، صفحہ ۱۲۶ -

شہادت طلاق

۱۰۰۔ ایقاع طلاق کے لیے شہادت شرط نہیں۔

تشریح

شہادت طلاق کے سلسلے میں قرآن پاک میں حسب ذیل آیت ملتی ہے:

"یا ایہاالنبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوالعدۃ واتقواللہ ربکم لا تخرجوھن من بیوتھن و لا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ و تلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ لاتدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا ۔ فاذابلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف اوفارقوھن بمعروف و اشھد واذوی عدل منکم واقیموالشھادۃ للہ ۔"[۶۴]

یعنی اے نبی! جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو تو انہیں عدت کے وقت سے طلاق دو اور عدت کا شمار کرو اور اپنے اللہ سے ڈرو۔ نہ نکالو ان عورتوں کو ان کے گھروں سے اور نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ ظاہرا فاحشہ ہو جائیں۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جس کسی نے اللہ کی حدوں سے تجاوز کیا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ تم نہیں جانتے کہ شاید اللہ اس کے بعد کوئی امر پیدا کر دے۔ پس جب وہ عورتیں اپنے زمانۂ عدت کی تکمیل کے قریب ہوں تو معروف طریقے سے ان کو روک لو یا معروف طریقے سے ان کو چھوڑ دو اور گواہ بنا لو اپنے میں سے دو صاحبان عقل کو اور قائم کرو شہادت اللہ کے واسطے۔

شہادت کا حکم واجب ہے یا مستحب:

مذکورہ بالا آیت میں "واشھدوا" کے لفظ سے جو حکم شرعی مرتب

---

(۶۴) سورۃالطلاق ۲۲۱۔

ہوتا ہے اس کے اطلاق کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ حکم واجب ہے یا مستحب -

مفسّرین کی آراء :

امام فخرالدین رازی نے ''واشہد وا ذوی عدل منکم'' کی تفسیر ''ای امروا ان یشہدوا عند الطلاق و عندالرجعۃ ذوی عدل منکم'' کے الفاظ میں کی ہے چنانچہ ان کے نزدیک طلاق اور رجعت دونوں موقعوں پر شہادت کا حکم دیا گیا ہے -[68]

تفسیر ابی السعود[69] میں لکھا ہے کہ رجعت اور فرقت دونوں موقعوں پر یہ حکم مستحب ہے - جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''واشہدوا اذا تبایعتم'' یعنی جب تم لین دین کرو تو گواہ بنالو - تمام فقہاء کے نزدیک بیع و شرا کے وقت گواہی مستحب ہے -

زمخشری نے اپنی تفسیر الکشّاف[70] میں لکھا ہے کہ رجعت اور فرقت دونوں میں شہادت کا حکم ہے -

قرطبی نے بھی اپنی تفسیر جامع الاحکام القرآن[71] میں لکھا ہے کہ طلاق اور رجعت میں شہادت کا حکم ہے -

بیضاوی نے اپنی تفسیر انوار التنزیل[72] میں رجعت اور فرقت دونوں صورتوں میں شہادت کو مستحب لکھا ہے -

---

(۶۸) تفسیر کبیر امام رازی (۶۰۶ ہجری) عبدالرحمٰن محمد ' قاہرہ ' مطبوعہ ۱۳۵۷ جلد ۳۰ ' صفحہ ۳۴ -

(۶۹) تفسیر ابی السعود (۹۵۱ ہجری) مطبوعہ مکتبۃالحسینیۃ ۱۳۴۷ ہجری جلد ۵ ' صفحہ ۱۷۰ -

(۷۰) تفسیر الکشاف عن حقایق التنزیل ' محمود بن عمر الزمخشری (۵۳۸ ہجری) جلد ۳ ' صفحہ ۲۳۹ -

(۷۱) جامع الاحکام القرآن ' المعروف بہ تفسیر قرطبی ' مطبوعہ دارالکتب العربیہ ' قاہرہ ' جلد ۲۸ ' صفحہ ۱۵۷ -

(۷۲) تفسیر بیضاوی ' عبداللہ بن العمر البیضاوی (۷۹۱ ہجری) مطبعۃ مصطفی البابی مصر ۱۳۵۸ ہجری جلد ۲ ' صفحہ ۲۸۱ -

تفسیر المحیط[۷۳] میں دونوں صورتوں میں شہادت کو واجب لکھا ہے اور لفظ ''امساک'' کو ''رجعت'' اور ''مفارقت'' کو ''طلاق'' کہا ہے۔

تفسیر طبری[۷۴] میں سُدّی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''واشہدوا'' طلاق اور رجعت دونوں کے لیے کہا گیا ہے۔

تفسیر نسفی میں رجعت اور مفارقت دونوں کو مستحب لکھا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں بھی یہی ہے۔[۷۵]

تجزیہ :

مندرجہ بالا تفسیروں کے مطالعہ کے بعد ''واشہدوا'' کے سلسلے میں جو حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ امام رازی، زمخشری، قرطبی اور طبری فرقت اور رجعت میں حکم شہادت کا ذکر کرتے ہیں (جس میں کوئی اختلاف نہیں) لیکن اس کے واجب یا مستحب ہونے کی بابت کچھ نہیں کہتے۔ ابو السعود، بیضاوی، نسفی اور ابن کثیر دونوں صورتوں میں مستحب کہتے ہیں۔ جب کہ تفسیر المحیط میں حکم شہادت کو واجب کہا گیا ہے اور فرقت سے طلاق کے معنی مراد لیے ہیں۔ فی الحقیقت اس آیت میں ''فارقوھنّ'' کے الفاظ سے طلاق مراد لینا درست نہیں کیوں کہ طلاق کے لیے ''اذا طلّقتموھنّ'' کے الفاظ آیت کی ابتدا میں آ چکے ہیں جو صریحاً طلاق پر دلالت کرتے ہیں جب کہ ''فارقوھنّ'' طلاق دینے کے بعد عدت ختم ہونے پر چھوڑنے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو دراصل مراجعت کے معنی میں ہے اور ظاہر ہے کہ یہ صورت طلاق دینے کے بعد ظہور میں آتی ہے۔

---

(۷۳) تفسیر المحیط، ابن حبّان، مطبوعہ قاہرہ، جلد ۸، صفحہ ۲۸۲۔

(۷۴) تفسیر الطبری، طبری (۳۱۰ ہجری) مطبعۃ الامیریہ، ۱۳۲۹ ہجری، جلد ۲۸، صفحہ ۸۸۔

(۷۵) تفسیر القرآن العظیم معروف بہ تفسیر ابن کثیر، (۷۷۴ ہجری) مطبوعہ عیسی البابی، مصر جلد ۴ صفحہ ۳۷۹۔

آثار صحابہ و تابعین :

ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حسب ذیل حدیث روایت کی ہے : [۷۶]

حضرت عمران بن الحصین سے ایک شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جس نے اپنی زوجہ کو طلاق دی تھی پھر اس سے رجوع کیا اور اس کی طلاق پر کوئی شہادت قایم نہ کی اور نہ اس کی رجعت پر۔ پس عمران نے (اس شخص سے) کہا کہ تم نے خلاف سنت طلاق دی اور خلاف سنت رجوع کیا ، اس کی طلاق پر شہادت قایم کرو اور اس کی رجعت پر شہادت قایم کرو۔"

"تفسیر الدُّرالمنثور" میں عطاء کا ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ "النکاح بالشهود والطلاق بالشهود و المراجعة بالشهود" نیز امام جصّاص نے بھی اپنی تفسیر احکام القرآن میں ابن جریج کے حوالے سے عطاء کا یہ قول بیان کیا ہے "الطلاق و النکاح والرجعة بالبینة" جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عطاء نکاح ، طلاق اور رجعت تینوں امور میں شہادت کے قائل تھے۔

تجزیہ :

ان آثار کا مطالعہ کرنے سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلاق و رجعت میں شہادت کا حکم ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ حضرت عمران کے ارشاد کے مطابق رجعت کرنا یا بغیر شہادت کے طلاق دینا خلاف سنت ہے۔ اس بارے میں تمام ائمہ و فقہاء اہل سنت متفق ہیں۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ حضرت عمران نے اس طلاق یا

---

(۷۶) "عن عمران بن الحصین سئل عن رجل یطلق امراته ثم یقع بھاولم یشھد علی طلاقھا ولا علی رجعتھا فقال عمران طلقت بغیر سنة وراجعت بغیر سنة اشھد علی طلاقھا و علی رجعتھا۔" (سنن ابن ماجہ ، کارخانہ تجارت کتب کراچی صفحہ ۱۴۶ ۔)

رجعت کو غیر واقع یا غیر لازم قرار دیا اور طلاق و رجعت کو بلا شہادت باطل سمجھا۔

فقہاء کی آراء :

جمہور فقہاء کے نزدیک طلاق میں شہادت ایقاع طلاق کے لیے شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ البتہ ظاہریہ اور جعفریہ طلاق کے ایقاع کے لیے طلاق دینے کے وقت دو عادل گواہوں کی موجودگی کو شرط قرار دیتے ہیں۔"

چنانچہ محمد الحسنین اپنی کتاب "اصل الشیعة و اصولها" [۷۸] میں لکھتے ہیں کہ :

"یہ سورۃ خاص طور پر طلاق اور اس کے احکام کے بیان میں ہے یہاں تک کہ اس کا نام بھی سورۃ الطلاق رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کی ابتداء میں "اذا طلقتم النساء" سے کلام کا آغاز کیا ہے پھر شوہر کے آغاز عدت میں طلاق واقع کرنے کا ذکر کیا ہے یعنی یوں کہ طلاق نہ تو ایسے طہر میں دی جائے جس میں جماع کیا گیا ہے اور نہ حالت حیض میں دی جائے۔ عدت کو شمار کرنے اور ان عورتوں کو گھروں سے نہ نکالنے کے لزوم کا ذکر کیا ہے۔ پھر ضمنی طور پر احکام طلاق کے دوران میں رجعت کا ذکر کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "پس جب ان کی عدت قریب الختم ہو تو ان کو معروف طریقے سے روک لو۔" یعنی جب عدت گزرنے کے قریب ہو تو تمہارے لیے رجعت کے ذریعہ انہیں روک لینا ہے یا معروف طریقے پر انہیں

---

(۷۷) المحلی، ابن حزم، (۴۵۶ھ ہجری) قاہرہ، ۱۳۵۳ ہجری، جلد ۱۰، صفحہ ۲۵۱۔

(۷۸) اصل الشیعة واصولها، محمد الحسنین (ساتواں ایڈیشن) صفحہ ۱۵۹۔

چھوڑ دینا ہے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے احکام طلاق کے اختتام کی طرف رجوع کیا ۔ ''کہ تم اپنے میں سے دو عادل گواہ بنا لو ۔'' یعنی طلاق میں (گواہ بنا لو) جس کے احکام کا ذکر گزر چکا ہے ۔''

بالفاظ دیگر شیعہ فقہاء کی شہادت طلاق کے واجب ہونے کے بارے میں یہ دلیل ہے کہ اس آیت کے آخر میں '' و اشھدوذوی عدل منکم '' کا جو حکم آیا ہے وہ آیت کی ابتداء میں '' فطلقو ھن لعد تھن '' کے حکم سے متعلق ہے ۔ اور جس طرح طلاق کا عدت کے حساب سے دینا واجب ہے اسی طرح طلاق پر گواہ بنانا بھی واجب ہے ۔ لہذا اگر بلا گواہی طلاق دی جائے تو وہ واقع نہ ہوگی ۔

ان حضرات کی جانب سے ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا '' الاشھاد علی الرجعۃ و علی الطلاق یرفع عن النوازل اشکالاً کثیرۃً '' یعنی یہ کہ شہادت رجعت اور شہادت طلاق بہت سی مشکلات کو دور کر دیتی ہے ۔

مذکورہ بالا دلائل پر تنقید :

شہادت طلاق کے وجوب کے سلسلہ میں فقہاء شیعہ کے دلائل حسب ذیل وجوہ سے بے وزن ہو جاتے ہیں :

۱- اہل سنت و الجماعت کے تمام ائمہ کے نزدیک رجعت اور (تکمیل عدت پر) فرقت پر شہادت واجب نہیں ہے ۔ کیونکہ ایک فعل جو اپنی اصلیت اور وقوع کے لحاظ سے غیر واجب ہے اس پر ایسی شرط عائد نہیں کی جا سکتی جس سے اس فعل کا واقع یا نافذ ہونا واجب ہو جائے اور اگر وہ شرط اس فعل کے ساتھ نہ پائی جائے تو وہ فعل غیر واقع یا غیر لازم قرار دیا جائے ۔ لہذا اگرچہ ''واشھدوا'' امر ہے جو اپنے اصلی معنی میں وجوب کا حکم رکھتا ہے لیکن اس حکم میں '' فامسکو ھن'' اور '' فارقوھن'' کے الفاظ سے جو قرینہ پایا جاتا ہے

اس کی بناء پر یہ امر وجوبی کے بجائے استحبابی ہوگا کیونکہ رجعت اور فرقت واجب نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ امر کا صیغہ اپنے اندر متعدد معانی کا احتمال رکھتا ہے (علامہ عبیداللہ نے اپنی کتاب ''توضیح'' میں امر کے سولہ معنی لکھے ہیں) -

۲- علاوہ ازیں شیعہ ائمہ کی یہ دلیل ''واشھدوا ذوی عدل منکم'' ابتدائے آیت میں '' فطلقوھن لعدتھن'' کے ساتھ متعلق ہے ' نظم قرآن کے خلاف ہے - اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے طلاق کے متعلق یہ احکام بیان فرمائے ہیں کہ جب طلاق دو تو عدت کے وقت سے طلاق دو ' اور عورتوں کو گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ ظاہرا فاحشہ ہو جائیں - اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو کوئی ان حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے نفس پر ظلم کرے گا - طلاق کا یہ حکم یہاں ختم ہو جاتا ہے - اب اس حکم پر اللہ تعالیٰ دوسرا حکم مرتب کرتا ہے وہ یہ کہ جب ان عورتوں کی عدت ختم ہونے کے قریب ہو تو ان کو معروف طریقے پر روک لو یا ترک مراجعت کرو اور (اس پر) دو عادل آدمیوں کو گواہ بنا لو -) اس آیت میں پہلا جملہ مرتب علیہ ہے اور دوسرا جملہ مرتب - اور ظاہر ہے کہ مرتب مرتب علیہ کے بعد آتا ہے' نہ یہ کہ وہ ماقبل کے لیے شرط ہو - یعنی دو جملے ہیں ایک طلاق کے بارے میں ' دوسرے عدت کی مدت قریب الختم ہونے کے وقت عورت کو روکنے یا نہ روکنے کے بارے میں ' لہذا ''واشھدوا ذوی عدل منکم'' کا تعلق دوسرے جملے سے ہوگا نہ کہ پہلے جملے کے ساتھ یعنی امساک یا مفارقت کے ساتھ نہ کہ طلاق کے ساتھ - یہاں بالاتفاق مفارقت ترک مراجعت کے معنی میں ہے جو طلاق کے بعد اور اس سے ممیز شے ہے -

شیعہ ائمہ ''واشہدوا ذوی عدل منکم'' کا تعلق ابتداء کلام میں ''فطلقوہن'' کے ساتھ قائم کرتے ہیں ۔ یہ طریقہ نظم قرآن کے خلاف ہے ۔ طلاق کا حکم اس آیت میں مقدم ہے اور شہادت کا حکم طلاق سے متعلق نہیں بلکہ موخّر ہے کیونکہ ''فاذا بلغن اجلہن'' میں ''ف'' کلمہ احکام میں تفریع کی غرض سے لایا گیا ہے۔ لہٰذا شہادت کا تعلق ''فامسکوہن'' (امساک) اور ''فارقوہن'' (مفارقت) کے ساتھ ہوگا نہ کہ ''فطلقوہن'' (طلاق) کے ساتھ ۔

۳۔ شیعہ فقہاء کی یہ دلیل کہ شہادت طلاق کے حکم کا واجب ہونا نزاع کو دور کرنے اور انکار کی صورت میں شہادت کے ذریعہ آسانی پیدا کرنے کی غرض سے ہے اگر درست قرار دیا جائے تو ان کے نزدیک شہادت نکاح کا حکم بھی وقوع نکاح کے لیے واجب ہونا چاہیے کیونکہ اس صورت میں بھی نزاع اور انکار کا امکان ہے ۔ مزید برآں نکاح کے ذریعہ کسی شے (رشتۂ زوجیت) کو وجود میں لایا جاتا ہے جب کہ طلاق کے ذریعہ اس شے کو باقی رکھنا مقصود نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ کسی کا وجود میں لانا اس کے دفع کرنے کے مقابلے زیادہ اہم ہوتا ہے ۔ لیکن شیعہ فقہاء نکاح میں شہادت کے قائل نہیں ۔

دراصل شہادت طلاق اگر نزاع و انکار کی دلیل کے سبب واجب قرار دی جائے اور اس کو قانون طلاق کا ایک جزو تسلیم کیا جائے تو پھر شہادت کے لزوم کو دوسرے معاملات انقطاع معاهده سے متعلق بھی ایک جزو اصلی کی حیثیت سے تسلیم کرنا پڑے گا جب کہ انقطاع معاهده کے لیے شہادت کسی کے نزدیک شرط نہیں ۔ دعویٰ کے اثبات کے لیے بجز چند استثنائی صورتوں کے شہادت ایک قاعدہ

(procedure) کی حیثیت یہی تسلیم کی جاتی ہے نہ کہ اصل قانون (substantive) کی حیثیت میں، اس کے ایک جزو اصلی کے طور پر۔

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ شہادت کو طلاق واقع کرنے کی لازمی شرط قرار نہیں دیا جا سکتا۔

تفویض طلاق

۱۰۱۔ شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو حق طلاق تفوض کر دے مگر اس صورت میں خود اس کا حق طلاق ساقط نہ ہوگا۔

توضیح : شوہر کے اپنی زوجہ کو حق طلاق تفریض کر دینے کی صورت میں زوجہ خود اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے۔

تشریح

تفویض طلاق (delegation of the power of divorce) کے معنی ہیں ”طلاق دینے کا اختیار اپنی زوجہ کے سپرد کرنا“ چنانچہ عورت کا مرد سے نکاح کے وقت یہ شرط کرنا کہ وہ طلاق کی مختار ہے شرعاً صحیح ہے۔ اسی طرح شوہر کا اپنی زوجہ کو قیام نکاح کے دوران حق طلاق تفویض کرنا بھی جائز ہے۔ ملک شام کے عائلی قانون کے تحت بھی شوہر کا یہ اختیار تسلیم کیا گیا ہے۔[۷۹]

اگر زوجہ نے بوقت نکاح شوہر سے حق طلاق حاصل کر لیا ہو یا وہ نکاح کے بعد اس حق کی مالک بن گئی ہو تو وہ اس حق کو استعمال کر کے خود کو طلاق دے کر رشتۂ زوجیت قطع کر سکتی ہے اور اس طلاق کا اسی طرح اعتبار کیا جائے گا جیسے کہ شوہر نے زوجہ کو وہ طلاق خود دی ہو۔

تفویض یا تملیک طلاق کے بعد شوہر زوجہ کے اس حق کو فسخ

(۷۹) ”للزوج......ان یفوض المرأة تطلیق نفسها۔“ قانون الاحوال الشخصیة، سوریه، دفعه ۸۸۔

نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ تفویض کے بعد زوجہ اس اختیار کی بنفسہ مالک ہو جاتی ہے [۸۰] خواہ اس حق کو استعمال کرے یا نہ کرے اور جب چاہے کرے۔ البتہ اگر تفویض طلاق معین مدت کے لیے ہو اور وہ مدت گزر جائے تو عورت کا حق باطل اور بے اثر ہو جائے گا۔

لیکن شوہر کے اپنی زوجہ کو حق طلاق تفویض کرنے کی صورت میں خود اس کا حق طلاق ساقط نہیں ہوتا چناں چہ اگر شوہر نے اپنی زوجہ کو حق طلاق تفویض کر دیا اور پھر خود اس کو طلاق بائن دے دی تو عورت کا اختیار باطل اور غیر نافذ ہو جائے گا۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تفویض سے ملکیت کیونکر پیدا ہوئی اور اگر ملکیت عورت کو حاصل ہوگئی تو پھر مرد کا حق طلاق کیونکر باقی رہا؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ تفویض طلاق دراصل خیار طلاق ہے اور خیار دینا ایک فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا مالک کرتا ہوتا ہے کیونکہ مخیّر (جسکو اختیار دیا گیا) اس فعل میں اپنی رائے سے تصرف کرتا ہے لہذا اگر شوہر اپنی زوجہ کو خیار طلاق تفویض کرتا ہے تو گویا وہ اپنی زوجہ کو یہ اختیار دیتا ہے کہ خود کو طلاق دے کر اس مرد کے رشتۂ زوجیت سے علیحدہ کر سکتی ہے اور ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ، عورت مالکہ ہو کر تصرف ہے، جس کا منشاء یہ ہے کہ مرد کی اس ملکیت میں عورت بھی تصرف کر سکتی ہے جو اس مرد کے علاوہ ہے نہ کہ بجائے۔

---

(۸۰) ولیس للزوج ان یرجع فی ذلک ینهاها عما جعل الیها ولا یفسخ کذا فی الجوهرة (فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ - صفحہ ٦٧)

بارھواں باب

کن اشخاص کی طلاق واقع نہ ہوگی

کن اشخاص کی طلاق واقع نہ ہوگی

۱۰۲ - حسب ذیل اشخاص کی دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی:

(۱) نابالغ -

(۲) پاگل (مجنون) -

(۳) مغلوب العقل (معتوہ) -

(۴) مغشی (جس شخص پر غشی طاری ہو) -

(۵) مدہوش -

(۶) خوابیدہ -

(۷) سرسام زدہ - اور

(۸) مغمیٰ علیہ -

تشریح

اہلیت طلاق کی بنیادی شرط یہ ہے کہ شوہر مکلّف ہو (یعنی اس پر احکام شرع نافذ ہو سکتے ہوں) اور عورت طلاق کا محل ہو (یعنی اس پر طلاق واقع ہو سکتی ہو) -

۱- نابالغ کی طلاق:

طلاق دینے والے کا بالغ ہونا ضروری ہے - نابالغ کی طلاق بالاتفاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ وہ قریب البلوغ ہو-[1] اگر لڑکے نے صغر سنی کی

---

(۱) مجمع الانہر ' داماد آفندی (۱۰۷۸ ہجری) مطبوعہ مصر' ۱۳۲۷ ہجری' جلد ۱' صفحات ۸۵ - ۳۸۴ -

بدائع الصنائع ' امام کاسانی (۵۸۷ ہجری) 'مطبوعہ مصر ' ۱۳۲۸ ہجری ' جلد ۳' صفحات ۱۰۰ - ۹۹ -

(باقی اگلے صفحے پر)

حالت میں طلاق دی اور بلوغ کے بعد اس سابق طلاق کو بحال رکھا ۔ تب بھی وہ (سابق) طلاق واقع نہ ہوگی۔[۲] کیونکہ وہ ابتداء ہی سے طلاق دینے کا اہل نہ تھا ۔ البتہ وہ از سرنو طلاق دے سکتا ہے ۔

عمر بلوغ کا تعین :

عمر بلوغ کا تعین شریعت اسلامی کے مطابق ہوگا نہ کہ قانون بلوغ (Majority Act) کے تحت ۔[۳]

طلاق بذریعہ ولی :

سنیوں کے نزدیک نابالغ کا ولی اس کی طرف سے طلاق دینے کا مجاز

ردالمحتار ' ابن عابدین (۱۲۵۲ ہجری)' مطبوعہ مصر' ۱۲۵۶ ہجری' جلد ۲ ' صفحات ۳۸ - ۲۳۷ اور ۳۲۸ -
فتاویٰ عالمگیری (عربی) ' مطبوعہ مطبع مجیدی کان پور' جلد ۲ ' صفحات ۳۵ - ۱۳۳ -
شرائع الاسلام ' نجم الدین جعفر (۶۷۶ ہجری) ' تہران ' القسم الثالث ' کتاب الطلاق ' جلد ۳ ' صفحہ ۲۰۵ -
بحر الرائق ' زین العابدین ابن نجیم (۹۷۰ ہجری)' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۱ ہجری ' جلد ۳ ' صفحات ۲۶۸ - ۲۶۳ -
ہدایہ اولین (عربی) برہان الدین مرغینانی (۵۹۳ ہجری) مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد ۲ ' صفحہ ۳۵۸ -
(۲) مجمع الانہر' داماد آفندی (۱۰۷۸ ہجری)' مطبوعہ مصر' ۱۳۲۷ ہجری' جلد ۱ ' صفحات ۳۸۵ - ۳۸۳ -
بدائع الصنائع' امام کاسانی (۵۸۷ ہجری) مطبوعہ مصر' ۱۳۲۸ ہجری' جلد ۳ ' صفحات ۱۰۰ - ۹۹ -
ردالمحتار' ابن عابدین (۱۲۵۲ ہجری)' مطبوعہ مصر' ۱۲۵۶ ہجری ' جلد ۲ ' صفحات ۲۳۸ - ۲۳۷ -
فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کان پور جلد ۲ ' صفحات ۱۳۵ - ۱۳۳ -
شرائع الاسلام ' نجم الدین جعفر' تہران ' القسم الثالث ' کتاب الطلاق ' صفحہ ۲۰۵ -
بحر الرائق' زین العابدین ابن نجیم' (۹۷۰ ہجری)' مطبوعہ مصر ' ۱۳۱۱ ہجری' جلد ۳ ' صفحات ۲۶۸ - ۲۶۳ -
ہدایہ اولین (عربی) برہان الدین مرغینانی (۵۹۳ ہجری) مطبوعہ قرآن محل کراچی صفحہ ۳۵۸ -
(۳) دفعہ ۲ قانون بلوغ ۱۸۷۵ء -

نہیں ہے۔[۴] البتہ شیعوں کے نزدیک ولی کو فاسد العقل نابالغ کی طرف سے طلاق دینے کا اختیار اس صورت میں حاصل ہے جب کہ نابالغ فساد عقل کی حالت میں بلوغ کو پہونچا ہو اور طلاق اس سے مفاد میں ہو۔[۵]

علی الحفیف اپنی کتاب "فرق الزواج" میں لکھتے ہیں کہ شعیہ امامیہ کے نزدیک جیسا کہ شرائع الاسلام میں ہے نابالغ کے ولی کو نابالغ کی طرف سے طلاق دینے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ نابالغ (کے طلاق دینے) کی ممانعت کے لیے ایک معروف حد مقرر ہے (یعنی بلوغ) بخلاف مجنون (پاگل) اور معتوہ (آوارۂ عقل) کے ولی کے، کہ ان کے ولیوں کو حق حاصل ہے کہ ان کی طرف سے طلاق دیں لیکن شیعوں کے نزدیک بھی) معتوہ ممیز کے ولی کو حق نہیں ہے کہ وہ اس کی طرف سے طلاق دے البتہ اگر وہ (معتوہ ممیز) طلاق دے تو ولی کی اجازت ضروری ہے کیونکہ وہ طلاق کے معاملہ میں بے وقوف تصور کیا جائے گا جیسا کہ وہ مالی معاملات میں بے وقوف تسلیم کیا جاتا ہے۔

۲- پاگل کی طلاق :

پاگل یا مجنون اس شخص کو کہتے ہیں جس کی عقل زائل ہو چکی ہو۔ فقہاء کے نزدیک مجنون اس شخص کو کہتے ہیں جس کی

---

(۴) فرق الزواج فی المذاهب الاسلامیه، علی الخفیف، مطبوعه الرساله، عابدین، ۱۹۵۸ع صفحه ۵۹۔
ردالمحتار مع حاشیه درالمختار، ابن عابدین (۱۲۵۲ هجری) مطبوعه مصر ۱۲۵۶ هجری، جلد ۲، کتاب الطلاق۔

(۵) و توقع زوال حجره غالباً فلو بلغ فاسدالعقل طلق ولیه مع مراعاة الغبطة ومنع منه قوم وهو بعید۔" (شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر، مطبوعه تهران القسم الثالث، کتاب الطلاق، صفحه ۲۰۵)۔
اماالشیعة الامامیة ان ولی الصغیر لیس له ان یطلق علیه ان الحجر علیه نهایة معروفة بخلاف ولی المجنون والمعتوه فان علیهما ان یطلق علیهما" (فرق الزواج فی المذاهب الاسلامیه، علی الخفیف، مطبعة الرسالة، عابدین، ۱۹۵۸ع، صفحه ۵۹)۔

قوت تمیز جنون کے سبب مختل ہو جائے۔ اچھے اور برے میں فرق نہ کر سکے اور اپنے افعال کے انجام کو سمجھنے کی قوت نہ رہے، خواہ پیدائشی طور پر یا کسی آفت یا عارضہ کی بنا پر۔[6]

جنون کی قسمیں :

جنون کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) جنون مطبق (مسلسل)۔

(۲) جنون غیر مطبق (غیر مسلسل)۔

جنون مطبق :

جنون مطبق (مسلسل) کی حالت میں جو طلاق دی جائے وہ من ابتداء باطل اور کالعدم (void-abinitio) ہے۔ ایک پاگل اپنے معاملات میں تصرف کا اہل نہیں ہوتا۔ اس کی مثال ایک بچے کی ہے جو اپنے مفادات کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا لہٰذا ایک پاگل کی دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔[7]

جنون غیر مطبق :

جنون غیر مطبق (غیر مسلسل) کی صورت یہ ہے کہ جس وقت افاقہ ہو اس وقت طلاق دی جائے۔ اس کا حکم ایک عاقل شخص کی طلاق کا ہوگا اور ایسی طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ مجنون غیر مطبق (غیر مسلسل) کے تصرفات افاقہ کی حالت میں عاقل شخص کے

---

(۶) بحرالرائق، زین العابدین ابن نجیم (۹۷۰ ھجری)، مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ ھجری، جلد ۳، صفحات ۸۹۔

(۷) "ولایقع طلاق المجنون والصبی الذی لایعقل لان العقل شرط التصرف" (بدائع الصنائع، امام کاسانی، ۵۸۷ ھجری، جلد ۳، صفحہ ۹۹۔
مجمع الانہر، داماد آفندی ۱۰۷۸، مطبوعہ مصر ۱۳۲۷ ھجری، جلد ۱، صفحہ ۳۸۵۔
عنایہ برحاشیہ فتح القدیر، مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ ھجری، جلد ۳، صفحات ۳۸ - ۳۹۔

تصرفات کے مانند ہیں۔[8] یعنی جس طرح ایک عاقل شخص اس امر کا مجاز ہے کہ وہ اپنے معاملات میں جس طرح چاہے عمل کرے اسی طرح ایک مجنون غیر مطبق (غیر مسلسل) کو بھی افاقہ کی حالت میں اپنے معاملات میں تصرف کرنے کی اہلیت حاصل ہے اور اس کے تصرفات اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نافذ ہوں گے کیونکہ افاقہ کی حالت میں مجنون غیر مطبق پر ولایت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ جب جنون زائل ہو گیا تو جو امر مانع تھا دور ہو گیا اور اہلیت تصرف بحال ہو گئی لہٰذا افاقہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق نافذ ہوگی۔[9]

اسی اصول کی بنیاد پر اگر مجنون نے افاقہ کی حالت میں مشروط طلاق دی اور وہ شرط جنون کی حالت میں پوری ہو گئی تو طلاق واقع ہو جائے گی، بلا لحاظ اس امر کے کہ بوقت وقوع جنون کی حالت تھی۔[10]

لیکن غیر مسلسل مجنون کی صورت میں جب اس پر جنون کا دورہ پڑے اور عارضی طور پر وہ شخص پاگل ہو جائے تو اس حالت میں اس پر مجنون کے احکام مرتب ہوں گے۔[11]

مجنون کی طلاق واقع نہ ہونے کی بنیاد پر بربنائے حدیث:

فقہاء نے طلاق مجنون کے عدم وقوع کی بنیاد بروایت ابو ہریرہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر رکھی ہے۔[12] کہ آپ نے

---

(۸) تصرفات المجنون غیر المطبق فی حال افاقة کتصرف العاقل (دفعہ ۹۸ مجلۃ الاحکام العدلیہ، ترکیہ، مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد، کراچی)۔

(۹) ردالمحتار مع درالمختار، ابن عابدین (۱۲۵۲ ہجری)، مطبوعہ مصر، جلد دوم، صفحات ۳۸ - ۴۳۷۔
فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کانپور جلد دوم، صفحہ ۱۴۳۔

(۱۰) ردالمحتار مع درالمختار، ابن عابدین (۱۲۵۲ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ھ، جلد دوم، صفحہ ۳۸ - ۴۳۷۔

(۱۱) بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۸۷ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۹۹۔

(۱۲) بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۸۷ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۹۹۔

فرمایا ''کل طلاق جائز الا طلاق الصبی والمعتوہ''۔[۱۳] یعنی ''ہر طلاق جائز ہے سوائے بچے اور معتوہ کی طلاق کے۔'' گو معتوہ اور مجنون میں تھوڑا سا فرق ہے لیکن اختلال عقل کے اعتبار سے دونوں مشابہ ہیں اس لیے اکثر محدثین اور فقہاء نے اس حدیث کو معتوہ کی طلاق کے علاوہ مجنون کی طلاق کے سلسلے میں بھی بطور تائید بیان کیا ہے، لیکن ترمذی نے اس حدیث کو غریب لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کا راوی عطاء بن عجلان ضعیف ہے اور اس کا حافظہ خراب ہے۔[۱۴] نیز امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو باین الفاظ ''کل طلاق جائز الاطلاق المعتوہ'' حضرت علی کا قول لکھا ہے۔[۱۵]

نسائی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب ذیل ایک اور حدیث بیان کی ہے ''رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ و عن الصغیر حتی یکبرو عن المجنون حتی یعقل اویفیق۔'' یعنی تین اشخاص احکام شرعیہ کی ذمہ داری سے بری ہو گئے ایک سونے والا، جب تک کہ جاگ نہ جائے، دوسرا بچہ، جب تک کہ بالغ ہو اور تیسرا پاگل، جب تک کہ صحیح العقل ہو یا افاقہ میں ہو جائے۔

حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ابن حبان نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[۱۶] لیکن امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو ''یکبر'' کے بجائے ''یدرک'' کا لفظ استعمال کرتے ہوئے اس

---

(۱۳) مشکوۃ المصابیع (عربی) اصح المطابع کراچی، صفحہ ۲۸۴۔
(۱۴) جامع الترمذی (عربی) مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب کراچی، صفحہ ۱۹۲۔
فتح القدیر، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۳۸۔
(۱۵) البخاری بحاشیۃ السندی، مطبقہ دار احیاء الکتب العربیۃ، مصر جلد ۳، صفحہ ۲۷۲۔
سنن نسائی (عربی) اصح المطابع کراچی، جلد ۲، صفحہ ۸۵۔
مشکوۃ المصابیع، اصح المطابع کراچی، صفحہ ۲۸۴۔
(۱۶) بلوغ المرام، ابن حجر عسقلانی (عربی - اردو) اصح المطابع، صفحہ ۲۲۴۔

کو حضرت علی کا قول لکھا ہے ۔[۱۷]

بہرحال یہ امر مسلّمہ ہے کہ پاگل کی طلاق واقع نہیں ہوتی الّایہ وہ افاقہ کے دوران دی گئی ہو ۔

عراق کا قانون :

عراق کے قانون الاحوال الشخصیہ کے تحت بھی مجنون کی طلاق کو غیر واقع قرار دیا گیا ہے ۔[۱۸]

۳۔ مغلوب العقل (معتوہ) کی طلاق :

معتوہ (مغلوب العقل) کا لفظ عتہ سے مشتق ہے ۔ اس کے لغوی معنی اختلال عقل کے ہیں ۔ اصطلاحاً معتوہ اس شخص کو کہتے ہیں جو بےعقل ہو ، بے ربط باتیں کرتا ہو جو منہ میں آئے بک جائے ۔[۱۹]

معتوہ اور مجنون میں فرق :

معتوہ اور مجنون میں یہ فرق ہے کہ معتوہ وہ شخص کہلاتا ہے جو قلیل الفہم ، پریشان کلام اور فاسد التدبیر ہو ۔ لیکن نہ مارے نہ گالی دے ۔ برخلاف اس کے مجنون وہ شخص ہے جس کی عقل زائل ہو گئی ہو برے اور بھلے میں تمیز نہ کر سکتا ہو ۔[۲۰]

مجلۃالاحکام العدلیہ کی دفعہ ۹۷۸ کے تحت بچہ ، مجنون اور معتوہ

---

(۱۷) البخاری بحاشیہ السندی مطبعہ دار احیاءالکتب العربیۃ ، مصر جلد ۳ ، صفحہ ۲۷۲ ۔

(۱۸) قانون نمبر ۱۸۸ ، بابت ۱۹۵۹ع ، دفعہ ۳۵ (۱) ۔

(۱۹) ردالمحتار مع درالمختار ، ابن عابدین (۱۲۵۲ ہجری) مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۳۷ - ۳۸ ۔

بحرالرائق ، ابن نجیم (۹۷۰ ہجری) ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۶۸ ۔

فتح‌القدیر ، ابن ہمام (۸۶۱ ہجری) مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ہجری ، جلد ۳ صفحہ ۳۸ ۔

(۲۰) ردالمحتار مع درالمختار ، ابن عابدین (۱۲۵۲ ہجری مطبوعہ مصر ، ۱۲۵۶ھ جلد دوم ، صفحہ ۴۳۷ ۔

کو اہلیت نہ رکھنے والے اشخاص کی ایک ہی قسم میں داخل کیا گیا ہے ۔ اور ان سب کے لیے محجور (اپنی ذات میں تصرف کرنے کی اہلیت سے محروم) کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے ۔[۲۱]

یہ مسئلہ حنفی ' مالکی ' شافعی ' حنبلی اور شیعی فرقوں میں متفقہ ہے کہ معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوگی ۔[۲۲] لیکن اگر اس نے بحالت افاقہ طلاق کو کسی شرط پر معلق کیا ہو اور پھر دیوانہ ہو گیا اور بحالت دیوانگی وہ شرط پوری ہو گئی تو طلاق واقع ہو جائے گی ۔[۲۳]

طلاق معتوہ کے عدم وقوع کی بنیاد بربنائے حدیث :

طلاق معتوہ کے عدم وقوع کی بنیاد بھی ان ہی حدیثوں پر قائم ہے جو پاگل کی طلاق کے ضمن میں بیان کی جا چکی ہیں ۔ البتہ ترمذی[۲۴] نے رفع القلم والی حدیث میں بجائے مجنون کے معتوہ کا لفظ استعمال کیا ہے ۔

---

(۲۱) "الضعیر والمجنون والمعتوہ محجورون فی الاصل" (دفعہ ۹۵۷ ' مجلۃ الاحکام العدلیہ ' ترکیہ ' مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد ' کراچی) ۔
"المحجورون الذین ذکرو فی المواد السابقۃ وان لم یعتبر تصرفہم القولی لکن یضمنون حالاالضرر والخسارالذین نشاء من فعلہم مثلا یلزم الضمان علی الصبی اذا اتلف مال الغیروان کان غیر ممیز" (۹٦۰ مجلۃ الاحکام العدلیہ ' ترکیہ ' مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد ' کراچی)
فتح القدیر ابن ہمام (۸٦۱ ہجری) مطبوعہ مصر ' ۱۳۵٦ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۳۸ ۔
مجمع الانہر ' داماد آفندی (۱۰۷۸ ہجری) ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۲۷ ہجری ' جلد ۱ ' صفحہ ۳۸۵ ۔

(۲۲) المغنی ' ابن قدامہ مقدسی (٦۲۰ ہجری) مطبوعہ مصر ' ۱۳٦۷ ہجری ' جلد ۷ صفحہ ۱۱۳ ۔
شرائع الاسلام ' نجم الدین جعفر (٦۷٦ ہجری) مطبوعہ تہران ' القسم الثالث ' کتاب الطلاق ' ۱۳۷۷ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۲۰۵ ۔

(۲۳) غایۃ الاوطار (اردو ترجمہ درالمختار) ' علاءالدین حصکفی (۱۰۸۸ ہجری) مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ' جلد ۲ ' صفحہ ۹۵ ۔
ردالمحتار ' ابن عابدین (۱۲۵۲ ہجری) مطبوعہ مصر ' ۱۲۵٦ ہجری ' جلد ۲ صفحہ ۳۸ - ۴۳۷ ۔

(۲۴) جامع الترمذی ' (عربی) جلد اول ' مطبع مجیدی کان پور ' صفحہ ۱۵۴ ۔

لیکن تحفہ الاحوذی شرح جامع ترمذی جلد ۲ میں لکھا ہے کہ بخاری نے اپنی صحیح میں کہا ہے کہ مذکورہ بالا حدیث لفظ ''معتوہ'' کے ساتھ موقوفاً مروی ہے یعنی آنحضرتؐ تک اس قول کی نسبت موجود نہیں۔ حضرت علی کا اپنا قول ہے ۔ لیکن اس کے باوجود ترمذی نے لکھا ہے کہ اہل علم کا عمل اسی پر ہے کہ معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔[۲۵] ہمارے خیال میں غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق مجنون کے سلسلے میں محولہ بالا حدیث میں ''عن المجنون حتی یعقل اویفیق'' کے الفاظ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ''معتوہ'' مراد لیا ہے اور اس لیے ابن ماجہ نے ان احادیث کو باب ''طلاق المعتوہ'' کے زیر عنوان بیان کیا ہے ۔[۲۶]

بہرحال یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ معتوہ (آوارۂ عقل) کی طلاق واقع نہیں ہوتی ۔

عراق کا قانون :

عراق کے قانون الاحوال الشخصیہ کے تحت بھی معتوہ کی طلاق کو غیر واقع قرار دیا گیا ہے ۔[۲۷]

تجویز

بعض اوقات شرعی مصالح کے پیش نظر ایک پاگل شخص کی بیوی کو طلاق دینا جانا ضروری ہو جاتا ہے فرض کر لیجیے کہ پاگل شخص کی زوجہ آبرو باختہ ہو جائے یا کسی اور بناء پر اس عورت کا اپنے پاگل شوہر کے نکاح میں رہنا قرین مصلحت نہ ہو لہٰذا اس امر کا اختیار مجنوں کے ولی کو دیا جانا چاہیے کہ وہ عدالت سے اجازت حاصل کرنے

---

(۲۵) جامع الترمذی ' (عربی) جلد اول ' مطبع مجیدی کان پور ' صفحہ ۱۵۴ ۔

(۲۶) سنن ابن ماجہ ' مطبوعہ لکھنو ' جلد اول صفحہ ۱۴۸ و اصح المطابع کراچی ' صفحہ ۱۴۷ ۔

(۲۷) قانون نمبر ۱۸۸ بابت ۱۹۵۹ء ' دفعہ ۳۵ (۱) ۔

پر زیر ولایت مجنون (پاگل) کی زوجہ کو طلاق دے سکے بشرطیکہ طلاق مجنون کے مفاد میں ہو ۔ چنانچہ سنن دار قطنی میں ایسے آثار موجود ہیں جن میں ایسی حالت میں مجنون کے ولی کا طلاق دیا جانا مروی ہے ۔[۲۸]

(۴) مغشی (جس شخص پر غشی طاری ہو) کی طلاق :

مغشی کا لفظ غشیٌ سے مشتق ہے جو محرّک اور حسّی قوتوں کے تعطّل کا نام ہے ۔ غشی ایک بے اختیار نیند کے مانند ہے جو بالعموم ضعف قلب کے سبب طاری ہوتی ہے ۔ چونکہ ایسی حالت میں انسان کا دل و دماغ اپنے قابو میں نہیں ہوتا اس لیے اس شخص کو احکام شرع کا مکلّف قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ بنا بریں مغشی کی طلاق بالاتفاق واقع نہیں ہوتی ۔[۲۹]

(۵) مدہوش کی طلاق :

مدہوش کا لفظ "دھش" سے مشتق ہے اور اس کے معنی "ذاھب العقل" کے ہیں یعنی وہ شخص جس کی عقل جاتی رہے ۔ فقہی اصطلاح میں مدہوش وہ شخص کہلاتا ہے جو کسی صدمہ، مصیبت یا اچانک حادثہ (غم ناک واقعہ یا خوف ناک خبر کے معلوم ہونے) کے سبب عقل کھو بیٹھے ۔ قانون حقوق العائلة، اردن کی دفعہ ۶۸ کے تحت

---

(۲۸) عن عمرو بن شعیب عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قال وجد فی کتاب عمر رضی اللہ عنہ اذا ماعبث طلق عنه ولیه یعنی المجنون............و عن عمرو بن شعیب قال : وجدنا فی کتاب عبداللہ بن عمرو اذا عبث المجنون بامراته طلق عنه ولیه وعن عمرو بن شعیب قال وجدنا فی کتاب عبداللہ بن عمر و عن عمر بن الخطاب قال اذا عبث المعتوه بامرأته امرو لیه ان یطلق" ۔ (سنن دار قطنی، مطبوعہ دہلی، ۱۳۱۰ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۴۵۳) ۔

(۲۹) بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۸۷ ہجری) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۱۰۰ ۔

ردالمحتار، ابن عابدین، (۱۲۵۲ ہجری) مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ہجری، جلد ۲، صفحات ۳۸ - ۴۳۷ ۔

بحرالرائق، ابن نجیم، ۹۷۰ ہجری، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۲۶۸ ۔

مدہوش اس شخص کو کہا گیا ہے جو اپنی قوت تمیز غصے یا کسی دیگر سبب سے کھو بیٹھے اور جو کہتا ہو اس کو سمجھ نہ سکے۔[30]

مدہوش کا ذہن ماؤف ہو جاتا ہے اور قوت فکر زائل ہو جاتی ہے اس لیے وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے وقتی طور پر محروم ہونے کے سبب اپنے قول و فعل پر اختیار نہیں رکھتا۔ بناء بریں مدہوش کی طلاق بالاتفاق واقع نہیں ہوتی۔[31]

ممالک عراق، مراکش، اردن، شام کے قانون کے تحت بھی مدہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔[32]

(۶) خوابیدہ (سوئے ہوئے) کی طلاق :

نائم (سوئے ہوئے شخص) کی طلاق بالاتفاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ اس کا کلام معتبر نہیں ہوتا۔[33]

---

(۳۰) "المدھوش ھوالذی فقد تمیزہ من غضب او غیرہ فلا یدری ما یقول" (دفعہ ۶۸ قانون حقوق العائلہ اردن)۔

(۳۱) بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۸۷ ھجری) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ھجری، جلد ۳، صفحہ ۱۰۰۔
ردالمحتار مع درالمختار، ابن عابدین (۱۲۵۲ ھجری) مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ھ جلد ۲، صفحات ۳۸ - ۴۳۷۔
بحرالرائق، ابن نجیم ۹۷۰ ھجری، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ھجری، جلد ۳، صفحہ ۲۶۸۔

(۳۲) قانون الاحوال الشخصیہ، عراق، دفعہ ۳۵۔
قانون مراکش، فصل ۴۹۔
قانون حقوق العائلۃ الاردنی، دفعہ ۶۸۔
قانون الاحوال الشخصیۃ، سوریہ، دفعہ ۸۹۔

(۳۳) "ومنھا ان لا یکون معتوھا ولا مدھوشا ولا مبرسما ولا مغمی علیہ ولا نائما فلا یقع طلاق ھولاء ما قلنا فی المجنون۔" بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۸۷ ھجری) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ھجری، جلد ۳، صفحہ ۱۰۰)۔
ردالمحتار مع درالمختار، ابن عابدین (۱۲۵۲ ھجری)، مطبوعہ مصر ۱۲۵۶ھ جلد ۲، صفحہ ۴۳۸۔
فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کان پور، جلد دوم صفحہ ۱۴۴۔
جوہرہ، بحوالہ غایۃ الاوطار (اردو ترجمہ درالمختار)، مطبوعہ اول کشور لکھنؤ جلد ۲، صفحہ ۹۵۔

اس حکم شرعی کی بنیاد ''رفع القلم'' والی حدیث پر ہے جس کے تحت سونے والا شخص تاوقتیکہ وہ جاگ نہ جائے احکام شرعی کی ذمہ داری سے بری قرار دیا گیا ہے۔[۳۴]

اگر ایک شخص نے بحالت خواب اپنی بیوی کو طلاق دی۔ اس کے بیدار ہونے کے بعد کسی نے اس سے کہا کہ تونے نیند کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دی ہے۔ یہ سننے کے بعد اس شخص نے اس طلاق کو بحال رکھا اور کہا کہ میں نے اس طلاق کو جائز رکھا یا واقع کیا تو وہ طلاق واقع نہ ہوگی، بشرطیکہ ضمیر (pronoun) کا استعمال کیا ہو۔ کیونکہ اس شخص نے ایسے کلام یعنی طلاق بحالت خواب پر انحصار کیا جو غیر معتبر ہے لیکن اگر اس شخص نے ضمیر کی جگہ اسم اشارہ استعمال کرتے ہوئے اس طرح کہا کہ یہ طلاق میں نے واقع کی تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ واقع ہونے والی طلاق، طلاق نوم نہیں ہے۔[۳۵] مقصد یہ ہے کہ طلاق از سر نو ہو۔

(۷ و ۸) سرسام زدہ اور مغمیٰ علیہ کی طلاق :

بعض اوقات کسی مرض کے سبب دیوانوں جیسی حالت ہو جاتی ہے۔ مثلاً سرسام۔ حنانچہ سرسام زدہ شخص کی طلاق بالاتفاق واقع نہیں

---

(۳۴) سنن نسائی، مطبع مجتبائی دھلی ۱۹۱۹ع، جلد ۲، صفحہ ۱۰۳۔
سنن ابن ماجہ، مطبوعہ، لکھنو، جلد اول، صفحہ ۱۴۸۔

(۳۵) بحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ ھجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ھجری، جلد ۳، صفحات ۶۹ - ۲۶۸۔
ردالمحتار مع درالمختار، ابن عابدین (۱۲۵۲ ھجری)، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ھ، جلد ۲، صفحہ ۴۳۸۔
فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبوعہ مطبع مجیدی کان پور، صفحہ ۱۴۴۔
حاشیۃالطحاوی، بحوالہ غایۃالاوطار، (اردو ترجمہ درالمختار) مطبوعہ نول کشور لکھنو، جلد ۲، صفحہ ۹۶۔

ہوتی۔[۳۶] کیونکہ مبرسم (جس شخص کو سرسام ہوگیا ہو) کو صحیح العقل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ اس وقت اس کی مثال ایک مجنون یا معتوہ غیر مسلسل کی سی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات قلب و دماغ پر ایسی کیفیت وارد ہو جاتی ہے کہ قوت مدرکہ اپنا کام چھوڑ دیتی ہے۔ ایسے شخص کو فقہی اصطلاح میں مغمیٰ علیہ کہا جاتا ہے۔ ایسے شخص کی دی ہوئی طلاق بھی واقع نہیں ہوتی۔[۳۷]

عراق کا قانون:

عراق میں بھی ایسے شخص کی طلاق کو غیر واقع قرار دیا گیا ہے جو کسی مصیبت یا کبرسنی یا مرض کے سبب اپنی قوت تمیز کھو بیٹھے۔[۳۸]

طلاق بحالت نشہ

۱۰۳۔ (۱) نشے کی حالت میں دی جانے والی طلاق واقع نہ ہوگی خواہ وہ نشہ حرام شے کے استعمال سے پیدا ہوا ہو۔

مگر لازم ہے کہ طلاق دینے والے کی عقل نشے کے سبب معطّل ہوگئی ہو اور وہ هذیان بکنے لگا ہو۔

---

(۳۶) ردالمحتار مع درالمختار' ابن عابدین (۱۲۵۲ھ)' مطبوعہ مصر' ۱۲۵۶ هجری جلد ۲' صفحات ۳۸ - ۳۳۷ -
بحرالرائق' ابن نجیم (۹۷۰ هجری) مطبوعہ مصر' ۱۳۱۱ هجری' جلد ۳' صفحہ ۲۶۸ -
بدائع الصنائع' امام کاسانی' (۵۸۷ هجری) مطبوعہ مصر' ۱۳۲۸ هجری' جلد ۳' صفحات ۱۰۰ - ۹۹ -

(۳۷) ردالمحتار مع درالمختار' ابن عابدین (۱۲۵۲ هجری)' مطبوعہ مصر' ۱۲۵۶ھ جلد ۲' صفحات ۳۸ - ۳۳۷ -
بحرالرائق' ابن نجیم (۹۷۰ هجری)' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۱ هجری' جلد ۳' صفحہ ۲۶۸ -
بدائع الصنائع' امام کاسانی (۵۸۷ هجری)' مطبوعہ مصر' ۱۳۲۸ هجری' جلد ۳' صفحات ۹۹ - ۱۰۰ -
فتح القدیر' ابن ہمام (۸۶۱ هجری)' مطبوعہ مصر' ۱۳۵۶ هجری' جلد ۳' صفحہ ۳۸ -

(۳۸) قانون الاحوال الشخصیہ' عراق نمبر ۱۸۸' مجریہ ۱۹۵۹ع' دفعہ ۳۵ -

توضیح : (۱) اگر کسی شخص کو نشہ آور شے بالجبر استعمال کرائی گئی اور وہ شخص اس نشے کی حالت میں اپنی زوجہ کو طلاق دے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

(۲) اگر کوئی شخص بلا علم نشہ آور شے استعمال کرے اور اس نشے کی حالت میں اپنی زوجہ کو طلاق دے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

تشریح

عربی زبان میں نشہ کے لیے ''سکر'' کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے فقہی معنی میں ''سکر'' سے نشہ کی وہ کیفیت مراد ہے جس میں نفع و نقصان کی تمیز نہ کی جا سکے۔

جو شخص نشہ کی حالت میں ہوتا ہے اسے ''سکران'' کہتے ہیں اور جو طلاق مخمور شخص دیتا ہے اس کو ''طلاق السکران'' کہتے ہیں۔

سکران کی تعریف :

فقہاء حنفیہ نے سکران کی تعریف دو طرح بیان کی ہے۔ ایک یہ کہ ''السکران ھو الذی لا یفرق بین الارض والسماء ولا بین الرجل والمراۃ''[۳۹] یعنی سکران وہ شخص ہے جو زمین و آسمان اور مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں کر سکتا۔ دوسری تعریف یہ ہے کہ ''السکر سرور یغلب علی العقل فیھذی فی کلامہ'' یعنی نشہ ایک سرور کا نام ہے جو عقل پر غالب آ جائے اور وہ (شخص مخمور) اپنے کلام میں (مغلوب العقل ہونے کی وجہ سے) ھذیان بکنے لگے۔[۴۰] پہلی تعریف امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب

---

(۳۹) بحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۲۶۶۔
فتح القدیر، ابن ہمام (۸۶۱ ہجری) ۱۳۵۶ ہجری جلد ۳ صفحہ ۴۰۔

(۴۰) ردالمحتار مع درالمختار، ابن عابدین (۱۲۵۲ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ہجری جلد ۲، صفحہ ۴۳۴۔

ہے اور دوسری تعریف صاحبین کی طرف منسوب ہے ۔ ائمہ ثلاثہ کے اقوال بھی صاحبین کی طرف منسوب تعریف کے مطابق ہیں اور یہی تعریف متاخرین علماء نے بھی پسند کی ہے ۔[۳۱]

طلاق بحالت نشہ کے وقوع میں اختلاف :

نشہ کی حالت میں دی جانےوالی طلاق کے وقوع میں ائمہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے ۔

احناف کی رائے :

امام ابو حنیفہ ، صاحبین اور دیگر حنفی فقہاء کا یہ نقطۂ نظر ہے کہ حالت نشہ میں ، جو حرام شے سے ہو اور اپنی مرضی سے نشہ حاصل کرنے اور اس سے لذت اٹھانے کے لیے استعمال کیا گیا ہو ، طلاق دیے جانے کی صورت میں طلاق پڑ جائے گی ۔ امام علاء الدین کاسانی نے اپنی مشہور کتاب '' بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع '' میں لکھا ہے کہ '' اگر سکران (جو شخص نشہ میں ہو) نے اپنی زوجہ کو طلاق دی جب کہ نشہ کسی ممنوع شے سے ہوا ہو ۔ مثلاً شراب یا نبیذ اپنی خواہش سے پی ، نشہ ہو گیا اور اس کی عقل زائل ہو گئی اور ایسی حالت میں اس نے اپنی زوجہ کو طلاق دی تو عام علماء اور صحابہ کے نزدیک وہ طلاق واقع ہو جائے گی ۔[۳۲] یہی مسلک سعید ابن المسیب ، عطاء ، مجاہد ، حسن بصری ، ابن سیرین ، نخعی ، میمون ابن مہران ، حکم ، ثوری ، اوزاعی ، ابن شبرمہ اور سلیمان ابن حرب حضرات کا ہے ۔ نیز

---

(۳۱) ردالمحتار مع درالمختار ، ابن عابدین (۱۲۵۲ ہجری) ، مطبوعہ مصر ، ۱۲۵۶ ہجری جلد ۲ ، کتاب الطلاق صفحہ ۴۳۴ ۔

(۳۲) فتح القدیر ، ابن ہمام (۸۶۱ ہجری) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۴۱ ۔

مجمع الانہر ، داماد آفندی ، (۱۰۷۸ ہجری) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۷ ہجری ، جلد ۱ صفحہ ۳۸۴ ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ' معاویہ اور ابن عباس کا بھی ایک قول طلاق سکران کے واقع ہو جانے کی تائید میں مروی ہے۔[۴۴] لیکن حضرت عثمان کے نزدیک بحالت نشہ طلاق واقع نہ ہوگی۔[۴۳] حنفیوں میں امام طحاوی اور کرخی بھی طلاق بحالت نشہ کے وقوع کے قائل نہیں ہیں۔[۴۵]

ائمۂ ثلاثہ کی رائے:

امام مالک کے نزدیک حالت نشہ میں طلاق واقع نہ ہو گی۔[۴۶] عدم وقوع کے طلاق بحالت نشہ کے بارے میں امام شافعی کا بھی ایک قول ملتا ہے لیکن امام شافعی کا آخری قول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ طلاق سکران واقع ہو جاتی ہے۔[۴۷]

امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی طلاق بحالت نشہ واقع نہیں ہوتی جب وہ شخص نشہ میں اس قدر دُھت ہو کہ نیک و بد میں تمیز

---

(۴۳) المغنی ' ابن قدامہ مقدسی (۶۲۰ ہجری) ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۴۷ ہجری ' جلد ۷ ' صفحہ ۱۱۵۔
فتح القدیر ' ابن ہمام ' ۸۶۱ ہجری ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۵۶ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۳۰۔

(۴۴) المغنی ' ابن قدامہ مقدسی (۶۲۰ ہجری) ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۴۷ ہجری ' جلد ۷ ' صفحہ ۱۱۵۔

(۴۵) بدائع الصنائع ' امام کاسانی (۵۸۷ ہجری) ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۲۸ ہجری ' جلد ۳ صفحہ ۹۹۔
فتح القدیر ' ابن ہمام ' (۸۶۱ ہجری) ' مطبوعہ مصر ' ۱۲۵۶ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۳۱۔

(۴۶) بدائع الصنائع ' امام کاسانی ' (۵۸۷ ہجری) ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۲۸ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۹۹۔
فتح القدیر ' ابن ہمام ' (۸۶۱ ہجری) ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۵۶ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۳۱۔

(۴۷) درالمختار بر حاشیہ ردالمحتار ' علاءالدین حصکفی ' (۱۰۸۸ ہجری) ' مطبوعہ مصر ' ۱۲۵۶ ہجری ' جلد ۲ ' صفحہ ۴۳۵۔
بدائع الصنائع ' امام کاسانی ' (۵۸۷ ہجری) ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۲۸ ہجری ' جلد ۳ صفحہ ۹۹۔

نہ کر سکے ۔[۴۸]

ظاہریہ اور جعفریہ فرقوں کے علماء بھی وقوع طلاق کے بحالت نشہ کے قائل نہیں ہیں ۔[۴۹]

امام ابن تیمیہ طلاق بحالت نشہ کے عدم وقوع کے قائل ہیں ۔[۵۰] اور ان کے شاگرد حافظ ابن القیم بھی ۔[۵۱]

البتہ زیدیہ فرقہ کے علماء طلاق بحالت نشہ کے وقوع کے قائل ہیں ۔ خواہ (نشہ کے سبب) اس شخص کی عقل زائل ہو گئی ہو ، لیکن جب کہ شراب اس شخص کے لیے حلال ہو گئی ہو (مثلاً دوا کے طور پر) تو شخص مخمور کی طلاق واقع نہ ہوگی ۔[۵۲]

امام شافعی ، طحاوی اور کرخی کی طرف سے عدم وقوع طلاق بحالت نشہ کے ثبوت میں حسب ذیل دلیلیں بیان کی جاتی ہیں :-

(۱) ایک یہ کہ شراب پینے سے دماغ ماؤف ہو جاتا ہے جس کے سبب انسان کی عقل زائل ہو جاتی ہے چنانچہ جس طرح پاگل آدمی اور بچے کی طلاق عدم عقل کے سبب واقع نہیں ہوتی اسی طرح شرابی کی بھی واقع نہ ہونی چاہیے ۔

---

(۴۸) المغنی ، ابن قدامہ مقدسی ، (۶۲۰ ہجری) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۴۷ ہجری ، جلد ۷ ، صفحات ۱۱۵ - ۱۱۶ ۔

(۴۹) ظاہریہ : "و طلاق السکران غیر لازم" المحلیٰ ابن حزم (۴۵۶ ہجری) قاہرہ ۱۳۵۲ ہجری ، جلد ۱۰ ۔

جعفریہ : "فان طلق الرجل امرائة وھو زائل العقل بالسکر اوالجنون وما اشبہان کان طلاقہ غیر واقع ۔" السرائر ، شیخ محمد ادریس ، مطبوعہ ایران ، صفحہ ۲۳۷ ۔

(۵۰) الاختیارات العلمیہ ، ابن تیمیہ ، صفحہ ۱۵۰ ۔

(۵۱) زادالمعاد ، ابن قیم ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۶۹ ہجری ، جلد ۴ ، صفحہ ۴۰ ۔

(۵۲) "وان السکران ولو کان زائل العقل فان طلاقہ واقع فی الاصح ۔ وھو قول الجمہور من العلماء اذا ابیح لہ الخمر لایقع طلاقہ" المنتزع المختار ، شیخ عبداللہ بن مفتاح (۸۷۷ ہجری) قاہرہ ، ۱۳۳۲ ہجری ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۸۲ ۔

(۲) بنج کے نشے سے طلاق واقع نہیں ہوتی حالانکہ دونوں کا اثر ایک ہی ہوتا ہے۔

(۳) یہ کہ بحالت نشہ ارتداد جائز نہیں تو طلاق کا عدم نفاذ بدرجہ اولیٰ ہوگا۔[۵۳]

(۴) اس کی حالت سونے والے کی حالت سے بھی بد تر ہوتی ہے کیوں کہ سونے والا بیدار کرنے پر ہوش میں آ جاتا ہے بخلاف نشے والے کے۔[۵۴]

احناف ان دلائل کے یہ جوابات دیتے ہیں:-

(۱) بچے کے فی نفسہ احکام شرع کے مکلّف نہ ہونے کے سبب سکران کے فعل کو اس پر قیاس کرنا درست نہیں۔ بچہ نے کسی حرام فعل کا ارتکاب نہیں کیا اس لیے اس کی طلاق نافذ نہ ہوگی۔

(۲) بنج کا استعمال حرام نہیں اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی (''بنج'' کا لفظ عربی میں ''بنگ'' سے بنایا گیا ہے۔ اور بنگ خراسانی اجواین کو کہتے ہیں اردو زبان میں جو شے ''بھنگ'' کہلاتی ہے وہ اس ''بنج'' سے مختلف چیز ہے' جیسا کہ غیاث اللغات میں لکھا ہے)

(۳) کسی حرام شے کے استعمال سے نشے کی حالت میں وقوع طلاق کا قول سزا کے طور پر ہے اور ارتداد اس سے مختلف امر ہے۔ ایک مسلمان کو اسلام پر باقی تصور کرنا اس کے حق میں مفید

---

(۵۳) "وجه قولهم ان عقله زائل والعقل من شرائط اهليت التصرف (لحاظ كرنا) ولهذا لايقع طلاق المجنون والصبى الذى لايعقل والذى زال عقله بالبنج والدواء كذا هذا والدليل عليه انه لا تقع ردته فلان لا يصح طلاقه اولى۔"
بدائع الصنائع' امام کاسانی' (۵۸۷ هجری)' مطبوعه مصر' ۱۳۲۸ هجری' جلد ۳' صفحه ۹۹۔
درالمختار بر حاشیه ردالمحتار' علاءالدین حصکفی (۱۰۸۸ هجری)' مطبوعه مصر' ۱۲۵۲ هجری' جلد ۲' صفحه ۴۳۵۔

(۵۴) فتح القدیر' ابن همام' ۸۶۱ هجری' مطبوعه مصر' ۱۲۵۶ هجری' جلد ۳' صفحه ۴۰۔

ہوتا ہے نہ کہ کافر بنا دینا ۔ اور سزا دنیا اس موقعہ پر ہی زیادہ مناسب ہوتا ہے جہاں انسان کی طبیعت میں اس کے فعل کا داعی کثیر الوجود ہو جیسا کہ (برخلاف ارتداد کے) شراب کا استعمال ، کیوں کہ نہ یہ طبعی طور پر مقتضی ہے اور نہ کثیر الوجود ۔ نیز نشے کی حالت میں عقل کا زوال حقیقی ہوتا ہے اور عقل کی بقا فرضی (یعنی زجر کے لیے) لہذا اسلام کے حق میں اس کی بقاء کے لیے عقل کے حقیقی زوال کا اعتبار کیا جائے گا اور اسلام کو باقی تصور کیا جائے گا کیوں کہ ''الاسلام یعلوا ولا یعلی علیہ ۔''[۵۵]

علماء کا وہ گروہ جو طلاق بحالت نشہ کے واقع ہونے کا مخالف ہے اس میں حنفیوں میں امام طحاوی اور کرخی کے علاوہ ربیعہ بن عبد الرحمن ، لیث بن سعد ، اسحاق ابن راھویہ بھی شامل ہیں ۔ شافعی علماء میں بھی اکثر علماء طلاق بحالت نشہ کے قائل نہیں ہیں ۔ شافعیوں میں ابن شریح اور ابوثور کے نام قابل ذکر ہیں ۔ نیز ابن عباس[۵۶] ابی الشعثاء ، طاؤس ، عکرمہ ، قاسم بن محمد اورعمر ابن العزیز کا نقطۂ نظر بھی یہی بیان کیا جاتا ہے ۔[۵۷] امام احمد بن حنبل کے اس مسئلہ میں دو قول بیان کیے

---

(۵۵) بدائع الصنائع ، امام کاسانی ، (۵۸۷ ہجری) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ہجری ، جلد ۳ ، صفحات ۱۰۰-۹۹ ۔
فتح القدیر ، ابن ہمام ، (۸٦۱ ہجری) مطبوعہ مصر ، ۱۲۵٦ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۰ ۔

(۵٦) صحیح بخاری ، جلد ۲ ، صفحہ ۷۹۳ ۔
فتح القدر ، ابن ہمام ، (۸٦۱ ہجری) مطبوعہ مصر ، ۱۳۵٦ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۰ ۔

(۵۷) مدونۃ الکبری ، امام سحنون ۔
زاد المعاد ، ابن قیم (۷۵۱ ہجری) مطبوعہ مصر ، ۱۳٦۹ ہجری جلد ۳ ، صفحہ ۳۰ ۔
فتح القدیر ، ابن ہمام ، (۸٦۱ ہجری) مطبوعہ مصر ، ۱۳۵٦ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۰ ۔

جاتے ہیں - اول یہ کہ طلاق واقع ہوگی اور دوسرا یہ کہ طلاق واقع نہ ہوگی - حنبلیوں میں سے ابوبکر خلال نے پہلے قول کو پسند کیا ہے جب کہ ابوبکر عبدالعزیز نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے - دوسرا قول حنبلیوں میں راجح معلوم ہوتا ہے -[۵۸]

طلاق بحالت نشہ کے عدم وقوع کے دلائل :

وہ اصحاب جو حالت نشہ میں دی ہوئی طلاق کے واقع نہ ہونے کے قائل ہیں اپنے نقطہ نظر کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جس وقت طلاق دی گئی اس وقت مرد کی عقل زائل ہو چکی تھی اور چونکہ عقل معاملات میں تصرف کرنے کی اہلیت کی شرط ہے اور اس وقت عقل نہیں پائی گئی اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی - جیسا کہ عدم عقل کی بناء پر مجنون (lunatic) اور بچے کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی -[۵۹]

شیعہ علماء کا نقطۂ نظر :

شیعہ علماء بھی اس نقطۂ نظر کے حامل ہیں کہ بحالت نشہ طلاق واقع نہیں ہوتی وہ بھی یہی دلیل اختیار کرتے ہیں کہ نشہ عقل کو زائل کر دیتا ہے اور اس شخص کی قوت تمیز ختم کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ مرد تصرف کرنے کی قوت و ارادہ سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کا حال ایک سوئے ہوئے شخص کی مانند ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ، کیونکہ سوئے ہوئے شخص کو اگر کوئی جگائے تو وہ جاگ اٹھتا ہے لیکن نشہ پی کر جو شخص بدمست ہوا ہو اس کو کوئی ہوش میں نہیں لا سکتا جب تک کہ اس کا نشہ ہی نہ

---

(۵۸) المغنی، ابن قدامہ مقدسی (۶۲۰ ہجری) مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۱۱۵ -

(۵۹) بدائع الصنائع ، امام کاسانی ، (۵۸۷ ہجری) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۹۹ -
بحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ ہجری) مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۳ ، صفحہ ۲۶۶ -

اتر جائے ۔[60]

متاخرین کا نقطۂ نظر :

علماء متاخرین میں ایک طبقہ اس نقطۂ نظر کا حامل ہے کہ اگر نشہ کسی جائز شے سے ہوا ہو یا دوا سے ہوا ہو یا اس مرد کو نشہ (سکر) جبراً کرایا گیا ہو تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی اور اس کا تصرف بالطلاق باطل قرار پائے گا ۔[61]

جبریہ نشہ کی صورت میں :

امام کاسانی نے اکراہ علی الشرب (حرام نشہ آور شے پینے پر جبر) کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے[62] کہ اگر کوئی شخص نشہ آور حرام شے پینے پر مجبور کیا جائے تو اس پر حد جاری نہ ہوگی بشرطے کہ اکراہ تام ہو یعنی جان جائے یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا غالب احتمال ہو چونکہ شرعی حد گناہ کی سزا دینے کے لیے مقرر کی گئی ہے اور جو شراب (وغیرہ) جبراً پلائی گئی اس کے پینے سے گناہ کا ارتکاب نہیں ہوا اس لیے اس کا پینا معصیت نہیں رہا ۔ لیکن اگر اکراہ (جبر) ناقص ہو یعنی قید وغیرہ کا خطرہ ہو تو حد شرعی واجب ہو جائے گی کیونکہ اکراہ ناقص سے فعل کے لزوم میں فرق واقع نہیں ہوتا ۔ لیکن

---

(۶۰) شرائع الاسلام ' نجم الدین جعفر ' (۶۷۶ ہجری) مطبوعہ تہران ' القسم الثالث ' کتاب الطلاق ' صفحہ ۲۰۵ ۔

(۶۱) "والحاصل ان السکر بسبب مباح کمن اکرہ علی شرب الخمر والا شربۃ الاربعۃ المحرمۃ اواضطر لایقع طلاقہ" فتح القدیر : ابن ہمام ' (۸۶۱ ہجری) مطبوعہ مصر ' ۱۳۵۶ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۳۱ ۔
درالمختار مع ردالمحتار ' ۲۵۲ ہجری ابن عابدین ' مطبوعہ مصر ' ۱۲۵۶ ہجری ' جلد ۲ ' صفحہ ۴۳۵ ۔
ہدایہ اولین (عربی) برہان الدین مرغینانی ' ۵۹۳ ہجری مطبوعہ مصر ' دہلی جلد ۲ صفحہ ۳۳۸ ۔
فتاوی عالمگیری ' (عربی) ' مطبع مجیدی کان پور ' صفحہ ۱۴۵ ۔

(۶۲) بدائع الصنائع ' امام کاسانی ' ۵۸۷ ہجری مطبوعہ مصر ' ۱۳۶۸ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۱۷۶ ۔

بحرالرائق کے مصنف ابن نجیم نے لکھا ہے کہ حرام نشہ آور شے کے استعمال سے خواہ وہ شے بحالت اکراہ یا اضطرار ہی کیوں نہ استعمال کی گئی ہو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔[۶۳] اور قاضی خان نے لکھا ہے کہ حالت اضطرار و اکراہ میں طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ جبر یا اضطرار کی حالت میں شراب پینے سے حد واجب نہ ہوگی اس لیے طلاق بھی واقع نہ ہوگی اور مخمور شخص کا تصرف غیر نافذ ہوگا۔[۶۴] اسی نقطۂ نظر کو شیخ ابن ہمام نے اپنی کتاب شرح فتح القدیر میں اختیار کیا ہے اور یہی نقطۂ نظر راجح ہے۔[۶۵]

چنانچہ احناف کے نزدیک اگر نشہ حرام شے سے ہوا ہو اور وہ نشہ آور شے بلا کسی جبر و اکراہ کے حصول لذت کے طور پر استعمال کی گئی ہو تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی ۔ یہ امر اس کے لیے بطور سزا کے ہے چونکہ اس نے حرام شے استعمال کرکے معصیت کا ارتکاب کیا ، اس لیے بطور سزا اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہوجائے گی۔ حلال شے کے استعمال سے یا دوا کے استعمال سے نشہ ہو جانے کی حالت میں دی ہوئی طلاق کے واقع نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ دوا حرام نہیں ہے لہذا ایسی شے کے استعمال سے نشہ ہو جانے کی صورت میں دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ ایسی شے کا استعمال معصیت نہیں ہے۔[۶۶]

---

(۶۳) بحرالرائق، ابن نجیم، ۹۷۰ ہجری مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۲۶۶۔

(۶۴) "والصحیح نہ کما لایلزمہ الجد لایقع طلاقہ ولاینفذ تصرفہ" (فتاوی قاضی خان، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ جلد ۲ صفحہ ۲۱۹)۔

(۶۵) فتح القدیر ، ابن ہمام ، (۸۶۱ ہجری) مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۱ ۔

(۶۶) ردالمحتار مع درالمختار ، ابن عابدین ، (۱۲۵۲ ہجری) مطبوعہ مصر ، ۱۲۵۶ ہجری ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۵-۱۳۴ ۔
بدائع الصنائع ، امام کاسانی ، (۵۸۷ ہجری) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۷۶ ۔
فتح القدیر ، ابن ہمام ، (۸۶۱ ہجری) مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۱-۳۰ ۔

حافظ ابن القیم کی رائے :

حافظ ابن القیم نے اپنی کتاب زاد المعاد، جلد ۴، صفحات ۴۰ و ۴۱ پر بحالت نشہ طلاق کے عدم وقوع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن پاک میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے کہ جب تک نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ (یعنی نماز نہ پڑھو) یہاں تک کہ تم جان جاؤ جو تم کہتے ہو۔[67] اس آیت کے ذریعہ یہ ثابت ہوا کہ جو شخص نشے میں ہو اس کا قول غیر معتبر ہوتا ہے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کیا کہہ رہا ہے۔ نیز حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے منہ کی بو سونگھنے کا حکم دیا جو زنا کا اقرار کر رہا تھا تاکہ اس کے قول کو پرکھا جا سکے کہ وہ صحیح کہہ رہا ہے یا غلط۔ نیز صحیح بخاری میں حضرت حمزہ کے قصے کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت حمزہ نے حضرت علی کی دو اونٹنیوں کو کاٹ ڈالا تو نبی صلعم آئے اور حضرت حمزہ کے پاس کھڑے ہو گئے تاکہ انہیں ملامت کریں۔ حضرت حمزہ نے اپنی نگاہ اوپر اٹھائی اور پھر جھکا لی۔ اس وقت وہ نشے میں تھے اور پھر حضور صلعم سے کہا تم میرے باپ کے غلام ہو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم الٹے پاؤں پیچھے ہٹ گئے۔ ابن القیم کہتے ہیں کہ اگر یہ قول کسی ایسے شخص نے کہا ہوتا جو نشے میں نہ ہوتا تو وہ قول ارتداد اور کفر کا موجب ہوتا مگر حضرت حمزہ سے اس پر کوئی مواخذہ نہیں کیا گیا۔[68]

ابن القیم ان صحابہ اور تابعین اور فقہاء محدثین کا بھی ذکر کرتے ہیں جن کے نزدیک طلاق سکران واقع نہیں ہوتی اور آخر میں ان

---

(۶۷) " یا ایھاالذین آمنوا لا تقربو الصلوۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ماتقولون " (سورۃ النساء آیت ۴۳)

(۶۸) حافظ ابن قیمؒ کو یہاں مغالطہ ہوا ہے یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب شراب کے حرام ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ (مؤلف)

دلائل کو بیان کرتے ہیں جو طلاق بحالت نشہ کے سلسلے میں دیے جاتے ہیں اور پھر ایک ایک کرکے ان دلائل کے جوابات دیتے ہیں ! چنانچہ ابن القیم لکھتے ہیں کہ جن اصحاب کے نزدیک طلاق بحالت نشہ واقع ہو جاتی ہے ان کی حسب ذیل سات دلیلیں ہیں :

طلاق بحالت نشہ کے وقوع کے سات دلائل :

(۱) نشے کی حالت میں چونکہ آدمی شرعی احکام کا مکلّف رہتا ہے لہٰذا اس کی طلاق بھی اسی طرح معتبر ہوگی جس طرح قصور وار ہونے کی صورت میں اسے اس قصور کی شرعی سزا دی جائے گی۔

(۲) نشے کی حالت میں دی ہوئی طلاق سزا کے طور پر معتبر سمجھی جائے گی۔

(۳) طلاق دینے کے بعد طلاق کا واقع ہونا "بلحاظ احکام بالاسباب" کی قبیل سے ہے یعنی سبب پائے جانے کی صورت میں اس پر اثر مرتب کیا جانا ضروری ہے۔ لہٰذا نشے کی حالت طلاق کے واقع ہونے کو نہیں روک سکتی۔

(۴) صحابۂ کرام کی رائے میں شخص مخمور کا کلام اس طرح معتبر ہے جیسے ایک سلیم العقل باہوش و حواس انسان کا۔ صحابہ کرام کا قول ہے کہ جب وہ پئے گا تو نشے کی حالت طاری ہو جائے گی اور جب وہ نشے سے سرشار ہو جائے گا تو ہذیان بکنے لگے گا اور جب وہ ہذیان بکنے لگے گا تو دوسروں پر جھوٹی تہمتیں لگائے گا اور اس پر حد جاری ہوگی اور حدقذف ۸۰ درے ہے۔

(۵) حدیث میں ہے کہ "لاقیلولۃ فی الطلاق" یعنی (طلاق میں ٹھہراؤ نہیں) یعنی وہ واقع ہو جاتی ہے۔

(۶) حدیث میں ہے ''کل طلاق جائز الا طلاق المعتوہ'' یعنی معتوہ (آوارۂ عقل) کے سوا ہر شخص کی طلاق معتبر ہے۔ لہذا طلاق بحالت نشہ بھی معتبر ہے۔

(۷) صحابہ ایسی طلاق کو معتبر سمجھتے تھے۔ چنانچہ ابوعبیدہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نشے کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی معاملہ حضرت عمر کے پاس پہنچا ۔ چار عورتوں نے طلاق کی شہادت دی اور حضرت عمر نے زوجین میں تفریق کرادی ۔ نیز امیر معاویہ نے بھی طلاق مخمور کو جائز قرار دیا ہے۔

مذکورہ بالا دلائل کا رد :

ابن القیم ان دلائل کا فرداً فرداً جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان دلائل میں سے کوئی ایک بھی اس قابل نہیں جو طلاق مخمور کے وقوع کے لیے حجت بن سکے :

(۱) جہاں تک پہلی دلیل کا تعلق ہے کہ مخمور شخص بھی احکام شرعی کا مکلّف ہے، یہ دلیل باطل ہے کیونکہ اس امر میں اجماع ہے کہ احکام شرع کا مکلف وہ شخص ہے جو صاحب عقل ہو ۔ جو شخص یہ نہیں سمجھتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، احکام شرع کا مکلّف نہیں ہوسکتا ۔ اور اگر وہ مکلّف ہے تو اس وقت بھی اس کی دی ہوئی طلاق واقع قرار دی جانی چاہیے جب کہ اس کو شراب پینے پر مجبور کیا جائے یا وہ یہ جانے بغیر پی لے کہ وہ جس شے کو پی رہا ہے شراب ہے، حالانکہ جو اصحاب نشے کی حالت میں طلاق کے واقع ہو جانے کے قائل ہیں ان کے نزدیک ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی جب

کہ وہ شخص شراب پینے پر مجبور کیا گیا ہو یا اس شخص نے لاعلمی میں شراب پی لی ہو ۔ نیز یہ استدلال کہ مخمور شخص کا قول معتبر سمجھا جائے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ قول اس شخص کا معتبر ہوگا جو اس قول کو سمجھتا ہے یا صحیح العقل شخص کا قول مانا جائے گا ۔ لیکن جو شخص نہیں سمجھتا اس کو نہ کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور نہ باز رہنے کا ۔ نیز جہاں تک بحالت نشہ دوسرے قصوروں پر سزا دینے کے مسئلہ کا تعلق ہے تو یہ مسئلہ نزاعی ہے اس لیے طلاق سکران کے واقع ہو جانے کے لیے بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا ۔

(۲) دوسری دلیل کہ طلاق کے وقوع کا حکم بطور سزا کے ہے ابن القیم کہتے ہیں کہ یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ سزا کے طور پر طلاق کو نافذ قرار دیکر طلاق کیوں کر واقع کی جاسکتی ہے؟ بلکہ سزا کے لیے صرف شراب کی حد شرعی کافی ہے ۔ ہمیں بطور سزا طلاق کو نافذ قرار دے کر سزا دینے کا شرعاً حق حاصل نہیں ہے ۔

(۳) یہ دلیل کہ طلاق کا واقع کرنا اسی طرح ہے جیسے احکام کا تعلق اسباب کے ساتھ ہوتا ہے ، اس لیے صحیح نہیں کہی جا سکتی کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اگر کسی شخص کو جبراً نشہ پلا دیا جائے تو اس کی طلاق بھی نافذ سمجھی جائے گی یا اگر اسے معلوم نہ ہو کہ جو چیز وہ پی رہا ہے شراب ہے تو ایسے شخص کی طلاق بھی نافذ قرار دی جانی چاہیے حالانکہ کسی کے نزدیک بھی اس کی طلاق معتبر نہیں اور اس

اس کا کوئی بھی قائل نہیں کہ ایسی صورت میں مخمور آدمی کی طلاق سبب ہے اور طلاق کا حکم اس سبب سے وابستہ ہوگا۔

(۴) یہ قول کہ صحابہ نے شخص مخمور کو صحیح العقل کا درجہ دیا، درست نہیں۔ ابو محمد بن حزم نے اس خبر کو جھوٹی خبر کہا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس خبر میں تناقص پایا جاتا ہے جو اس کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ اس خبر میں هذیان بکنے والے پر حد لگائی جا رہی ہے حالانکہ شرعاً هذیان بکنے والے پر حد نہیں ہے۔[۶۹]

(۵) "لاقیلوۃ فی الطلاق" ابن القیم کے نزدیک اول تو صحیح نہیں اور اگر صحیح تسلیم بھی کرلی جائے تو اس کو اس شخص کی طلاق پر محمول کیا جائے گا جو مکلف با ہوش و حواس ہو، نہ کہ وہ شخص جو کچھ سمجھتا ہی نہیں۔ اور اسی بناء پر اس حدیث کے تحت مجنون، سرسام زدہ اور بچے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(۶) "کل طلاق جائز الاطلاق المعتوہ" ابن قیم کے نزدیک یہ بھی اسی طرح ہے کہ اول تو صحیح نہیں اور اگر صحیح مان لی جائے تو اس قول کو اس شخص کی طلاق پر محمول کیا جائے گا جو مکلف ہے۔ نیز یہ کہ سکران وہ شخص ہے جو نہیں سمجھتا یا وہ معتوہ ہو یا جو اس سے ملحق ہو اس کے حکم میں آتا ہے بلکہ ایک گروہ اس بات کا مدعی ہے کہ

---

(۶۹) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں مغالطہ ہوا ہے۔ حد هذیان کی بناء پر نہیں بلکہ افترا یعنی قذف کی بناء پر ہے۔ حضرت عمر نے شراب کی سزا چالیس دروں سے بڑھا کر اسی درے کر دی تھی جس سے ثابت ہوتا ہے صحابہ کے نزدیک بحالت نشہ قذف قابل اعتبار اور قابل سزا ہے بنابریں طلاق بحالت سکران بھی قابل اعتبار اور قابل نفاذ سمجھی گئی۔ (مؤلف)

''سکران'' (شخص مخمور) معتوہ ہے کیونکہ لغت میں معتوہ اس شخص کو کہتے ہیں جو آوارۂ عقل ہو اور جو نہ سمجھتا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے (اور ظاہر ہے کہ شخص مخمور بھی عقل کھو بیٹھتا ہے اور نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے) ۔

(۷) آخری دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام اس طلاق کو واقع کرتے ہیں ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مخمور کی طلاق کے بارے میں صحابہ کا عمل مختلف رہا ہے ۔ حضرت عثمان مخمور کی طلاق کو معتبر نہ سمجھتے تھے جب کہ حضرت عمر اور حضرت معاویہ اس مسئلہ میں حضرت عثمان کے مخالف رائے رکھتے تھے ۔"[۷۰]

تجزیہ :

چنانچہ بحالت نشہ طلاق کے وقوع یا عدم وقوع کی بحث میں تین نقطہ ہائے نظر سامنے آتے ہیں :

(۱) بحالت نشہ طلاق واقع ہو جاتی ہے بشرطیکہ وہ نشہ حرام شے سے ہوا ہو ۔

(۲) بحالت نشہ طلاق واقع نہیں ہوتی اگر حرام نشہ آور شے کا استعمال جبراً کرایا گیا ہو ۔

(۳) بحالت نشہ طلاق واقع نہیں ہوتی خواہ وہ نشہ حرام شے سے ہوا ہو ۔

پہلا نقطہ نظر :

پہلے نقطۂ نظر کی بنیاد اصلاً حرام شے کے استعمال پر ہے نہ کہ نشہ آور شے کے استعمال اور نشہ کی حالت پر ۔ اسی بناء پر جائز شے یا دوا

---

(۷۰) زاد المعاد ، ابن القیم ، (۷۵۱ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۹ ہجری، جلد ۴ ، صفحات ۴۱-۴۰ ۔

کے استعمال سے اگر نشہ ہو جائے تو ایسی حالت میں طلاق کے عدم وقوع کا حکم دیا جاتا ہے۔

دوسرا نقطۂ نظر:

دوسرا نقطۂ نظر حرام شے کے مطلق استعمال یا نشے کی کیفیت کے مقابلے میں متعلقہ شخص کے اختیار یا عدم اختیار پر قایم ہے اور حرام شے سے نشہ کی صورت میں جبکہ وہ نشہ حرام شے سے ہو مگر جبراً استعمال کرایا گیا ہو یا کیا گیا ہو، طلاق کے واقع نہ ہونے کا حکم بطور ایک استثناء کے پیش کرتا ہے۔

تیسرا نقطۂ نظر:

تیسرے نقطۂ نظر کی بنیاد نشے کے استعمال کے اثرات پر قائم ہے چنانچہ اس کیفیت و حالت کے سبب جو نشہ آور شے کے استعمال سے پیدا ہوتی ہے (خواہ وہ کیفیت حرام شے ہی سے کیوں نہ پیدا ہوئی ہو) طلاق کے واقع ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا۔

نتیجۂ فکر:

جب اہم ان مختلف نقطۂ ہائے نظر کا جائزہ لیتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حرام شے کے استعمال کے سبب بمنزلہ سزا طلاق کو واقع قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حرام شے (مثلاً شراب) کا استعمال بجائے خود ایک جرم ہے جس کی شرعی حد علیحدہ مقرر ہے اس لیے سزا کے طور طلاق کو واقع کرنے کا نظریہ ادلّۂ شرعیہ (قرآن و سنت اور اجماع صحابہ) سے ثابت نہیں اور محض قیاس کی بنیاد پر ایک ثابت شدہ اور قطعی شرعی حکم کی حیثیت سے درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ اس حکم کے پس پردہ وہ تاریخی عوامل کارفرما نظر آتے ہیں جو اس وقت مسلم معاشرے پر اثر انداز

ہو رہے تھے ۔[۷۱]

چنانچہ جن فقہاء نے طلاق سکران کے وقوع کے فتوے دئے انہوں نے مخمور کو ہوشیار شخص کا درجہ دیا نیز ان کے پیش نظر شراب کے استعمال کی کثرت کو روکنا تھا جس کو ایک سماجی ردّعمل کہا جا سکتا ہے ورنہ اختلاف صحابہ کی موجودگی میں حتمی طور پر بحالت نشہ طلاق واقع ہونے کا حکم کیوں کر لگایا جا سکتا ہے ؟

دراصل بحالت نشہ طلاق واقع ہونے یا نہ ہونے کا دار و مدار اس حالت اور کیفیت پر ہونا چاہیے جس میں طلاق کا فعل سرزد ہو ۔ حالت اور کیفیت کے اعتبار سے امام ابو حنیفہ کا خیال ہے کہ وہ شخص نشہ کے سبب زمین و آسمان میں فرق نہ کر سکے جب کہ صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد) کے نزدیک وہ شخص اس قدر نشہ میں ہو کہ اس کی عقل معطل ہو جائے اور ہذیان بکنے لگے ۔[۷۲] چنانچہ اگرچہ نشہ ہلکا ہو اور وہ شخص اپنے افعال کے اثرات کو محسوس کر سکتا ہو تو طلاق نافذ قرار دی جانی چاہیے لیکن اگر وہ اس قدر بدمست ہے کہ اسے گرد و پیش کا ہوش نہیں تو طلاق نافذ نہ ہونی چاہیے لہذا بحالت نشہ وقوع طلاق کے مسئلہ کو نشے کی مذکورہ بالا حالتوں میں دیکھنا چاہیے اور طلاق کے واقع قرار دیے جانے کے مسئلہ کا فیصلہ معاملہ کی

---

(۷۱) بزازیہ میں لکھا ہے کہ " ہمارے زمانے میں یہ ضروری ہے کہ شراب کے استعمال پر سزا دی جائے اس لیے طلاق کو واقع قرار دیا جانا چاہیے ۔"
غایة الاوطار (اردو ترجمہ در المختار) حصکفی (۱۰۸۸ ھ) مطبوعہ نولکشور لکھنئو ' جلد دوم ' باب طلاق السکران ۔

(۷۲) ابن ہمام نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا قول سزا کے لیے اور صاحبین کا قول طلاق کے لیے مفتی بہ ہے ۔ (فتح القدیر' ابن ہمام ' (۸۶۱ ہجری) ' مطبوعہ مصر ' ۱۲۵۶ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۱۴) ۔
ردالمحتار مع درالمختار ابن عابدین (۱۲۵۲ ہجری) ' مطبوعہ مصر ' ۱۲۵۶ ھ ' جلد ۳ ' صفحہ ۹۹ ۔

نوعیت اور نشے کی حالت کے پیش نظر طے کیا جانا چاہیے جیسا کہ مذکورہ بالا دفعہ میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

اسلامی ممالک میں طلاق مخمور کے بارے میں قانون :

۱۔ **مصر :** مصر میں قانون نمبر ۲۵ مجریہ ، ۱۹۲۹ع کے نفاذ سے قبل عدالتیں طلاق بحالت نشہ کے واقع ہونے کا حکم جاری کر کیا کرتی تھیں لیکن قانون نمبر ۲۵ مجریہ ۱۹۲۹ع کے نافذ ہونے کے بعد سے طلاق بحالت نشہ کو غیر واقع قرار دیا گیا ہے ۔[۷۳]

۲۔ **عراق :** عراق کی عدالتوں میں بھی قانون نمبر ۱۸۸ مجریہ ۱۹۵۹ع کے نافذ ہونے سے قبل پہلی صورت موجود تھی لیکن قانون مذکور کے نافذ ہونے کے بعد عراق میں بھی طلاق سکران (شخص مخمور کی طلاق) کے عدم وقوع کا حکم جاری کیا جاتا ہے ۔[۷۴]

۳۔ **مراکش[۷۵] ، اردن[۷۶] ، شام[۷۷] اور سوڈان :** ان چاروں ممالک میں بھی یہی صورت حال ہے ۔ البتہ مراکش کے قانون میں شخص مخمور کے ساتھ طافع (حد سے زیادہ) کی قید لگا کر غالباً اس امر کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر شخص مخمور کی قوت مدرکہ کام کر رہی ہو اور نیک و بد میں تمیز کر سکتا ہو تو اس کی طلاق واقع قرار دی جائے گی ۔

تجویز

پاکستان میں از روئے فقۂ حنفی ایسی طلاق جو بحالت نشہ دی گئی ہو واقع قرار دی جاتی ہے اور عدالتیں بھی طلاق کے واقع ہو جانے

---

(۷۳) "لایقع طلاق السکران" دفعہ ۱ ۔
(۷۴) "لایقع طلاق السکران" (قانون الاحوال الشخصیہ ، عراق ، نمبر ۱۸۸ ، مجریہ ۱۹۳۹ع ، دفعہ ۳۵ ۔
(۷۵) "لایقع طلاق السکران الطافح" مدونۃالاحوال الشخصیہ ، مراکش ، فصل ۴۹ ۔
(۷۶) "طلاق السکران غیر معتبر" قانون الحقوق العائلہ ، اردن ، دفعہ ۶۸ ۔
(۷۷) "لا یقع طلاق السکران" قانون الاحوال الشخصیۃ ، شام ، ۱۹۵۳ع ، دفعہ ۸۵ ۔

کا حکم صادر کرتی ہیں لیکن بحث ھذا کی روشنی میں ضرورت ہے کہ طلاق بحالت نشہ کے سلسلے میں مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں قانون سازی کی جائے۔ چنانچہ وہ طلاق جو نشے کی حالت میں دی گئی ہے صرف اسی صورت میں غیر واقع قرار دی جانی چاہیے جب کہ نشہ اس حد کو پہونچا ہوا ہو کہ وہ شخص یہ نہ جانتا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ کہ اس کی قوت مدرکہ مفقود ہوگئی ہو لیکن اگر اس شخص کو یہ علم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے خواہ اس وقت نشہ کی حالت میں ہو، تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع قرار دی جانی چاہیے۔

طلاق بحالت مرض الموت

۱۰۴- مرض الموت کی حالت میں، یا ایسی حالت میں جس میں مرنے کا امکان غالب ہو، دی جانے والی طلاق باغراض وراثت موثر نہ ہوگی بشرطیکہ شوہر اسی مرض میں انتقال کر جائے درآں حالیکہ زوجہ عدت میں ہو۔

تشریح

مرض الموت کی حالت میں طلاق کے احکام کا ذکر نہ قرآن پاک میں موجود ہے اور نہ سنت نبوی میں، البتہ چند صحابہ کے آثار و فتاویٰ میں اس کا ذکر ملتا ہے نیز فقہاء نے ان آثار اور فتاویٰ سے احکام اخذ کرتے ہوئے مسئلہ کی تفصیلات مرتب کرنے میں قیاس سے بھی کام لیا ہے۔

مرض الموت کی تعریف اور شرائط:

مجلة الاحکام العدلیہ کی دفعہ ۱۵۹۵ میں مرض الموت کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ "وہ مرض جس میں موت کا خوف غالب ہوتا ہے اور مریض جب کہ مرد ہو تو مرض کی موجودگی میں مکان سے باہر اپنے کاروبار کے سلسلے میں باہر نکلنے سے عاجز ہو اور اگر

مریض عورت ہو تو گھر کے کام کاج سے عاجز ہو نیز یہ کہ اسی حالت میں ایک سال گزرنے سے پہلے انتقال کر جائے، بلا امتیاز اس کے کہ وہ صاحب فراش ہو یا نہ، اور اگر اس کا مرض طول پکڑ جائے اور ایک سال گزر جائے درآں حالیکہ مرض ایک حالت پر قایم ہو تو وہ شخص تندرست کے حکم میں ہو گا اور اس کے تصرفات ایک تندرست شخص کے تصرفات کے مانند ہوں گے - جس شخص کے مرض نے نہ شدت پکڑی ہو اور نہ اس کی حالت تبدیل ہوئی ہو، لیکن اگر اس کا مرض شدت پکڑ جائے اور اس کی حالت بدل جائے درآں حالیکہ ایک سال نہیں گزرا تو حالت بدل جانے کے وقت سے وفات تک اس کے حال کا اعتبار بطور مرض الموت کے کیا جائے گا"[78]

کتب فقہ میں طلاق بحالت مرض الموت کو اس حالت سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں ہلاکت کا غالب امکان یا خوف پایا جاتا ہو اور مرد عورت کو طلاق دے کر عورت کے ورثہ سے بھاگنا چاہتا ہو -[79]

بزازیہ میں لکھا ہے کہ مرض الموت کی تعریف یہ ہے اس میں ہلاکت کا امکان غیر مرض سے زیادہ ہو اور بیماری نے اتنا عاجز کر رکھا ہو کہ وہ مرد اس بناء پر اپنے معاملات کے سلسلے میں گھر سے باہر نہ جا سکتا ہو - اور ضروری کاروبار انجام نہ دے سکتا ہو عورت کے حق میں حد مرض یہ ہے کہ وہ گھر کا کام کاج کرنے سے معذور ہو جائے -[80]

---

(۷۸) مجلہ میں بیان شدہ یہ تعریف مالی معاملات سے متعلق ہے، اس کا اطلاق مناکحات کے باب میں نہیں کیا جاتا - (مؤلف)

(۷۹) "الحالة التی یصیر بہا الرجل فاراً بالطلاق ...مایغلب فیہا الہلاک ای خوفہ" مجمع الانہر، داماد آفندی، (۱۰۷۸ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۹ ہجری، جلد ۳، باب الطلاق المریض، صفحہ ۳۲۷ -

(۸۰) غایۃ الاوطار (اردو ترجمہ درالمختار) علاء الدین حصکفی (۱۰۸۸ ہجری) مطبوعہ نول کشور لکھنو، جلد ۲، صفحہ ۱۵۵ -
مجمع الانہر، داماد آفندی (۱۰۷۸ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۹ ہجری، باب الطلاق المریض، جلد ۱، صفحہ ۳۲۸ -

مرض الموت کی شرائط :

(۱) مرض میں موت کا غالب امکان موجود ہو ۔

(۲) مریض کے دماغ میں اس مرض سے مر جانے کا خدشہ ہو ۔[81]

(۳) مرض کے سبب مرد یا عورت اپنے عام امور کو انجام دینے کی قدرت نہ رکھتے ہوں ۔[82] مثلاً مرد گھر سے باہر نہ نکل سکے اور عورت گھر کے کام کاج سے معذور ہو جائے ۔

مرض الموت کی مدت :

فقہاء نے مرض کی نوعیت کے اعتبار سے مرض کی مدت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سل اور فالج کے امراض ترقی کرتے جائیں تو مرض کی حالت کہی جائے گی لیکن جب مرض ٹھہر جائے یعنی ترقی نہ کرے تو فقہاء کے نزدیک اس کو حالت صحیح کہا جائے گا ۔[83]

مرض الموت میں طلاق رجعی کا اثر میراث پر :

آئمہ اربعہ اور فقہاء کا اس امر میں بالکلیہ اتفاق ہے کہ اگر مریض نے مرض الموت کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی اور جب کہ اس کی بیوی عدت میں تھی وہ فوت ہو گیا تو وہ عورت اپنے شوہر کی وارث ہوگی کیوں کہ طلاق رجعی کے سبب نکاح باقی تھا اور چونکہ

---

(۸۱) مجمع الانہر ، داماد آفندی (۱۰۷۸ ہجری) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۹ ہجری ، باب طلاق المریض ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۲۷ ۔

(۸۲) مجمع الانہر ، داماد آفندی (۱۰۷۸ ہجری) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۹ ہجری ، باب طلاق المریض ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۲۸ ۔
فتح القدیر ، ابن ہمام (۸۶۱ ہجری) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۵۵ ۔

(۸۳) ردالمحتار مع درالمختار ، ابن عابدین (۱۲۵۲ ہجری) ، مطبوعہ مصر ، ۱۲۵۶ھ ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۳۵ ۔
فتح القدیر ، ابن ہمام ، (۸۶۱ ہجری) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۵۵ ۔

نکاح باقی تھا اس لئے زوجین پر نکاح کے احکام مرتب ہوں گے۔[۸۴]

مرض الموت میں طلاق بائن کا اثر میراث پر :

البتہ طلاق بائن کی صورت میں عورت کے میراث پانے کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

حنفیہ مکتبہ فکر :

حنفی مذہب کی رو سے اگر کسی مرد نے مرض الموت کی حالت میں اپنی زوجہ کو طلاق بائن دی اور پھر مرد عورت کی عدت کے دوران اس مرض کی حالت میں مرگیا تو وہ عورت ورثہ کی مستحق ہو گی، خواہ طلاق بائن ہو یا طلاق ثلاثہ۔ لیکن اگر وہ مرد عدت ختم ہونے کے بعد مرا تو وہ عورت وارث نہ ہو گی۔[۸۵]

ابن عباس، ابن المسیب، ابن شبرمہ، اوزاعی، ثوری، ابراھیم نخعی، حماد، لیث، طاؤس اور شریح سے بھی یہی قول مروی ہے۔ اور یہی قول حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔[۸۶]

امام محمد کا قول :

امام محمد اپنی کتاب مؤطا میں امام مالک سے حسب ذیل روایت بیان کرتے ہیں :

" اخبرنا مالک اخبرنا الزہری عن طلحۃ بن عبد اللہ بن عوف ان

---

(۸۴) فتح القدیر، ابن ہمام، (۸۶۱ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۱۵۰۔
شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر (۶۷۶ ہجری)، مطبوعہ تہران القسم الثالث کتاب الطلاق، صفحہ ۲۱۰۔

(۸۵) ردالمحتار مع درالمختار، ابن عابدین (۱۲۵۲ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ھ، جلد ۲، صفحہ ۶۳۵۔
بدایۃ المجتہد، ابن رشد، (۵۹۵ ھ) مطبوعہ مصر، (۱۳۷۹ ہجری جلد ۲، صفحہ ۸۲۔

(۸۶) موطاء، امام محمد، (عربی) کارخانہ تجارت کتب، نور محمد کراچی، باب الطلاق المریض، صفحات ۵۸ - ۲۵۷۔
بحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ ہجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۲۶۶۔

عبد الرحمن ابن عوف طلق امراۃ وھو مریض فورثھا عثمان منہ بعد ما انقضت عدتھا ۔" [۸۷]

یعنی امام محمد الشیبانی فرماتے ھیں کہ خبر دی ھم کو امام مالک نے اور کہا امام مالک نے کہ خبر دی ھم کو امام زھری نے اور وہ روایت کرتے ھیں طلحہ بن عبد اللہ بن عوف سے کہ عبد الرحمن ابن عوف نے اپنی بیوی کو طلاق دی درآن‌حالے‌کہ وہ خود مریض تھے (ان کا انتقال ھو گیا تو) حضرت عثمان نے ان کی بیوی کو ان کا وارث قرار دیا جب کہ اس کی عدت ختم ھو چکی تھی ۔ احناف کے نزدیک اس اثر کا یہ مطلب ھے کہ حضرت عثمان نے وراثت کا فیصلہ عدت گزرنے کے بعد کیا تھا ۔ اس حدیث سے یہ واضح نہیں ھوتا کہ موت عدت گذرنے کے بعد واقع ھوئی تھی ۔ چناں چہ امام محمد مندرجہ بالا روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ھیں کہ ھمارے نزدیک عورت اس وقت وارث قرار دی جائے گی جب کہ وہ عدت میں ھو (اور مرد مر جائے) چنانچہ اگر مرد کی وفات سے پہلے عدت گذر چکی ھو تو وہ عورت وارث نہ ھوگی ۔ امام محمد نے اپنے قول کے ثبوت میں حضرت عمر کا ایک واقعہ بیان کیا ھے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو حالت مرض میں تین طلاقیں دی تھیں ۔ حضرت عمر نے قاضی شریح کو لکھا کہ اگر وہ عورت عدت میں ھو تو اس کو ورثہ دو، اگر عورت کی عدت گزر چکی ھو تو اس عورت کے لیے کوئی ورثہ نہیں ۔ امام محمد لکھتے ھیں کہ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ھے ۔[۸۸]

---

(۸۷) مؤطا ' امام محمد (عربی) ' مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب ' نور محمد کراچی ' باب طلاق المریض ' صفحات ۵۸ - ۲۵۷ -

(۸۸) مؤطا ' امام محمد (عربی) مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب ' نور محمد کراچی ' باب الطلاق المریض ' صفحات ۵۸ - ۲۵۷ -

امام سرخسی کا قول :

شمس الائمہ امام سرخسی اپنی مشہور کتاب ''المبسوط'' میں لکھتے ہیں کہ '' جب مریض نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں یا ایک طلاق بائن دی ، پھر مر گیا جب کہ (زوجہ) عدت میں تھی تو از روئے قیاس وہ عورت ورثے کی مستحق نہ ہوگی لیکن استحساناً وراث ہوگی لیکن ہم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتفاق کے سبب حق وراثت کو پسند کیا (کیوں کہ) قیاس اجماع صحابہ کے سبب ترک کر دیا جاتا ہے ۔[۸۹]

امام مالک کا قول :

امام مالک سے منقول ہے کہ ہر ایک طلاق میں جو مرض کی حالت میں واقع کی گئی ہو عورت میراث پانے کی مستحق ہوگی بشرطے کہ شوہر اسی مرض میں مرا ہو ۔[۹۰]

امام شافعی کے اقوال :

طلاق مریض اور عورت کے میراث پانے کے سلسلے میں امام شافعی کے دو قول بیان کیے جاتے ہیں :

(۱) ایک یہ کہ عورت وارث ہوگی کیوں کہ مرد کی مثال ایک قاتل کی ہے ۔ بناء بریں اس کا فعل اپنے نتیجہ کے اعتبار سے بے اثر رہے گا اور عورت ورثہ سے محروم نہ ہوگی ۔

(۲) دوسرا یہ کہ اگر مرد نے مرض الموت میں طلاق بائن دی اور اسی مرض میں مر گیا تو عورت وارث نہ ہوگی کیونکہ

---

(۸۹) المبسوط ، امام سرخسی (۴۸۲ ھجری) ،طبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ ھجری ، جلد ۶ صفحہ ۵۵ ۔

(۹۰) قال مالک کل طلاق واقع فی المرض فالمیراث للمراءة اذا مات من ذلک المرض و بسبہ کان ذلک لھا (مدونۃ الکبری ، ابن سحنون باب فی خلع المریض ، جلد ۵ ، صفحہ ۳۳) ۔
بدایۃ المجتھد ، ابن رشد (۵۹۵ ھجری) ، مطبوعہ مصر ۱۳۷۹ ھجری ، جلد ۲ ، صفحات ۸۳ - ۸۲ ۔

اس وقت نکاح ختم ہو چکا تھا لہذا ورثہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔[۹۱]

لیکن امام شافعی کا آخری قول عدم توارث کے حق میں بیان کیا جاتا ہے۔ امام شافعی دراصل تصرفات میں عام پہلو کو لیتے ہیں وہ مریض کے مالی تصرفات کو محدود کر دینے کے قائل ہیں کیونکہ وہ تصرفات ورثاء کے حقوق پر اثر انداز ہوتے ہیں لیکن وہ طلاق کو ایک ایسا معاملہ قرار دیتے ہیں جو مرد کے مالی تصرفات سے وابستہ نہیں ہے۔[۹۲]

امام احمد بن حنبل کا نقطۂ نظر:

امام احمد بن حنبل، ابن ابی لیلیٰ، اسحق اور ابی عبید کے نزدیک اگر شوہر اسی مرض میں مرا ہو تو عورت وارث ہوگی خواہ عدت گذر چکی ہو بشرطیکہ اس عورت نے دوسرے مرد سے نکاح نہ کیا ہو۔[۹۳] لیکن امام مالک اور لیث کے نزدیک عورت باوجود نکاح ثانی وارث ہوگی۔[۹۴]

---

(۹۱) المہذب، ابی اسحاق ابراھیم الفیروز اباادی، الشیرانی (۴۷۶ ھجری)، مطبع عیسی البابی، ۱۳۴۳ ھجری جلد ۲، صفحہ ۲۷۔
بدایۃ المجتہد، ابن رشد (۵۹۵ ھجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۹ ھجری، جلد ۲، صفحات ۸۳ - ۸۲۔

(۹۲) حیات ابن حزم، ابو زھرہ، مطبوعہ مصر، (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاھور، ۶۵۳۔

(۹۳) مجمع الانہر، داماد آفندی (۱۰۷۸ ھجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۹ ھجری، جلد ۱ باب طلاق المریض، صفحہ ۴۲۸۔
فتح القدیر، ابن ہمام ۸۶۱ ھجری، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ھجری، جلد ۳، صفحہ ۱۵۰۔
بدایۃ المجتہد، ابن رشد (۵۹۵ ھجری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۹ ھجری، جلد ۲، صفحہ ۸۲۔
"وان ابانہا فی مرض موتہ المخوف متہا بقصد حرمانہا......وعنہ (الامام احمد) ترثہ مالم تزوج۔" المحرر فی الفقہ، مجدالدین ابوالبرکات، (۶۵۲ھ) مطبع السنۃ المحمدیہ، ۱۹۵۰ء، جلد ۱، صفحہ ۴۱۱۔

(۹۴) حاشیۃ المدنی، بحوالہ غایۃ الاوطار (اردو ترجمہ درالمختار)، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ جلد ۲، صفحہ ۱۵۶۔
بدایۃ المجتہد، ابن رشد، (۵۹۵ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۹ ھجری، جلد ۳، صفحہ ۸۳۔

وجۂ اختلاف :

مندرجہ بالا مسئلہ میں امام احمد بن حنبل کی دلیل یہ ہے کہ نکاح ثانی کی صورت میں عورت پہلے خاوند کی میراث حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ وہ (عورت) زوجیت کی بناء پر وارث قرار دی جا سکتی تھی اور اب نکاح ثانی کے سبب دونوں (متوفی مرد اور عورت) کے درمیان ایک اور زوجیت حائل ہو گئی۔ لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بیک وقت دو آدمیوں کی زوجہ ہے۔

امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ طلاق دینے والا عورت کی وراثت سے بھاگنا چاہتا تھا لہذا اس کی بیوی خواہ کسی اور مرد سے نکاح کرلے تب بھی پہلے شوہر کی وارث ہوگی، کیونکہ شوہر اسے ورثہ سے محروم کرنا چاہتا تھا۔ اس کا یہ ارادہ موجب گناہ ہے لہذا اس کی مخالفت کی جائے گی، اور اس عورت کو نکاح ثانی کر لینے کے باوجود پہلے شوہر کا وارث قرار دیا جائے گا۔

شیعہ فرقہ کا مسلک :

شیعہ علماء کے نزدیک اگر شوہر تاریخ طلاق سے ایک سال کے اندر مر جائے تو عورت وارث ہوگی خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن بشرطیکہ اس دوران میں عورت نے دوسرا نکاح نہ کر لیا ہو۔ اگر اس ایک سال کے عرصے میں اس عورت نے دوسرا نکاح کر لیا تو پہلے شوہر سے اس کا حق وراثت ختم ہو جائے گا۔[۹۵]

---

(۹۵) محمڈن لا، سید امیر علی، چھٹا ایڈیشن، ۱۹۶۵ء، جلد دوم، صفحات ۵۴-۳۵۳۔
ڈائجسٹ آف محمڈن لا، بیلی، جلد ۲، صفحات ۴۴-۳۴۳۔
"اذا طلق الرجل امراتہ و ہو مریض فانہا یتوارثان مادامت فی العدۃ فاذا انقضت عدتہا ورثتہ مابینہا و بین سنۃ مالم تتزوج فان تزوجت فلا میراث لہا۔ و اذا زاد علی السنۃ یوم واحد لم یکن لہا میراث ولا فرق فی جمیع ہذہ الاحکام بین ان یکون التطلیقۃ ہی الاولی او الثانیۃ اوالثالثۃ و سواء کان لہ علیہا الرجعۃ اولم یکن فان الوراثۃ ثابتۃ بینہما۔" (السرائر، شیخ محمد ادریس، مطبوعہ ایران، صفحہ ۳۳۷۔

لیکن اگر شوہر اس مرض سے تندرست ہو جائے جس مرض کی حالت میں اس نے عورت کو طلاق دی مگر پھر بیمار پڑ جائے اور مر جائے تو ایسی صورت میں عورت اسی وقت ورثہ کی حقدار ہوگی جب کہ مرض سے تندرستی، پھر بیماری اور وفات سب امور طلاق رجعی کی عدت یعنی تین ماہ میں وقوع پذیر ہو جائیں ۔[۹۶]

ظاہریہ مسلک :

فقہاء ظاہریہ چونکہ تعلیل نصوص کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ غایات و مقاصد کی بناء پر نصوص کی تعیین کے قائل ھیں اس لیے وہ مرض الموت میں گرفتار شخص کے تصرفات کو بحالت صحت تصرفات کی طرح درست تصور کرتے ھیں بشرطے کہ وہ شخص عاقل اور صحیح الحواس ہو ۔ ان کے نزدیک بحالت مرض الموت طلاق بائن کی صورت میں عورت میراث کی مستحق نہیں خواہ طلاق دینے والا عورت کی عدت ھی کے دوران اس مرض کی حالت میں فوت ہو گیا ہو ۔

چنانچہ فقۂ ظاہریہ کے زبردست و پرجوش مبلّغ امام ابن حزم اپنی مشہور کتاب المحلٰی میں لکھتے ھیں کہ ''مریض کی طلاق تندرست آدمی کی طرح ہوتی ہے ۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ۔ مریض اگر تین طلاقیں دے یا تین میں سے آخری طلاق ـــــ ان تمام صورتوں میں عورت وارث نہ ہوگی'' ۔[۹۷]

---

(۹۶) محمڈن لاء، سید امیرعلی، چھٹا ایڈیشن، ۱۹۶۵ع، جلد دوم، صفحات ۴۵۳-۵۴ ۔ ڈائجسٹ آف محمڈن لاء، بیلی، جلد دوم، صفحات ۴۴-۳۴۳ ۔

(۹۷) " وطلاق المریض الطلاق الصحیح، ولافرق مات من ذالک المرض اولم یمت منه فان کان طلاق المریض ثلاثاً اوآخر ثلاث او قبل ان یطأها فمات اوماتت قبل تمام العدة او بعدها، اوکان طلاقا رجعیاً فلم یرتجعها حتی مات اوماتت بعد تمام العدة فلا ترثه فی شی من ذلک کله ولایرثها اصلا ۔"
المحلی، ابن حزم، (۴۵۶ھ) مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۵۲ ھجری، جلد ۱۰، صفحہ ۲۱۸ ۔

امام ابن حزم آگے چل کو لکھتے ھیں :

''صحیح بات یہ ہے کہ جس عورت کو دوران مرض طلاق بتّہ (بائن) دی گئی ھو یا وہ غیر مدخولہ ھو اور اس کو مرض میں طلاق دے دی جائے ان دونوں عورتوں کو ورثہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح وہ عورت جسے مریض نے طلاق رجعی دی ھو اور وہ رجوع سے قبل فوت ھو گیا اس عورت کو بھی ورثہ نہیں ملے گا خواہ مریض علانیہ کہتا ھو کہ اس نے عورت کو ورثہ سے محروم کرنے کے لیے طلاق دی تھی۔ اس میں مریض پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ طلاق خدا کے نزدیک ایک مباح فعل ہے اس سے وراثت منقطع ھو جاتی ہے اور حقوق زوجیت باقی نہیں رہتے۔''[۹۸]

امام ابن حزم اسی اصول کی متابعت میں آگے چل کر لکھتے ھین :

''اگر کسی شخص کو قتل کرنے یا سنگ سار کرنے کے لئے جائز یا ناجائز طور پر کھڑا کیا گیا ھو اور وہ اس حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کی بیوی بھی وارث نہ ھوگی کیوں کہ کسی نص سے ایسے شخص اور دوسرے اشخاص کی طلاق کے مابین فرق و امتیاز واضح نہیں ھوتا۔''[۹۹]

تجزیہ :

آئمہ اربعہ، فرقہ شیعہ اور ظاھریہ مسک کی آراء کا تجزیہ کرتے ھوئے ھم اس نتیجہ پر پہونچتے ھیں کہ فقہاء ظاھریہ اس مسئلہ میں صحابہ کے فتاوی کو نظر انداز کرتے ھیں اور دیگر فقہاء کی یہ دلیل بھی

---

(۹۸) المحلیٰ، ابن حزم، (۴۵۶ھ) مطبوعہ قاھرہ، ۱۳۵۲ ھجری، جلد ۱۰، صفحہ ۲۲۹۔

(۹۹) المحلیٰ، ابن حزم، (۴۵۶ھ) مطبوعہ قاھرہ، ۱۳۵۲ ھجری، جلد ۱۰، صفحہ ۲۲۹۔

درخور اعتنا نہیں سمجھتے کہ طلاق دراصل عورت کو ورثہ سے محروم کرنے کی بناء پر دی گئی ہے کیونکہ ان کے نزیک فقہاء کی یہ رائے باطل بنیاد پر ''تحکم فی الدین'' ہے۔ اس مسئلہ میں ظاہر یہ مسلک کی بنیاد یہ ہے کہ چونکہ مریض کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اس لیے اس کے جملہ اثرات و نتائج خود بہ خود مرتب ہو جائیں گے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر طلاق کے جملہ اثرات و نتائج کو نافذ قرار دینے کے لیے صاحب عقل ہونا ہی ضروری اور کافی ہے۔ تو وہ شخص جس کو سنگ سار کرنے یا قتل کرنے کے لیے لے جایا جا رہا ہو، باوجود عقل رکھنے کے یہ سمجھتا ہو کہ وہ چند لمحوں کا مہمان ہے تو اس عالم میں طلاق دینے کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ طلاق دے کر اپنی زوجہ کو ورثہ سے محروم کرنا چاہتا ہے ؟

احناف اور دیگر ائمہ اور فقہاء جو طلاق مریض کی صورت میں عورت کی میراث کے قائل ہیں ان کے نقطۂ نظر کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ ایسی حالت میں جس میں ہلاکت کا ظن غالب ہو خواہ بیماری سے، خواہ کسی اور بناء پر، شوہر اپنی زوجہ کو طلاق دے کر دراصل عورت کو اس کے حق وراثت سے محروم کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ اس کے مال کی وارث نہ ہو سکے۔ اس بناء پر فقہی اصطلاح میں ایسی طلاق کو ''طلاق الفار'' سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی ایسے شخص کی طلاق جو عورت کی وراثت سے بھاگنا چاہتا ہے اور اسی بناء پر ان کے نزدیک وراثت کے احکام میں ایسی طلاق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

چنانچہ جب یہ ثابت ہو جائے کہ کسی شخص نے مرض الموت میں عورت کی رضا مندی کے بغیر اسے طلاق دی اور وہ طلاق کے وقت سے لے کر شوہر کی وفات تک وارث تھی تو یہ عورت اس کی موت کے

بعد عدت کے دوران اس کی وارث ہو گی۔

فقہاء کی یہ رائے اول تو حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت زید بن ثابت کے اقوال کے مطابق ہے۔ دوسرے اس طرح اس غلط وسیلہ کا سد باب بھی ہوجاتا ہے کہ مرد اپنی زوجہ کو وراثت سے محروم کرسکے اور لوگ اس طرح طلاق کو حکم خداوندی (میراث زوجہ) سے بھاگنے کا ذریعہ بنا لیں۔ خصوصاً جب کہ اس سلسلے میں حضرت عثمان و علی و عمر رضی اللہ عنہم جیسے مجتہدین صحابہ کے آثار موجود ہوں جن کو سنن بیقہی میں امام بیقہی نے باب ''ماجاء فی توریث المبتوتہ فی مرض الموت'' میں روایت کیا ہے۔[100]

خاص نکتہ:

حالت مرض میں طلاق اور وراثت کے احکام کے بارے میں خاص نکتہ یہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ زوال نکاح مرد کی جانب سے ہو یعنی فرقت مرد کی طرف سے ہو اور دوسرے یہ کہ وہ مرض جس میں طلاق دی گئی ہو مرض الموت ہو نیز یہ کہ اہلیت وراثت طلاق سے موت تک باقی رہنی چاہیے۔ چنانچہ اگر عورت نے خود طلاق کی خواہش کی یا خود فرقت حاصل کی تو ایسی صورت میں وہ مرد کی وارث نہ ہو گی اور اس کا حق ساقط متصور ہو گا۔ مثال کے طور پر عورت نے اپنی خواہش سے مرد سے خلع حاصل کیا یا طلاق تفویض کی صورت میں اپنے نفس کو اختیار کر لیا یعنی خود پر طلاق واقع کی تو ایسی صورت میں وہ عورت اس مرد کی وارث نہ ہو گی۔ خواہ شوہر مرض الموت میں مبتلا ہو اور دوران عدت اس مرض الموت میں انتقال کر جائے۔[101]

---

(۱۰۰) سنن بیہقی، امام بیہقی، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۵۳ ھجری، جلد ۷، صفحہ ۳۶۲۔

(۱۰۱) مجمع الانہر، داماد آفندی، (۱۰۷۸ھ) مطبوعہ ۱۳۱۹ ھجری، جلد ۱، صفحہ ۴۲۹۔
فتح القدیر، ابن ہمام، (۸۶۱ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ھجری جلد ۳، صفحہ ۱۵۲۔

ہلاکت کی دوسری اغلب صورتیں :

اسی اصول کی بنیاد پر طلاق مریض کی طرح ایسی طلاق بھی عورت کے حق وراثت کو متاثر نہ کر سکے گی جو ایسی حالت میں دی جائے جس میں ہلاکت کا امکان اغلب موجود ہو مثلاً شیر سے مقابلہ کے وقت، جنگ پر جاتے وقت، چاند کے سفر پر روانہ ہوتے وقت۔[۱۰۲]

مرتد ہو جانے کی صورت میں :

اگرچہ یہ عام اصول ہے کہ اگر کوئی شوہر مرتد ہو جائے تو اس کی زوجہ کی اپنے شوہر سے فرقت واقع ہو جاتی ہے (جو طلاق بائن کے حکم میں ہوتی ہے) ایسی صورت میں زوجہ اپنے شوہر کے ترکہ کی وارث نہیں ہوتی کیونکہ میراث کی منجملہ شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وارث اور مورث ہم مذہب ہوں لیکن فقہاء نے مرتد کو بھی مریض مرض الموت کے حکم میں داخل کیا ہے چنانچہ ایسی صورت میں بھی شوہر کو فار یعنی میراث زوجہ سے بھاگنے والا قرار دیا جائے گا اور عورت میراث کی مستحق ہو گی۔ [۱۰۳] بشرطے کہ زوجہ شوہر کی وفات کے وقت عدت میں ہو۔ (فقہاء کے نزدیک ارتداد حکماً موت ہے اور موت کے وقت وارث کے وجود کا اعتبار کیا جاتا ہے)۔

بحالت مرض الموت اسلامی ممالک میں طلاق کے احکام :

عراق اور شام میں بھی مرض الموت اور ایسی حالت میں جس میں

---

(۱۰۲) اسی قسم کی چند اور صورتیں مجمع الانہر، داماد آفندی، جلد ۱، صفحہ ۴۲۸ میں بھی بیان کی گئی ہیں۔

(۱۰۳) فتح القدیر، ابن ہمام، (۸۶۱ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۱۵۷ و جلد ۴، صفحہ ۳۹۲۔

مجمع الانہر، داماد آفندی، (۱۰۷۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۱۹ ہجری، جلد ۱، صفحہ ۴۲۹۔

ھلاکت کا غالب امکان موجود ھو دی جانے والی طلاق کو باغراض وارثت غیر واقع قرار دیا گیا ھے۔[۱۰۴] مگر عراق کے قانون میں کسی مدت کا تعین نہیں کیا گیا اور نہ ھی کسی شرط کے ساتھ مشروط، یہ صورت نہ صرف تمام مشہور مذاھب فکر سے علیحدہ اور منفرد ھے بلکہ شرعی مصالح کے بھی خلاف ھے۔ اس میں تبدیلی کی ضرورت ھے۔ البتہ شام کے قانون میں یہ صراحت کر دی گئی ھے کہ عورت شوھر کی وفات کے وقت عدت میں ھو اور اس کی اھلیت وراثت باقی ھو جو حنفی مذھب فکر کے مطابق ھے۔

اس ضمن میں حنفی مسلک قرین صواب ھے اور اسی کے مطابق قانون بنانا مناسب ھوگا جیسا کہ دفعہ ھذا میں بیان کیا گیا ھے۔

طلاق مکرہ (شخص مجبور کی طلاق)

۱۰۵۔ طلاق مکرہ (شخص مجبور کی طلاق) واقع نہ ھوگی جب طلاق دینے والے یا اس کے متعلقین کو غیر معمولی ضرر پہونچنے کا حقیقی خطرہ درپیش ھو، مگر لازم ھے کہ طلاق دینے والے شخص کی نیت طلاق دینے کی نہ ھو۔

تشریح

طلاق مکرہ اس شخص کی طلاق کو کہا جاتا ھے جس کو طلاق دینے پر مجبور کیا گیا ھو اور جو بجبر و اکراہ (بحالت مجبوری) طلاق دے۔ عام اصطلاح میں طلاق مکرہ اس طلاق کو کہتے ھیں جو زبردستی اور مجبور کرکے دلائی جائے۔

---

(۱۰۴) "لایقع طلاق ۰۰۰ المریض فی مرض الموت او فی حالۃ یغلب فی مثلھا الھلاک اذا مات فی ذلک المرض اوتلک الحالۃ و ترثہ زوجتہ۔" قانون الاحوال الشخصیہ عراق، نمبر ۱۸۸، مجریہ، ۱۹۵۹ع، دفعہ ۳۵۔
"۰۰۰۰۰ من باشر سبباً من اسباب البینونۃ فی مرض موتہ او فی حالۃ یغلب فی مثلھا الھلاک طائعا بلارضی زوجۃ و مات فی ذلک المرض او فی تلک الحالۃ و المراۃ فی العدۃ فانھا ترث بشرط ان تستمر اھلیتھا للارث من وقت الابانۃ الی الموت" (قانون الاحوال الشخصیہ، شام، دفعہ ۱۱۶)۔

اکراہ (جبر) کی تعریف فقہاء حنفیہ نے یوں کی ہے کہ "جبر کسی شخص کا وہ قول یا فعل ہے جو دوسرے شخص کو اس کی خواہش کے خلاف اس فعل کے کرنے پر مجبور کرے"[۱۰۵] جس کا جبر کرنے والا خواہشمند ہے۔

امام کاسانی نے اپنی مشہور کتاب بدائع الصنائع[۱۰۶] میں اکراہ، اس کی اقسام اور نتائج پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اکراہ کی دو قسمیں ہیں :

(۱) اکراہ تام (مکمل)۔

(۲) اکراہ ناقص (نا مکمل)۔

اکراہ تام :

اکراہ تام وہ ہے جس میں انسان مضطر اور مجبور ہو جاتا ہے اور نتیجتاً اس کی رضا معدوم اور اختیار سلب ہوجاتا ہے۔ مثلاً قتل یاجسم کے کسی عضو کے قطع کرنے کی دھمکی یا ایسی مار کی دھمکی جس سے جان جانے کا خطرہ ہو۔ اکراہ تام کو "اکراہ ملجئی"[۱۰۷] بھی کہا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں ایسا اکراہ جو اس فعل کے کرنے پر مجبور کر دے۔

اکراہ ناقص :

اکراہ ناقص وہ ہے جس میں صرف رضا معدوم ہو جاتی ہے اور اختیار فاسد ہو جاتا ہے نہ کہ معدوم مثلاً ایسی دھمکی دی گئی ہو جس سے جان جانے یا جسم کے کسی عضو کے ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ

---

(۱۰۵) ہدایہ اولین (عربی) برہان الدین مرغینانی (۵۹۳ھ) مطبوعہ دہلی، جلد ۳ صفحہ ۳۴۶۔

(۱۰۶) بدائع الصنائع، امام کاسانی، (۵۸۷ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۷، صفحات ۱۷۵-۸۲۔

(۱۰۷) بحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۸، صفحہ ۸۹۔

نہ ہو مثلاً قید وغیرہ۔[۱۰۸] اس اکراہ کو فقہاء نے "اکراہ غیر ملجئی"[۱۰۹] بھی کہا ہے جس کے معنی ہیں ایسا جبر و اکراہ جو اس فعل کے کرنے پر مضطر و مجبور نہ کر دے۔

شرائط اکراہ:

امام کاسانی نے اکراہ کی دو شرطیں بیان کی ہیں:

(۱) پہلی شرط کا تعلق مجبور کرنے والے شخص سے ہے۔ اور

(۲) دوسری شرط کا تعلق اس شخص سے ہے جس کو مجبور کیا گیا ہو۔

چنانچہ مجبور کرنے والے شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس فعل کے کرنے پر قادر ہو جس کی دھمکی دی گئی ہے اور جس شخص کو مجبور کیا جا رہا ہے اس کو اس امر کا یقین ہو کہ دھمکی دینے والا وہ فعل جس کی دھمکی دی گئی ہے، کر گزرے گا۔ ورنہ اکراہ شرعاً ثابت نہ ہوگا۔ البتہ اگر فعل کی نوعیت ایسی ہو کہ جس میں یقین سے یہ نہ کہا جا سکے کہ دھمکی دینے والا شخص وہ فعل کر گزرے گا تو ظن غالب کا اعتبار کیا جائے گا۔[۱۱۰] جو یقین کے درجہ کا حامل ہونا چاہیے۔

وقوع اکراہ:

امام کاسانی آگے چل کر لکھتے ہیں کہ جن امور پر اکراہ واقع ہوتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں:

---

(۱۰۸) بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۸۷ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۱۷۵۔

(۱۰۹) بحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۸، صفحہ ۸۹۔

(۱۱۰) بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۸۷)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۱۷۶۔

(۱) تصرفات حسّی - (۲) تصرفات شرعی -

تصرّفات حسّی کی قسمیں :

جہاں تک ان امور کا تعلق ہے جو تصرفات حسّی[۱۱۱] کی تعریف میں داخل ہیں ان کے احکام کی دو قسمیں ہیں :

(۱) آخروی حکم (ان کا تعلق احکام آخرت سے ہے)

(۲) دنیوی حکم (ان کا تعلق احکام دنیا سے ہے)

اخروی احکام :

اخروی احکام کی بھی تین قسمیں ہیں :

(۱) مباح - (۲) مرخّص - (۳) حرام -

مباح :

مباح میں وہ امور شامل ہیں جن کا ارتکاب اکراہ تام کے سبب حالت اضطراب میں مباح ہو جائے۔ مثلاً انتہائی شدت کی بھوک میں جب کہ جان جانے کا خوف ہو حرام شے مثلاً مردار گوشت کا کھا لینا - چنانچہ اگر ایسی حالت میں کوئی شخص نہ کھائے اور مر جائے تو اس کی موت خود کشی کے مترادف ہوگی اور وہ شخص آخرت میں مواخذہ دار ہوگا -[۱۱۲] لیکن اگر اکراہ ناقص ہو تو ایسا کرنا جائز نہ ہوگا -

مرخّص :

مرخص میں وہ افعال داخل ہیں جس کی شرع نے کرنے یا نہ کرنے دونوں کی اجازت دی ہے - مثلاً اگر کوئی شخص اکراہ تام کی صورت میں کلمۂ کفر زبان سے نکالے مگر دل ایمان پر قائم اور مطمئن ہو تو ایسی صورت میں وہ شخص خواہ وہ فعل کرے یا نہ کرے، شرعاً مواخذہ دار نہ ہوگا - البتہ اس کا نہ کرنا بہتر ہے چنانچہ اگر

---

(۱۱۱) بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۸۷ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۱۷۶ -

(۱۱۲) یہاں مباح کی اصطلاح اس معنی میں استعمال کی گئی ہے کہ وہ فعل نہ صرف جائز اور حلال بلکہ واجب کے درجہ میں ہے اور اس کا نہ کرنا موجب گناہ ہے -

کوئی مسلمان اکراہ تام کے باوجود کلمۂ کفر زبان سے نہ نکالے اور قتل کر دیا جائے تو عند اللہ ماجور ہوگا یعنی اللہ کے ہاں اجر پائے گا کیونکہ اس نے اپنے نفس کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا ۔ اللہ تعالیٰ اس کو مجاہدین بالنفس کا ثواب عطا فرمائے گا ۔[۱۱۳]

حرام :

حرام میں وہ افعال داخل ہیں جن کے کرنے کی شرع نے کسی حال میں اجازت نہیں دی مثلاً مسلمان کو ناحق قتل کرنا ، خواہ اکراہ تام ہو یا ناقص ہو ۔ کیونکہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو ناحق قتل کرنا کسی حال میں جائز نہیں ۔[۱۱۴] (یہی اصول عضو کے قطع کرنے یا مہلک ضرب پہونچانے کے لیے بھی ہے) ۔

دنیاوی حکم :

تصرفات حسّی کی دوسری قسم جس کا تعلق امور دنیا سے ہے اس کی بھی تین قسمیں ہیں :

(۱) الاکراہ علی الشرب (حرام نشہ آور شے پینے کے لیے جبر) ۔
(۲) الاکراہ علی اتلاف المال الغیر (کسی دوسرے کا مال برباد کرنے کے لیے جبر) ۔
(۳) اکراہ علی القتل (قتل کرنے کے لیے جبر) ۔

الاکراہ علی الشرب :

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نشہ آور شے پینے پر مجبور

---

(۱۱۳) اس اصول کی بنیاد آیت قرآنی "من کفر باللہ من بعد ایمانہ الامن اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدراً فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم" اور حدیث نبوی "من قتل مجبراً فی نفسہ فھو فی ظل العرش یوم القیامۃ ۔" اور عمار بن یاسر والے واقعہ پر قائم ہے (ملاحظہ ہو حوالہ ۱۵۲)

(۱۱۴) اس اصول کی بنیاد آیت قرآنی "ولا تقتلو النفس التی حرم اللہ الا بالحق" ۔ پر قائم ہے ۔
بدائع الصنائع ، امام کاسانی (۵۸۷ھ) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ہجری ، جلد ۷ ، صفحہ ۱۷۷ ۔

کیا جائے تو اس پر حد جاری نہ ہوگی بشرطیکہ اکراہ تام ہو ۔[۱۱۵] لیکن اگر اکراہ (جبر) ناقص ہو تو حد شرعی واجب ہو جائے گی ، کیونکہ اکراہ ناقص سے فعل کے وجوب حرمت میں فرق واقع نہیں ہوتا ۔

الاکراہ علی اتلاف المال الغیر :

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا مال تلف کرنے پر مجبور کیا جائے تو مال تلف کرانے والے پر تاوان واجب ہوگا۔ اور شخص مجبور جس نے تلف کیا ہے بری الذمہ قرار پائے گا بشرطیکہ اکراہ تام ہو لیکن اگر اکراہ ناقص ہو تو مال تلف کرنے کی ذمہ داری خود شخص مجبور پر عائد ہو گی کیونکہ اکراہ ناقص کے سبب اس کا اختیار اصلاً سلب نہیں ہوا تھا اور اس کو محض آلہ تصور نہیں کیا جا سکتا ۔[۱۱۶]

الاکراہ علی القتل :

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو کسی تیسرے شخص کے قتل پر مجبور کرے چنانچہ اگر اکراہ تام ہو اور ایک شخص دوسرے شخص کو قتل کر دے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر قصاص واجب نہ ہوگا مگر مجبور کرنے والے شخص سے قصاص لیا جائے گا لیکن امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اُن دونوں میں سے کسی پر قصاص واجب نہ ہوگا بلکہ مجبور کرنے والے شخص سے خون بہا (دیت) لیا جائے گا ۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مجبور شخص سے قصاص لیا جائے گا نہ کہ مجبور کرنے والے شخص سے ، جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں سے قصاص لیا جائے گا ۔[۱۱۷]

---

(۱۱۵) بدائع الصنائع ، امام کاسانی (۵۸۷ھ) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ہجری ، جلد ۷ ، صفحہ ۱۷۸ ۔

(۱۱۶) بدائع الصنائع ، امام کاسانی (۵۸۷ھ) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ہجری ، جلد ۷ ، صفحہ ۱۷۹ ۔

(۱۱۷) ائمہ کے اقوال کے وجوہ اور دلائل کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بدائع الصنائع امام کاسانی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ہجری ، جلد ۷ ، صفحہ ۱۷۹ ۔

تصرّفات شرعی :

تصرفات حسّی کے مقابلے میں افعال کی دوسری قسم تصرّفات شرعی کہلاتی ہے۔ یہ قسم انسان کے ان افعال سے بحث کرتی ہے جو انسان کے کر لینے سے شرعاً اس پر لازم ہو جاتے ہیں مثلاً نکاح، طلاق، رجعت، ظہار، ایلاء، عتاق وغیرہ۔

امام کاسانی نے تصرفات حسّی میں اکراہ تام اور اکراہ ناقص کے لحاظ سے انسانی افعال کے اثرات و نتائج کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے (یعنی اگر فعل کے کرنے میں اکراہ تام پایا جائے تو وہ فعل اپنے نتائج کے اعتبار سے بے اثر رہے گا اور اگر اکراہ ناقص ہو تو اس فعل کا اثر فاعل پر مرتب ہو گا)۔ لیکن اثرات و نتائج کے لحاظ سے افعال کی یہ تفریق افعال شرعی میں روا نہیں رکھی گئی۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ افعال حسّی کا تعلق ''عقیدہ'' سے ہے جب کہ افعال شرعی کا ''تعلق'' قول سے ہے۔ چنانچہ اکراہ علی الطلاق پر بحث کرتے ہوئے امام کاسانی لکھتے ہیں کہ طلاق کا تعلق ان امور سے ہے جن کے انعقاد کے لیے ''رضا'' کی ضرورت نہیں اور اکراہ کی صورت میں جو کچھ لازم آتا ہے وہ یہ ہے کہ ''مکرہ'' (شخص مجبور) کی رضا معدوم ہو جاتی ہے لیکن ''رضا'' کے معدوم ہونے سے وقوع طلاق پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔[۱۱۸]

چنانچہ حنفیوں کے نزدیک طلاق مکرہ واقع ہو جاتی ہے خواہ شوہر مجبور ہو، کیونکہ ان کے نزدیک اختیار طلاق کے واقع ہونے کے لیے شرط کی حیثیت نہیں رکھتا۔[۱۱۹] اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین

---

(۱۱۸) بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۸۷ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۱۸۲۔

(۱۱۹) ''واما کون الزوج طائعاً فلیس بشرط عند اصحابنا و عندالشافعی شرط حتی یقع طلاق المکرہ عندنا و عندہ لا یقع''۔
بدائع الصنائع، امام کاسانی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۱۰۰۔

میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے نیز تابعین میں سے شعبی، نخعی، زہری، ابن مسیب اور امام ثوری بھی اس مسئلہ میں حنفیہ سے متفق ہیں ۔[۱۲۰] المغنی میں ابن قدامہ مقدسی نے ابوقلابہ، زہری او شریح کو بھی اس مسئلہ میں حنفیہ سے متفق لکھا ہے ۔[۱۲۱]

لیکن امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی ۔[۱۲۲] امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق مکرہ اس صورت میں واقع نہ ہو گی جب کہ شخص مجبور پر اکراہ ناحق ہو ۔ چنانچہ اگر طلاق سے کوئی شرعی حق متعلق تھا اور اس وجہ سے اس پر جبر کیا گیا تو ایسی صورت میں طلاق مکرہ واقع ہو جائے گی ۔ مثلاً ایک شخص نے اپنی زوجہ سے ایلاء کیا اور اس کی مدت انتظار گزر گئی ۔ شرعاً شوہر کو طلاق دے دینی چاہیے لیکن اگر وہ طلاق نہیں دیتا اور ایسی صورت میں حاکم نے اس شوہر پر جبر کر کے طلاق دلوائی تو طلاق واقع ہو جائے گی ۔[۱۲۳]

نیز امام مالک کے متعلق یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ طلاق مکرہ اس وقت واقع ہو جائے گی جب کہ دینے والے نے طلاق دینے کی نیت کی ہو کیونکہ طلاق دینے کی نیت اس جبر سے بالکل جدا ہے جس کے زیر اثر

---

(۱۲۰) جوہرالنقی، ابن الترکمانی (۷۴۵ھ)، بر حاشیہ السنن الکبری، جلد ۷، صفحہ ۳۵۸ ۔

(۱۲۱) المغنی، ابن قدامہ (۶۲۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۱۱۸ ۔

(۱۲۲) مالکیہ : "اما من اکرہ علی الطلاق فلا یلزمہ شیئ" (شرح الخرشی، جلد ۳، صفحہ ۱۸۴) ۔
شافعیۃ : ولا یقع طلاق مکرہ (مغنی المحتاج جلد ۳، صفحہ ۲۸۹) ۔
حنبلیۃ : ومن اکرہ علی الطلاق لم یلزمہ (المغنی، ابن قدامہ مقدسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷، جلد ۸، صفحہ ۲۵۹) ۔

(۱۲۳) المغنی، ابن قدامہ مقدسی (۶۲۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۱۱۸ ۔

طلاق کے الفاظ ادا کئے گئے ـ[۱۲۴]

اصحاب شافعی نے امام شافعی سے اس قدر فرق کیا ہے کہ اگر شخص مجبور کی نیت طلاق دینے کی ہو گی تو طلاق ہو گی ورنہ نہیں ـ[۱۲۵]

ائمۂ ثلاثہ کے قول کی تائید میں صحابہ اور تابعین کے اسمائے گرامی بھی ملتے ہیں ـ چنانچہ صحابہ میں عمر بن الخطاب، علی ابن ابی طالب، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن زبیر اور جابر ابن سمرہ رضی‌اللہ عنہم کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ طلاق مکرہ کے قائل نہ تھے نیز تابعین میں عبداللہ ابن عبید بن عمیر، عکرمہ، حسن بصری، جابر ابن زید، قاضی شریح، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، طاؤس، عمر ابن عبدالعزیز، ابن عون، ایوب سختیانی اور اوزاعی شامل ہیں ـ[۱۲۶]

ظاہریہ فرقہ کا مسلک :

مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کے علاوہ ظاہریہ بھی طلاق مکرہ کے عدم وقوع کے قائل ہیں چنانچہ داؤد بن علی الظاہری کا مسلک بھی یہی ہے، امام ابو محمد ابن حزم وغیرہ کے نزدیک بھی طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی ـ[۱۲۷]

---

(۱۲۴) المغنی، ابن قدامہ مقدسی (۶۲۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۱۱۹ ـ
بحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۱۹۴ ـ

(۱۲۵) بدایۃ المجتہد، ابن رشد (۵۹۳ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۹، ہجری، جلد ۲، صفحہ ۸۱ ـ

(۱۲۶) "انہم کانو لایرون طلاق المکرہ شیأً" المدونۃ الکبری، مطبوعہ مصر ۱۳۲۳ ہجری، جلد ۶، صفحہ ۲۹ ـ
المغنی، ابن قدامہ مقدسی (۶۲۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۱۱۸ ـ

(۱۲۷) بدایۃ المجتہد، ابن رشد (۵۹۵ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۹ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۸۱ ـ
طلاق المکرہ غیر لازم لہ (المحلیٰ، ابن حزم (۴۵۶ھ) مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۵۲ ہجری، جلد ۱۰، صفحہ ۲۰۲ ـ

جعفریہ فرقہ کا نقطہ نظر :

جعفریہ فرقہ کے نزدیک بھی طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی۔ [۱۲۸]
چنانچہ علامہ ابن القاسم نجم الدین ابی جعفر الحلی نے اپنی مشہور کتاب شرائع الاسلام میں اختیار کو طلاق کی شرط قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ طلاق مکرہ واقع نہ ہوگی بشرطے کہ اس میں تین امور پائے جائیں :

(۱) مجبور کرنے والا شخص اس فعل کے کرنے پر قادر ہو جس کا شخص مجبور کو خوف دلایا گیا ہو۔

(۲) اس امر کا ظن غالب موجود ہو کہ شخص مجبور کے انکار کے سبب ڈرانے دھمکانے والا شخص اس فعل کو کر گزرے گا، اور یہ کہ

(۳) جس امر کی دھمکی دی گئی ہو وہ شخص مجبور کی اپنی ذات یا اس کے قائم مقام کے لیے نقصان کا باعث ہو۔

یہ بات یکساں حیثیت رکھتی ہے کہ وہ ضرر قتل ہو یا زخمی کرنا ہو یا گالی گلوچ ہو یا مارپیٹ ہو۔ ضرر کا لحاظ اشخاص مجبور کے درجات کے مطابق کیا جائے گا البتہ معمولی ضرر جبر نہیں کہلایا جا سکتا۔ [۱۲۹]

زیدیہ فرقہ :

زیدیہ فرقہ کے علماء بھی طلاق مکرہ کے عدم وقوع کے قائل ہیں۔ [۱۳۰]

---

(۱۲۸) "لا یقع الطلاق باکراہ ولا اجبار" (جواہر الکلام، جلد ۵، صفحہ ۲۷۲)۔
شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر (۶۷۶ھ)، مطبوعہ تہران، القسم الثالث، کتاب الطلاق، صفحہ ۲۰۶۔

(۱۳۰) "ان المکرہ لا یقع طلاقہ عندنا" (المنتزع المختار، شیخ عبداللہ بن مفتاح (۸۷۷ھ)، مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۳۲ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۳۸۲۔

حنفیہ کا احادیث سے استدلال :

احناف اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں منقولی اور معقولی دونوں دلائل سے کام لیتے ہیں - منقولی دلائل میں وہ احادیث نبوی اور آثار صحابہ دونوں کو پیش کرتے ہیں - چنانچہ طلاق مکرہ کے اثبات کے لیے احناف جس حدیث سے سب سے زیادہ پُر اعتماد انداز میں استنباط کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ :

''ثلثٌ جدّھنّ جدٌّ وھزلُھنّ جدٌّ النکاحُ والطلاقُ والرجعۃُ''

یعنی نکاح طلاق اور رجعت تین ایسے امور ہیں جن میں سنجیدگی تو سنجیدگی ہے ہی (لیکن) ان تین امور میں مزاح و ٹھٹھا (ہنسی مذاق) بھی سنجیدگی (کے حکم میں) ہوگا -

اس حدیث کو حاکم نے صحیح سند سے روایت کیا ہے - [۱۳۱] نیز بیہقی [۱۳۲] ترمذی و دیگر محدثین نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے - بعض کتب حدیث میں اس حدیث کے الفاظ کے آخر میں ''الرجعت'' کے بجائے ''العتاق'' کا لفظ بیان کیا گیا ہے [۱۳۳] اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہنسی و مذاق میں یعنی بلا قصد اپنی زوجہ کے لیے طلاق کا لفظ استعمال کرے خواہ اس کا قصد و ارادہ طلاق واقع کرنے کا نہ ہو تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی - احناف اس حدیث سے

---

(۱۳۱) مستدرک، حاکم، مطبوعہ دکن ۱۳۴۰ھ، جلد ۲، صفحہ ۱۹۸ -

(۱۳۲) بیہقی نے سعید ابن المسیب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا تین امور میں لعب و ہنسی مذاق کا کوئی لحاظ نہیں - نکاح، طلاق اور اعتاق، (غلام آزاد کرنا) السنن الکبری، بیہقی، مطبوعہ دکن، جلد ۷، صفحہ ۳۴۱ -

(۱۳۳) بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۸۷ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ھجری، جلد ۳، صفحہ ۹۹ - ۱۰۰ -
بحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ھجری، جلد ۳، صفحہ ۲۶۴ -

طلاق مکرہ کے مسئلہ میں یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ ہنسی اور مذاق میں دی ہوئی طلاق ائمۂ اربعہ اور شیعہ علماء کے نزدیک واقع ہو جاتی ہے ' اگرچہ طلاق دینے والے کا ارادہ طلاق دینے کا نہیں ہوتا۔ یعنی ہازل (ہنسی مذاق کرنے والے) کا الفاظ طلاق استعمال کرنے سے یہ مقصد نہیں ہوتا کہ ان الفاظ سے طلاق واقع ہو جائے اور نہ ہی وہ اس پر راضی ہوتا ہے بلکہ ان الفاظ کے استعمال سے اس کی مراد ہنسی مذاق کے سوائے کچھ نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود طلاق ہازل واقع ہو جاتی ہے لہذا طلاق مکرہ بوجہ احسن واقع ہونی چاہیے جب کہ اس میں قصد و ارادہ بھی اس حد تک پایا جاتا ہے کہ طلاق دینے والا طلاق کے الفاظ کو بالقصد منہ سے نکالتا ہے اور اسے یہ اختیار بھی حاصل ہوتا ہے کہ وہ طلاق کے الفاظ منہ سے نہ نکالے۔

چنانچہ مندرجہ بالا حدیث سے استنباط کرتے ہوئے حنفی ائمہ اور فقہاء یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اختیار کی موجودگی میں طلاق کے الفاظ کی ادائی ہزل (ہنسی مذاق) اور اکراہ (جبر) دونوں میں یکساں ہے اور اسی طرح ان الفاظ کی ادائیگی کے بعد حکم مرتب ہونے پر راضی نہ ہونے بھی ہازل (ہنسی مذاق کرنے والا) اور مکرہ (جس شخص کو مجبور کیا گیا ہو) یکساں ہیں۔ لہذا جس طرح ہزل (ہنسی مذاق) میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے اسی طرح اکراہ (جبر) کی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی۔[۱۴۳] بالفاظ دیگر احناف کے نزدیک اگر ایک شخص مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے اور اس نے ضرر مثلاً

---

(۱۴۳) فتح القدیر' ابن ہمام (۸۶۱ھ) ' مطبوعہ مصر' ۱۳۵۶ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۳۹۔
عنایہ ' شرح ہدایہ ' ابن محمود بابرتی (۷۸۹ھ) ' بر حاشیہ فتح القدیر ' ابن ہمام ' مطبوعہ مصر' ۱۳۵۶ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۳۹۔

مارپیٹ ، یا قید کے خوف سے طلاق کے الفاظ ادا کیے تو طلاق واقع ہو جائے گی ۔[۱۳۵]

احناف اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں ایک اور حدیث پیش کرتے ہیں جس کو ابن ہمام نے اپنی مشہور کتاب فتح القدیر[۱۳۶] میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امام محمد شیبانی کے حوالے سے نقل کیا ہے :

''وروی محمد باسنادہ عن صفوان بن عمرو الطائی ان امرأۃ کانت تبغض زوجہا فوجدتہ نائماً فاخذت شفرۃ و جلست علی صدرہ ثم حرکتہ و قالت لتطلقنی ثلاثاً والاذبحتک فناشدھا اللہ فابت فطلق ثلاثاً ثم جاء الی رسول اللہ صلی اللہ وسلم فسالہ عن ذالک فقال صلی اللہ علیہ وسلم لا قیلولۃ فی الطلاق ۔''

یعنی محمد نے اپنی سندوں سے صفوان ابن عمرو طائی سے روایت کیا کہ ایک عورت اپنے شوہر سے بغض رکھتی تھی (ایک روز) اس نے اپنے شوہر کو سوتا ہوا پایا ، چھری لے کر اس کے سینے پر سوار ہو گئی اور اس کو جھنجوڑ کر جگایا اور کہنے لگی مجھے تین طلاق دے ورنہ میں تجھے ذبح کر ڈالوں گی ۔ مرد نے اسے خدا کا واسطہ دیا لیکن وہ نہ مانی چنانچہ (مجبور ہو کر) مرد نے تین طلاقیں دے دیں اس کے بعد رسول اللہ صلعم نے فرمایا : ''لا قیلولۃ فی طلاق[۱۳۷]'' یعنی طلاق کے معاملے میں کوئی ٹھہراؤ یعنی وقفہ نہیں ۔

---

(۱۳۵) بحرالرائق ، ابن نجیم (۹۷۰ھ) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۱ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۶۴ ، ۲۶۳ ۔
ہدایہ اولین (عربی) برہان الدین مرغینانی (۵۹۳ھ) ، مطبوعہ دہلی ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۳۸ ۔

(۱۳۶) فتح القدیر ، ابن ہمام (۸۶۱ھ) ، مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ ہجری ، جلد ۳ ، صفحات ۴۰ - ۳۹ ۔

(۱۳۷) بدائع الصنائع ، امام کاسانی ، (۵۸۷ھ) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ہجری ، جلد ۳ ، صفحات ۱۰۰ - ۹۹ ۔

حنفیہ کا آثار صحابہ سے استدلال :

حنفیہ مندرجہ بالا احادیث کے علاوہ آثار صحابہ سے بھی اپنے موقف کی تائید میں استدلال کرتے ہیں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا : ''اربع مبہمات مقفلات لیس فیہن ردٌّ النکاحُ والطلاقُ والعتاقُ والصدقةُ'' یعنی چار امور ایسے ہیں جن کو رد نہیں کیا جا سکتا ۔ نکاح ' طلاق ' عتاق اور صدقہ ۔[۱۳۸] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو بیہقی نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس روایت میں ''مبہمات'' کا لفظ نہیں ہے ۔[۱۳۹]

حضرت عمر کی مندرجہ بالا روایت میں ''مقفلات'' کے معنی الفائق فی غریب الحدیث للزمخشری'' ۔[۱۴۰] میں اسی طرح بیان کیے گئے ہیں ''ای لا مخرج منہن کان علیہن اقفالا اذا جری بہنّ القول وجب فیہن الحکم'' ۔ یعنی ان امور کے (دائرۂ اثر سے) باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں گویا (ان کے الفاظ استعمال کرنے کے بعد) ان پر قفل لگ جاتا ہے ۔ جب زبان سے کہے جائیں گے ان کا حکم واجب ہوگا ۔

بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا ایک واقعہ عبدالملک ابن قدامہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک شخص پہاڑوں میں سے شہد حاصل کرکے لایا کرتا تھا ۔ ایک مرتبہ جب وہ پہاڑ کی کسی گھاٹی میں شہد توڑنے کے لیے لٹکا ہوا تھا اس کی زوجہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئی اور اپنے شوہر سے کہنے لگی کہ مجھے تین طلاقیں دے ورنہ میں اس رسی کو

---

(۱۳۸) فتح القدیر ' ابن ہمام (۸۶۱ھ) ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۵۶ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۴۰ ۔

(۱۳۹) السنن الکبریٰ ' بیہقی ' مطبوعہ دکن ' جلد ۷ ' صفحہ ۳۴۱ ۔

(۱۴۰) الفائق ' زمخشری (۵۳۸ھ) مطبوعہ حیدرآباد دکن ' ۱۳۲۴ ہجری ' جلد ۲ ' صفحہ ۱۸۰ ۔

کاٹ دوں گی ۔ شوہر نے اس کو اللہ کا واسطہ دے کر کہا "کہ وہ ایسا نہ کرے لیکن اس عورت نے نہ مانا ، مجبور ہو کر شوہر نے اس کو تین طلاقیں دے دیں ۔" اس کے بعد جب وہ وہاں سے باہر آ گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو اس کے شوہر سے علیحدہ کر دیا ۔[۱۳۱]

احناف کے عقلی دلائل :

طلاق مکرہ کے واقع ہونے کے سلسلے میں احناف کی دلیل بر بنائے قیاس یہ ہے کہ شخص مجبور (جس شخص کو طلاق دینے کے لیے مجبور کیا گیا ہے) شرعی احکام کا پابند ہے اور شرعی احکام کے حسن و قبح کو سمجھتا ہے اور اس کے اثرات و نتائج کو بھی جانتا ہے اس لیے جب وہ طلاق کے الفاظ اپنے منہ سے نکالتا ہے تو اس کے شرعی نتائج مرتب ہونے چاہییں کیوں کہ وہ شخص جس کو طلاق دینے پر مجبور کیا گیا ہے طلاق کے الفاظ کی ادائیگی میں، جو وقوع طلاق کا سبب ہے ، مختار ہے ، اگرچہ وہ طلاق کے واقع ہو جانے پر راضی نہیں ۔ لیکن وہ اس پر قادر ہے کہ دو ضرروں میں سے کسی ایک ضرر کا انتخاب کر لے ۔ ایک طرف اس کو جان کے ضائع ہونے یا اذیت پہنچنے کا خوف دامن گیر ہے اور دوسری طرف بیوی کو طلاق دے کر اس سے محروم ہو جانے کا اندیشہ ہے ۔ اس صورت حال میں وہ غور و فکر سے کام لیتا ہے کہ ان ضرروں میں سے کون سا ضرر سہل ہے جس کو وہ اختیار کرے ۔ چنانچہ وہ طلاق دے کر اپنے لیے ایک ضرر کا انتخاب کر لیتا ہے اور اس کے ذریعہ خود کو دوسرے عظیم تر ضرر سے محفوظ کر لیتا ہے ۔ طلاق کی

---

(۱۳۱) السنن الکبریٰ ، امام بیہقی ، مطبوعہ دکن ، جلد ۷ ، صفحہ ۳۵۷ ۔
(ملاحظہ ہو حوالہ ۱۴۴ ، باب ہذا) ۔

صورت کو اختیار کر لینا اور طلاق کے الفاظ کا ادا کرنا اس کو صاحب اختیار قرار دینے کے لیے کافی متصور ہوگا۔ اور اس کا تصرف ایک ایسے شخص کا تصرف کہلائے گا جسے تصرف کا اختیار حاصل ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جب انسان سے قصد و اختیار کے ساتھ کوئی فعل صادر ہوگا تو اس فعل کے احکام بھی اس پر مرتب ہوں گے، خواہ وہ خود پر ان احکام کے مرتب ہونے پر راضی نہ ہو۔

یہاں ایک اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے کہ ایسی صورت میں مکرہ (شخص مجبور) کی رضامندی موجود نہیں ہوتی لیکن احناف کے نقطۂ نظر کے مطابق طلاق کا فعل رضا اور عدم رضا دونوں حالتوں میں یکساں حکم رکھتا ہے یعنی طلاق کے وقوع کے لیے رضا شرط نہیں جیسے کہ ہنسی و مذاق کی حالت میں الفاظ طلاق ادا کرنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اگرچہ اس کی منشاء طلاق دینا نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ ان الفاظ کے نتیجہ میں وقوع طلاق پر رضامند ہوتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا احادیث سے استناد:

ائمہ ثلاثہ طلاق مکرہ کے عدم وقوع کے سلسلے میں حسب ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”میری امت کو خطا، بھول اور جس فعل کے کرنے پر جبر کیا گیا ہو اس سے بری الذمہ کر دیا گیا۔[۱۳۲]

(۱۳۲) "عن ابن عباس قال قال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ جاوز عن امتی الخطاء و النسیان وما استکرھوا علیہ" ایک دوسری سند سے "ان اللہ تجاوز" کے بجائے "رفع" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ (المستدرک، حاکم، مطبوعہ دکن، ۱۳۴۰ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۱۹۸)۔
السنن الکبری، امام بیہقی، مطبوعہ دکن، ۱۳۵۳ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۳۵۶۔
فتح القدیر، ابن ہمام (۸۶۱ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۳۹۔
المغنی، ابن قدامہ مقدسی (۶۲۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۱۱۸۔
بحرالرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۲۶۴۔

اس حدیث سے استدلال کرنے میں تینوں ائمہ شریک ہیں۔

(۲) صفیہ بنت شیبہ نے حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ حضرت عائشہ نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اغلاق کی حالت میں طلاق اور غلام کا آزاد کرنا نہیں ہوتا''۔[۱۴۳] ابن قدامہ مقدسی نے المغنی میں اس حدیث کو امام احمد بن حنبل کی طرف سے استدلال میں پیش کیا ہے اور اغلاق کے معنی ''اکراہ'' بیان کیے ہیں۔

ائمۂ ثلاثہ کا آثار صحابہ سے استدلال :

طلاق مکرہ کے عدم وقوع کے ثبوت میں بیہقی نے حضرت عمر، حضرت علی، ابن عباس، ابن عمر اور ابن زبیر کے حسب ذیل آثار بھی بیان کیے ہیں :

(۱) عبدالملک ابن قدامہ سے مروی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا شہد والے واقعہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ جب اس شخص نے اپنا اور اپنی زوجہ کا واقعہ آپ کی خدمت میں عرض کیا تو حضرت عمر نے فرمایا : ''تم اپنی زوجہ کے پاس

---

(۱۴۳) "عن صفیة بنت شیبة ان عائشه حدثتها ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال : "لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق" (وقال بعضهم فی غلاق) ۔ السنن الکبری، امام بیہقی، مطبوعہ دکن، ۱۳۵۳ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۳۵۶ ۔
ابن ماجہ مطبوعہ انڈیا، صفحہ ۱۴۸ ۔
مستدرک، حاکم، مطبوعہ دکن ۱۳۴۰ھ، جلد ۲، صفحہ ۱۹۸ ۔
مشکوۃ، مطبوعہ لکھنئو (بھارت)، صفحہ ۲۸۳ ۔
المغنی، ابن قدامہ مقدسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۱۱۸ ۔

جاؤ یہ طلاق نہیں ہوئی۔"[۱۳۴] (دوسری روایت میں ہے کہ عورت بائن ہوگئی)۔

(۲) حضرت حسن سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس کے نزدیک شخص مجبور کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔[۱۳۵]

(۳) حضرت یحییٰ ابن کثیر سے مروی ہے کہ ابن عباس طلاق مکرہ کو ناجائز سمجھتے تھے۔[۱۳۶] اسحاق نے اپنی کتاب میں اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جس پر ڈاکوؤں نے جبر کرکے اس کی بیوی کو طلاق دلوائی ہو، ابن عباس نے فرمایا: "یہ کچھ چیز نہیں۔"[۱۳۷]

(۴) بیہقی نے ثابت اعرج سے روایت کیا کہ میں نے عبدالرحمن ابن زید ابن خطاب کی ام ولد سے نکاح کیا۔ ان کے

---

(۱۳۴) "ابو نصر عمر بن عبدالعزیز بن قتادة حدثنا ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ایوب الصبغی ثنا الحسن بن علی بن زیاد، ثنا ابن ابی اویس حدثنی عبدالملک بن ابراهیم بن حاطب الجمعی عن ابیه ان رجلاً تدلی یشتار عسلاً فی زمن عمر بن الخطاب رضی‌الله عنه فجأته امرأته فوقفت علی الحبل فحلفت لتقطعنه او لتطلقنی ثلاثاً فذکرها الله والاسلام فابت الا ذلک فطلقها ثلاثاً فلما ظهر اتی عمر بن الخطاب رضی‌الله عنه فذکرله ما کان منها الیه ومنه الیها فقال ارجع الی اهلک فلیس هذا بطلاق (وکذلک) رواه عبدالرحمن بن مهدی عن عبدالملک بن قدامة الجمعی عن ابیه عن عمر رضی‌الله عنه بهذا القصة الا انه قال فرفع الی عمر رضی‌الله عنه فا بانها منه"۔ (السنن الکبری، امام بیهقی، مطبوعه حیدرآباد دکن ۱۳۵۳ هجری، جلد ۷، صفحه ۳۵۷)۔

(۱۳۵) "لا طلاق المکره" السنن الکبری، امام بیهقی، مطبوعه دکن ۱۳۵۳ ھ، جلد ۷، صفحه ۳۵۷۔

(۱۳۶) "لم یجز طلاق المکره" السنن الکبری، امام بیهقی مطبوعه دکن ۱۳۵۳ھ، جلد ۷، صفحه ۳۵۸۔

(۱۳۷) (وفی کتاب) اسحاق باسناد، عن عکرمة انه سئل رجل اکره اللصوص حتی طلق امرائة قال قال: "ابن عباس رضی الله عنهما لیس بشی"۔ (السنن الکبری، امام بیهقی، مطبوعه حیدرآباد دکن ۱۳۵۳ هجری، جلد ۷، صفحه ۳۵۸۔

صاحب زادے نے مجھ کو بلایا اور اپنے دو غلاموں کو حکم دیا کہ مجھے باندھیں اور کوڑے ماریں ۔ چنانچہ ان کے دو غلاموں نے مجھے باندھ دیا اور میرے کوڑے مارنا شروع کر دیے۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں ام ولد کو طلاق دے دوں ورنہ وہ کوڑے مارتے رھیں گے ۔ میں نے ام ولد کو طلاق دے دی ۔ اس کے بعد عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے یہ واقعہ بیان کیا ۔ ان حضرات نے اس طلاق کو کوئی وقعت نہ دی اور جائز نہ سمجھا ۔[۱۳۸]

ائمۂ ثلاثہ کے عقلی دلائل :

ہر سہ ائمہ (امام مالک ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) کا فرمانا ھے کہ اختیار جبر کے ساتھ جمع نہیں ھو سکتا چنانچہ جس وقت جبر پایا جائے گا ، اختیار معدوم ھو جائے گا اور چونکہ شرعی تصرفات کا اعتبار اختیار کے وجود پر مبنی ھے اس لیے جب اختیار معدوم ھو گیا تو پھر غیر مختار شخص کا تصرف قابل اعتبار نہیں رھتا اور اس پر کوئی اثر مرتب نہ ھوگا ۔[۱۳۹]

ائمہ ثلاثہ کی جانب سے طلاق بالجبر کے واقع نہ ھونے کے سلسلے میں ایک دوسری دلیل یہ دی جاتی ھے کہ جب قرآن جبر کی حالت میں زبان سے کلمۂ کفر تک ادا کرنے کی اجازت دیتا ھے بشرطیکہ دل ایمان پر مطمئن ھو تو پھر حالت جبر میں لفظ طلاق زبان سے ادا کرنے

---

(۱۳۸) "فلم یرہاہ شیئاً" (السنن الکبری ، امام بیہقی ، مطبوعہ حیدرآباد دکن ، ۱۳۵۳ ھجری ، جلد ۷ ، صفحہ ۳۵۸ ۔

(۱۳۹) فتح القدیر ، ابن ھمام (۸۶۱ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ھجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۹ ۔

بحر الرائق ، ابن نجیم (۹۷۰ھ) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۱ ھجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۶۴ ۔

پر طلاق کے واقع ہو جانے کا حکم کیوں کر مرتب ہو سکتا ہے ؟ کفر شریعت میں سب سے بڑا جرم ہے اس کے باوجود جبر کی حالت میں کلمہ کفر کا ادا کرنا (بشرطیکہ دل ایمان پر مطمئن ہو) ایک ایسا فعل قرار نہیں دیا گیا جس پر شرعی حکم مرتب ہو لہذا جو افعال اس سے کم درجے کے ہیں اور ان پر شرعی اثر مرتب نہ ہونا لازمی امر ہے ۔[150] عطاء بن ابی رباح[151] طلاق مکرہ کے عدم وقوع کے سلسلے میں آیت قرآنی ''من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان و لکن من شرح بالکفر صدراً فعلیہم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم '' [152] سے بھی استدلال کرتے ہیں ۔ اس آیت میں ان مسلمانوں کو جن پر کفار کے ہاتھوں مظالم توڑے جا رہے تھے اور ان مسلمانوں کو ناقابل برداشت اذیتیں دے دے کر کفر پر مجبور کیا جا رہا تھا ، [153] بتایا گیا تھا کہ اگر تم کسی وقت ظلم سے مجبور ہو

---

(۱۵۰) المغنی ، ابن قدامہ مقدسی (۶۲۰ھ) ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۶۷ ہجری ، جلد ۷ ، صفحہ ۱۱۸ ۔

(۱۵۱) فرق الزواج ، علی الخفیف ، مطبوعہ الرسالہ ، عابدین ، ۱۹۵۸ع ، صفحہ ۵۶ ۔

(۱۵۲) "جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دل اس کا ایمان پر مطمئن ہو (تب تو خیر) مگر رضا مندی سے کفر کو قبول کر لیا اس پر اللہ کا غضب ہے اور ایسے لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے ۔" (پارہ ۱۴ ، سورۃ النحل آیت ۱۰۶) ۔

(۱۵۳) صحابی رسول عمار بن یاسر کی آنکھوں کے سامنے ان کے والدین کو سخت عذاب دے کر شہید کر دیا گیا پھر عمار بن یاسر کو ناقابل برداشت اذیت دی گئی آخر کار انہوں نے جان بچانے کے لیے وہ کہہ دیا جو کفار ان سے کہلوانا چاہتے تھے ۔ عمار بن یاسر روتے ہوئے رسول کریم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ "ما ترکت حتی سببتک و ذکرت آلتھم بخیر" یعنی یا رسول اللہ ، مجھے نہ چھوڑا گیا جب تک کہ میں نے آپ کو برا اور ان کے معبودوں کو اچھا نہ کہہ دیا ۔ حضور نے پوچھا "کیف تجد قلبک" یعنی تم اپنے دل کا کیا حال پاتے ہو ، عمار بن یاسر نے عرض کیا "مطمئنا بالایمان" ایمان پر پوری طرح مطمئن ۔ اس پر حضور نے فرمایا "ان عادوا فعد" اگر وہ پھر اس طرح کا ظلم کریں تو تم پھر یہی باتیں کہہ دینا ۔

کر جان بچانے کے لیے کلمہ کفر زبان سے ادا کر دو اور تمہارا دل ایمان پر مطمئن اور عقیدہ کفر سے محفوظ ہو تو قابل معافی ہے۔ عطاء نے طلاق مکرہ کے ضمن میں اس آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''حالت جبر میں کلمہ کفر کا ادا کرنا بھی قابل مواخذہ نہیں بشرطیکہ دل ایمان پر مطمئن ہو۔[۱۵۴] تو پھر طلاق مکرہ کیونکر جائز ہو سکتی ہے، حالانکہ شرک تو طلاق سے بہت بڑی چیز ہے۔'' یہ دلیل امام شافعی کی طرف بھی منسوب ہے۔[۱۵۵]

حافظ ابن قیّم کے دلائل :

حافظ ابن قیّم نے ہازل (از راہ استہزا کوئی بات کہنے والا) اور اس سے صادر شدہ اعمال و اقوال کا ذکر کرتے ہوئے اپنی مشہور کتاب ''اعلام الموقعین'' میں لکھا ہے کہ

''ہازل کو اس کے اقوال کی بناء پر پکڑا جا سکتا ہے اور وہ ان کے لیے جواب دہ ہے کیونکہ وہ سبب کا ارادہ کرتا ہے۔ وہ ایک بات کہتا ہے اور اس کے حکم کا پابند نہیں رہتا۔ ظاہر ہے کہ احکام شارع کے مقرر کردہ اسباب پر مرتب ہوتے ہیں لہذا جب وہ کسی سبب کا مرتکب ہوگا تو اس کا حکم بھی اس کے لیے ضروری ہوگا، خواہ وہ اس حکم کو تسلیم کرے یا نہ کرے۔''[۱۵۶]

اسی طرح ابن قیّم نے اپنی دوسری تصنیف ''زاد المعاد'' میں طلاق ہازل اور طلاق مکرہ کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

(۱۵۴) ''اکراہ علی الکفر'' کے موضوع پر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بدائع الصنائع، امام کاسانی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۱۶۹ - ۱۶۸ -

(۱۵۵) السنن الکبری، امام بیہقی، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۵۳ ہجری جلد ۷، صفحہ ۳۵۶ -

(۱۵۶) اعلام الموقعین، ابن قیم (۷۵۱ھ) مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیرہ دمشق، جلد ۳، صفحہ ۱۱۱ -

''جو شخص (احکام شرع کا) مکلف ہو، طلاق نکاح یا رجعت کے ساتھ مذاق کرے تو جس کے ساتھ مذاق کیا وہ اس پر لازم ہو جائے گا۔ یہ (امر) اس پر دلالت کرتا ہے کہ ہازل کا کلام معتبر ہے اور نائم (سونے والے)، بھول جانے والے اور زائل العقل اور شخص مجبور کے کلام کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ ان کے مابین فرق یہ ہے کہ ہازل لفظ کے ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہے مگر اس کا اثر مرتب ہونے کا قصد نہیں رکھتا، اور یہ ممکن نہیں کیونکہ اسباب مکلف کی جانب راجع ہوتے ہیں اور ان اسباب کے مسبب یعنی اثرات کا مرتب ہونا شارع کے طرف سے ہوتا ہے خواہ مکلّف ان اثرات (کے مرتب ہونے) پر راضی ہو یا راضی نہ ہو۔ (دراصل) اعتبار اس سبب کا کیا جائے گا۔ جس کا وہ شخص عقل کی حالت میں اختیار کے ساتھ ارادہ کرتا ہے پس جب اس نے اس سبب کا ارادہ کیا تو شارع نے اس سبب پر اپنا حکم مرتب کر دیا، خواہ وہ سبب سنجیدگی کے ساتھ ہو یا مذاق کے ساتھ، برخلاف خوابیدہ، سرسام زدہ، پاگل، شرابی اور زائل العقل کے، کیونکہ ان کے ساتھ قصد صحیح نہیں ہوتا اور وہ (اس وقت) احکام شرع کے مکلّف نہیں ہوتے اس لیے ان کے (ادا کیے ہوئے) الفاظ ایک ایسے بچے کے الفاظ کی مانند بے اثر ہوں گے جو ان الفاظ کے معنی نہ سمجھتا ہو اور ان (کے ادا کرنے) کا ارادہ نہ رکھتا ہو''۔[۱۵۷]

حافظ ابن القیم نے اپنی ایک اور کتاب ''تہذیب السنن'' میں طلاق بالہزل اور طلاق بالجبر کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''مکرہ کی طلاق کو ہازل کی طلاق پر قیاس کرنا قیاس فاسد ہے

(۱۵۷) زادالمعاد، ابن قیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۹ ہجری، جلد ۴، صفحہ ۳۸۴۔

کیونکہ نہ تو وہ شخص مجبور اپنے قول کا قصد کرتا ہے اور نہ اس کے حکم (وقوع طلاق) کے مرتب ہونے کا۔ اس پر تو (طلاق کے الفاظ ادا کرنے کا) بوجھ ڈالا گیا ہے ۔ ان کے کہنے پر جبر کیا گیا ہے ۔ ان الفاظ کے معنی کے قصد کرنے پر جبر نہیں کیا گیا ہے کیونکہ وہ جبر کے قابل نہیں ۔ جبر ایک باطنی چیز ہے ۔ جس پر انسان کو قدرت حاصل نہیں ۔ لیکن ہازل اپنے اختیار سے ان الفاظ کو ادا کرتا ہے اور ارادہ یہ رکھتا ہے کہ ان الفاظ کا حکم (اثر) مرتب نہ ہو اور یہ اس کی طاقت میں نہیں، نہ اس کو اس کا حق حاصل ہے بلکہ یہ حق شارع کو حاصل ہے ۔ چنانچہ ہازل نے ان الفاظ کو ادا کرکے جو اس کی قدرت میں تھا ایسے امر کا ارادہ کیا جو اس کی قدرت میں نہ تھا یعنی ان الفاظ کے ادا کرنے کے بعد ان کے حکم کا (اثر) مرتب نہ ہونا ۔ جو شخص اپنے اختیار سے کسی حکم کے سبب کا مرتکب ہوتا ہے تو اس سبب کے وجود میں آجانے کے بعد اس کے مسبب اور مقتضاء (حکم) کا مرتب ہونا ایک لازمی امر ہے، خواہ وہ شخص اس پر راضی ہو یا نہ ہو، اس کا قصد کرے یا نہ کرے، لیکن مکرہ (شخص مجبور) مذکورہ بالا دونوں امور میں سے کسی کا بھی قصد نہیں کرتا نہ اس سبب کا اور نہ اس کے حکم و مقتضاء کا، لہٰذا مکرہ کا ہازل پر قیاس کرنا غیر صحیح ہے''۔[158]

حنفیہ کی پیش کردہ احادیث و آثار کا تجزیہ :

(۱) حنفیہ کی طرف سے طلاق مکرہ کے واقع ہوجانے کے ثبوت میں سب سے پہلی حدیث ''ثلٰثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النكاحُ و الطلاقُ و الرجعةُ'' بیان کی گئی ہے ۔ اس حدیث کو ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(۱۵۸) تہذیب السنن، حافظ ابن القیم، مطبوعہ مصر، جلد ۳، صفحہ ۱۱۹ ۔

وسلم سے روایت کیا ہے جس کو ابوداؤد اور ترمذی نے اپنی کتب احادیث میں نقل کیا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے یہ روایت بیان نہیں کی۔ ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔[159]

بہر حال جہاں تک اس حدیث سے طلاق بالجبر کے واقع ہونے کے حکم کو مستنبط کرنے کا تعلق ہے، یہ استنباط درست نہ ہوگا، کیونکہ ہازل (ہنسی مذاق کرنے والا) اصلاً اپنے کلام میں صاحب اختیار ہوتا ہے گو وہ اپنے کلام کے الفاظ سے ان کے حقیقی معنی مراد نہیں لیتا اور چونکہ تصرف کا پایا جانا اختیار کے وجود پر مبنی ہے، جو ہزل کی بناء پر ساقط نہیں ہوا، اس لیے طلاق کے واقع ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن جبر کی صورت میں اختیار معدوم ہو جاتا ہے اور جو فعل عدم اختیار کو ظاہر کرتا ہے وہ قانوناً معتبر نہیں ہوتا، اس لیے جبریہ طلاق واقع نہ ہونی چاہیے۔

مذکورہ بالا دلیل کا ایک جواب یہ دیا جاتا ہے کہ شخص مجبور بھی ایک لحاظ سے اپنے کلام (الفاظ طلاق کی ادائی) میں ہازل کی طرح صاحب اختیار ہوتا ہے اس لیے ہازل کی طرح اس کی طلاق بھی واقع ہو جانے کا حکم دیا جانا چاہیے لیکن اس کا نہایت آسان جواب یہ ہے کہ ہزل کی صورت میں اختیار آزاد ہوتا ہے، جبکہ جبر کی صورت میں اگر اختیار کو موجود بھی تصور کر لیا جائے تو اس اختیار سے یقیناً مختلف ہوگا جو ہزل کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ ایک آزاد اختیار اور جبری اختیار کو ایک زمرے میں شامل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ایسی دو حالتوں میں انجام دیے ہوئے افعال کے اثرات و نتائج پر یکساں حکم کا

---

(۱۵۹) جامع الترمذی، مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی صفحہ ۱۹۱۔

اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ اس بناء پر مندرجہ بالا حدیث سے طلاق بالجبر کے وقوع کا استنباط قیاس فاسد پر مبنی ہے، جو شرعاً دلیل نہیں بن سکتا۔

(۲) حنفیون کی طرف سے پیش کردہ دوسری حدیث ''لا قیلولۃ فی الطلاق'' کا راوی صفوان بن عمر والطائی ضعیف ہے۔ ابن حزم نے اس کو منکر الحدیث لکھا ہے[۱۶۰]۔ نیز اس حدیث کو غایت درجہ گری ہوئی لکھا ہے اس لیے اس حدیث کو قابل اعتماد قرار دے کر اس پر طلاق مکرہ کے مسئلہ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

علاوہ ازیں اس روایت سے ایک پہلو یہ بھی نکل سکتا ہے کہ چونکہ عورت مرد سے بے زار تھی اور ایسی صورت میں دونوں کے درمیان رشتہ زوجیت کو برقرار رکھنا مصالح شرعی کے خلاف تھا، بنا بریں طلاق کے وقوع کا حکم دیا گیا ہو۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مذکورہ بالا دو آثار میں سے پہلے اثر ''اربع مبہمات'' کا یہ مطلب ہرگز احذ نہیں کیا جا سکتا کہ طلاق، خواہ بالجبر ہو، واقع ہو جائے گی۔ لفظ طلاق کے عموم سے اگر یہ مطلب نکالا جائے کہ ہر طلاق واقع ہو جائے گی تو پھر ایسی طلاقیں جو فقہاء امت کے نزدیک واقع نہیں ہوتیں ان کے استثناء کے لیے اس اثر میں کوئی گنجائش نہیں رہتی، جو صریح نص کے خلاف ہوگا۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب دوسرا واقعہ شہد نکالنے والے شخص کا ہے۔ اس واقعہ میں صراحتاً طلاق بالجبر کا مسئلہ موجود ہے ایک روایت میں بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت عمر نے شہد نکالنے والے مرد کو اس کی عورت سے جدا کر دیا، دوسرے طریق سے اسی واقعہ سے متعلق یہ روایت بیان کی ہے

---

(۱۶۰) ''وھذا خبر فی غایۃ السقوط، فصفوان منکر الحدیث'' المحلی، ابن حزم، (۴۵۳ھ) مطبوعہ قاہرہ (مصر)، ۱۳۵۲ ہجری، جلد ۱۰، صفحہ ۲۰۳۔

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ طلاق نہیں ہے اور لکھا ہے کہ حضرت علی، ابن عباس، ابن عمر، ابن الزبیر، عطاء، عبداللہ بن عبید بن عمیر طلاق مکرہ کو غیر جائز سمجھتے تھے اور شیخ نے کہا ہے کہ پہلی روایت (طلاق مکرہ کے وقوع کے بارے میں) زیادہ مشابہ بالحق ہے[161]۔

ائمۂ ثلاثہ کی طرف سے پیش کی جانے والی احادیث و آثار کا تجزیہ :

(۱) ائمۂ ثلاثہ کی طرف سے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کی جانے والی حدیث "رفع عن امتی الخطا والنسیان وما استکر ھوا علیہ" طلاق مکرہ کے عدم وقوع کے لیے صریح نص کے طور پر پیش نہیں کی جا

---

(۱۶۱) ابو نصر عمر بن عبدالعزیز بن قتادة حدثنا ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ایوب الصبغی ثنا الحسن بن علی بن زیاد ثنا ابن ابی اویس حدثنی عبدالملک بن قدامة بن ابراھیم بن محمد بن حاطب الجمحی عن ابیہ ان رجلا تدلی لیشتار عسلا فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فجاء تہ امرأتہ فوقفت علی الحبل فحلف لتقطعنہ او لتطلقنی ثلاثا فذکر ھا اللہ و الاسلام فابت الا ذلک فطلقھا ثلاثا فلما ظھر أتی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فذکر لہ ما کان منھا الیہ و منہ الیھا فقال ارجع الی اھلک فلیس ھذا بطلاق (و کذالک) رواہ عبد الرحمن بن مھدی عن عبد الملک بن قدامة الجمحی عن ابیہ عن عمر رضی اللہ عنہ (السنن الکبری، امام بیھقی، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۱۳۵۳ ھجری، جلد ۷، صفحہ ۳۵۷)۔

(وقد اخبرنا ابو عبدالرحمن السلمی انا ابوالحسن الکازری ثنا علی بن عبدالعزیز ابی عبید قال حدثنی یزید عن عبدالملک بن قدامة الجمحی عن ابیہ عن عمر رضی اللہ عنہ ـ ۲) بھذہ القصة الا انہ قال فرفع الی عمر رضی اللہ عنہ فا بانھا منہ (قال ابو عبید) وقد روی عن عمر رضی اللہ عنہ خلافہ قال و روی عن علی و ابن عباس و ابن عمر و ابن الزبیر و عطاء و عبداللہ بن عبید بن عمیر انھم کانو برون طلاقہ غیر جائز (قال الشیخ) رحمہ اللہ الروایة الاولی اشبہ السنن الکبری، بیھقی (۸۵۳ھ) مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۵۳ ھجری، جلد ۷، صفحہ ۳۵۷۔

سکتی ۔ چوں کہ اس حدیث کے الفاظ عام ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ طلاق کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے اس لیے اس حدیث کے ذریعہ طلاق مکرہ کا حکم صراحتاً نص سے ثابت نہیں کیا جا سکتا ۔ البتا اقتضاء نص کے طور پر مکرہ کا حکم بھی لیا جا سکتا ہے ۔ لیکن اصول فقہ کا یہ ایک مسلم قاعدہ ہے کہ جو حکم اقتضائے نص سے ثابت ہو اس کا اطلاق ایک عام حکم کی حیثیت سے نہیں لیا جا سکتا ، یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ اگر کسی حدیث کے الفاظ عام اور بلا تخصیص ہوں تو ان سے دنیاوی اور اخروی دونوں حکم مراد لیے جائیں بلکہ یا تو دنیاوی حکم مراد لیا جائے گا یا صرف آخرت کا ۔ علماء امت کا اس امر پر کلّی اتفاق ہے کہ یہ حدیث اخروی حکم سے متعلق ہے یعنی یہ کہ (آنحضرت کی اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ) خدائے تعالیٰ امت مسلمہ کو اس کے کسی ایسے فعل کا مواخذہ دار نہ ٹھہرائے گا جو خطاء و نسیان (غلطی اور بھول چوک) اور جبر کے تحت سر زد ہوا ہو ، کیوں کہ جس وقت آنحضرت صلعم نے یہ ارشاد فرمایا تھا اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا ، جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے زمانۂ کفر کے بہت قریب تھے اور زمانۂ کفر کی بہت سی عادتیں اور اطوار ان میں راسخ ہو جانے کے سبب بعض اوقات ان کی زبان سے غلطی یا بھول چوک سے کوئی ایسا کلمہ زبان سے نکل جاتا یا کوئی ایسا فعل حالت اضطرار یا جبر میں سر زد ہو جاتا جو اسلام کے خلاف ہوتا تو وہ عاقبت کے خوف سے سخت پریشان ہو جاتے ۔ آنحضرت نے فرمایا ''کہ ایسی صورت میں اللہ تم کو بری کر دے گا ۔''

امام کاسانی رحمۃاللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ : ''یہ حدیث اپنے محل ورود کے اعتبار سے ''اکراہ علی

الکفر'' کے ساتھ مخصوص ہے۔[۱۶۲] چنانچہ اس حدیث سے دنیاوی امور میں مواخذہ سے برأت کا اصول مستنبط نہیں کیا جا سکتا۔[۱۶۳] اور اس حدیث سے جو فقہاء ''اکراہ علی الطلاق'' پر استدلال کرتے ہیں وہ مذکورہ بالا مسلمہ فقہی اصول کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔''

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ والی حدیث ''لا طلاق فی اغلاق'' جس کو ائمہ ثلاثہ اور بالخصوص احمد بن حنبل کی طرف سے بطور نص پیش کیا گیا ہے ابو داؤد نے بھی نقل کی ہے۔''[۱۶۴] اور بیہقی نے بھی مختلف سندوں سے اس کو روایت کیا ہے۔[۱۶۵] لیکن دو وجہ سے یہ حدیث طلاق مکرہ کے مسئلہ میں قول فیصل نہیں بن سکتی:-

(۱) امام ذہبی نے اپنی کتاب تلخیص المستدرک ''میں فرمایا ہے کہ ابوداؤد، ابن ماجہ اور بیہقی کی ایک سند میں محمد بن عبید بن ابی صالح مکی قابل حجت نہیں اور ابو حاتم نے ان کو ضعیف لکھا ہے۔[۱۶۶] دوسری سند سے ایک اور راوی نعیم بن حماد کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ منکر احادیث روایت کرتے تھے۔[۱۶۷] نیز بیہقی کی دوسری سند کے بعض راوی بھی ضعیف یا مجہول بیان کیے جاتے ہیں۔

---

(۱۶۲) بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۸۷ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۱۸۲۔

(۱۶۳) فتح القدیر، ابن ہمام (۸۶۱ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۳۹۔

بحر الرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۲۶۴۔

(۱۶۴) سنن ابو داؤد، مطبوعہ کارخانۂ تجارت کتب کراچی، صفحہ ۲۹۸۔

(۱۶۵) السنن الکبری، امام بیہقی، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۵۴ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۳۵۷۔

(۱۶۶) و محمد بن عبید لم یحتج بہ (م) وقال ابو حاتم ضعیف (تلخیص المستدرک، امام ذہبی، بر حاشیہ المستدرک، حاکم مطبوعہ دکن، ۱۳۴۰ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۱۹۸۔

(۱۶۷) تہذیب التہذیب جلد ۱۰ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۶ھ صفحہ ۶۲-۴۶۱۔

(۲) اور دوسری وجہ اس حدیث کو طلاق مکرہ کے عدم وقوع کے سلسلے میں بطور نص تسلیم نہ کرنے کی یہ ہے کہ ''اغلاق'' کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابو عبید اور قتیبی نے حدیث میں وارد شدہ لفظ ''اغلاق'' کی تفسیر ''اکراہ'' سے کی ہے۔ ابو بکر کہتے ہیں کہ میں نے ابن درید نحوی، اور ابو طاہر نحوی سے ''اغلاق'' کے معنی دریافت کیے دونوں نے کہا کہ اس سے حضور صلعم کی مراد ''اکراہ'' ہے۔[۱۶۸] لیکن ابو داؤد نے ''اغلاق کے معنی غیض و غضب کی حالت کے لیے ہیں۔[۱۶۹] یہی معنی امام احمد بن حنبل سے بھی منقول ہیں۔

لفظ اغلاق کے معنی:

اغلاق کے لغوی معنی بند کر دینا، منع کر دینا یا روک دینا ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ''اغلاق'' سے اکراہ کے معنی مجازاً مراد لیے گئے ہیں کیوں کہ مجبور کرنے والے شخص کی طرف سے مجبور کیے جانے والے شخص کے اختیار پر بندش لگا دی جاتی ہے اور اختیار و رضا کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ ابو داؤد نے اس کے معنی غیض و غضب کے لیے ہیں اور جس باب کے تحت اس حدیث کو روایت کیا ہے اس کا عنوان بھی ''الطلاق فی الغضب'' مقرر کیا ہے۔ ابو داؤد نے غالباً اغلاق کے معنی غیض و غضب اس لیے مراد لیے ہیں کہ

---

(۱۶۸) المغنی، ابن قدامہ مقدسی (۶۲۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۱۱۸۔

(۱۶۹) سنن ابو داؤد، مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی، کتاب الطلاق صفحہ ۲۹۸۔
غیض و غضب سے وہ حالت مراد ہے کہ جس میں انسان غصہ سے پاگل ہو جائے اور اپنے قول و فعل کی صحت و عدم صحت میں تمیز نہ رکھ سکے (مؤلف)۔

غیض و غضب کی حالت بھی سوچنے سمجھنے اور اختیار کی راہ مسدود ہو جاتی ہے۔ بعض علماء نے اغلاق کے معنی ''طلاق ثلاثہ بلفظ واحد'' مراد لیے ہیں کیوں کہ تین طلاقیں ایک لفظ کے ساتھ دینے سے بھی عورت سے رجوع کا دروازہ بند ہو جاتا ہے (الا یہ کہ دوسرا شخص اس پہلے شخص کے لیے کھولے یعنی اس عورت سے نکاح و ہمبستری کرے اور پھر بعد طلاق یا وفات پہلے شوہر کے لیے حلال ہو)۔

درایت حدیث کا ایک اصول :

مختصر یہ کہ '' اغلاق '' کا لفظ محتمل ہے یعنی اس سے چند معنی مراد لیے جا سکتے ہیں اور درایت حدیث کا یہ ایک عام اصول ہے کہ جب کوئی حدیث متعدد معانی کی محتمل ہو یعنی اس سے کئی معنی مراد لیے جا سکیں تو بلا کسی نقلی دلیل کے اس حدیث سے کسی ایک معین معنی کے لئے استدلال درست نہیں ہو سکتا ، جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف ''الرسالہ فی اصول فقہ والحدیث'' میں فرمایا ہے کہ :-

''جب حدیث چند معنی کی محتمل ہو تو عام معنی چھوڑ کر اس کو کسی خاص معنی کے لیے اس وقت تک محمول نہ کیا جائے جب تک کہ رسول اللہ صلعم کی کسی دوسری سنت سے یا علمائے اسلام کے اجماع سے اس پر دلیل قائم نہ ہو جائے۔[۱۷۰]'' لہذا ''لا طلاق فی اغلاق'' والی حدیث اس وقت تک طلاق مکرہ کے عدم وقوع کے لیے حجت نہیں بن سکتی جب تک کہ اغلاق کے معنی رسول اللہ صلعم کی کسی دوسری سنت ، اجماع صحابہ یا علماء اسلام کے اجماع سے متعین نہ ہو جائیں۔

---

(۱۷۰) ''فلما احتمل المعنین و جب علی اهل العلم ان لا یحملوها علی خاص دون عام الا بدلالة : من سنة رسول‌الله او اجماع علماء المسلمین (الرسالہ فی اصول الفقہ والحدیث ، امام شافعی ، مطبوعہ مصر ، صفحہ ۳۲۲)۔

چنانچہ یہ حقیقت واضح ہے کہ اس حدیث کے لفظ ''اغلاق'' کے معنی ''اکراہ'' رسول اللہ صلعم کی کسی دوسری حدیث سے ثابت نہیں. لیکن اگر آثار صحابہ کو ضعیف الروایت ہونے کے باوجود صرف تاریخی حیثیت سے تسلیم کر کے اجماع صحابہ کے ذریعہ اغلاق کے معنی اکراہ مراد لیے جائیں تو ایک مشکل یہ درپیش آتی ہے کہ ان آثار میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جس طرح طلاق بالجبر کا واقع نہ ہونا مروی ہے اسی طرح آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ طلاق بالجبر واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جہاں تک علمائے اسلام کے اجماع کا تعلق ہے خود حنفیہ اور دیگر مکاتیب فکر کے درمیان اختلاف رائے اس امر پر دلالت کے لیے کافی ہے کہ امام شافعی کے بقول ''اجماع علماء'' پر محمول کر کے یہ قرار نہیں دیا جا سکتا کہ طلاق بالجبر واقع نہیں ہوتی۔

وجہ اختلاف :

فقہاء کے درمیان اس اختلاف آراء کا سبب یہ ہے کہ جن فقہاء کے نزدیک طلاق مکرہ واقع ہو جاتی ہے وہ مکرہ (شخص مجبور) کو بااختیار تصور کرتے ہیں کیوں کہ وہ جبر و اکراہ کے باوجود الفاظ طلاق کے استعمال کرنے یا نہ کرنے پر قادر و مختار ہے۔ ان کے نزدیک شخص مجبور اس شخص کو کہا جائے گا جو اس فعل کے کرنے پر مطلقاً قادر و مختار نہ ہو۔

جن فقہاء کے نزدیک طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی ان کے نزدیک جبر کی صورت میں اس شخص کو شرعاً مجبور کہا جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے الفاظ طلاق بالارادہ و بہ رضامندی استعمال نہیں کیے بلکہ اکراہ اور جبر کے ساتھ کیے ہیں۔[۱۷۱]

---

(۱۷۱) بدایۃ المجتہد، ابن رشد (۵۹۵ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۹ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۸۳ - ۸۱ -

فقہاء کے عقلی دلائل کا جائزہ :

جہاں تک فقہاء کے عقلی دلائل کا تعلق ہے ان کا دار و مدار اختیار کے وجود ، اس کی نوعیت اور استعمال پر موقوف ہے ۔ کتب فقہ میں اختیار کی تعریف ''الاختیار ھو الذی یعتبر التصرف الشرعی'' کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے یعنی ''اختیار وہ ہے جو شرعی تصرف کو قابل اعتبار بناتا ہے ۔''

دیکھنا یہ ہے کہ جس شخص کو مجبور کرکے طلاق دلوائی جا رہی ہے کیا اس میں اختیار موجود ہے ؟ نیز یہ کہ کیا وہ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق اس اختیار کے استعمال کی کامل قدرت رکھتا ہے ؟ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شخص مجبور پر اس وقت ایک دباؤ ہوتا ہے ، اس کے اختیار پر ایک بندش عائد کر دی جاتی ہے وہ اس اختیار کا مالک نہیں ہوتا جو اس دباؤ اور بندش کے بغیر اس کو حاصل تھا ۔ اس کی نوعیت اس دباؤ اور بندش کے سبب ایک کامل اور آزاد اختیار کی بجائے فاسد اور جبری اختیار کی ہو جاتی ہے اور وہ اپنے اصلی اختیار کے استعمال پر اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق استعمال کرنے کی قدرت اور اختیار سے محروم ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ جب شرعی تصرفات کا دار و مدار اختیار پر ہے اور جبر سے انسان کا اختیار فوت ہو چکا یا سلب کیا جا چکا یا کم از کم فاسد ہوگیا تو اس کا تصرف غیر معتبر قرار دیا جانا چاہیے ۔

نتیجۂ فکر :

ائمہ کے مذکورہ بالا دلائل سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ طلاق مکرہ کے وقوع کے سلسلے میں حنفیہ کے دلائل اپنے دامن میں فقہی موشگافیوں کو لئے ہوئے ہیں ۔ اس کے برخلاف ائمہ ثلاثہ کے دلائل

بحیثیت مجموعی واضح اور قریب الفہم ہیں نیز یہ کہ اتباع سلف کے لحاظ سے بھی ائمہ ثلاثہ کے نقطۂ نظر کی جانب سلف کی اکثریت پائی جاتی ہے ۔

چنانچہ پورے مسئلہ کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ صحت طلاق کے لیے بلوغ ، عقل اور اختیار کا ہونا لازمی ہے ۔ طلاق مکرہ میں اختیار فاسد ہی نہیں بلکہ معدوم ہو جاتا ہے اس لیے طلاق مکرہ کے واقع ہونے کا حکم ہر حال میں نہیں لگایا جا سکتا ۔ البتہ طلاق مکرہ کے واقع نہ ہونے کا حکم صرف اس صورت میں دیا جانا چاہیے جبکہ ضرر کا تعلق شخص مجبور یا اس کے متعلقین سے ہو اور اس کا حقیقی خطرہ درپیش ہو اور شخص مجبور کی نیت طلاق دینے کی نہ ہو ۔ ضرر کے غیر معمولی اور خطرہ کے حقیقی ہونے کا فیصلہ عدالت کو ہر مقدمہ کے مخصوص حالات کے پیش نظر کرنا چاہیے ۔

عدالتوں کا نقطۂ نظر :

ہند و پاکستان کی عدالتوں نے ، جبکہ فریقین حنفی العقیدہ ہوں ، حنفی نقطۂ نظر کو اختیار کرتے ہوئے طلاق بالجبر کے واقع ہونے کے فیصلے دیے ہیں چنانچہ بمقدمہ ابراھیم مولا بنام عنایت الرحمن[۱۷۲] یہ قرار دیا گیا کہ طلاق مکرہ واقع ہو جاتی ہے ۔ فاضل جج نے اپنے فیصلے میں ھدایہ سے استناد کیا ۔ کلکتہ ھائی کورٹ نے بھی بمقدمہ زرینہ اختر خاتون بنام حفیظ الدین خاں بیلی[۱۷۳] کی ڈائجسٹ آف محمڈن لاء کا حوالہ دیتے ہوئے طلاق مکرہ کا واقع ہونا قرار دیا ۔ الہ آباد ھائی کورٹ کے جسٹس سرشاہ سلیمان نے بمقدمہ نور بی بی و دیگر بنام علی احمد و دیگران[۱۷۴]

---

(۱۷۲) Ebrahim Moolah V. Enayatur Rahman, (1869) 12, Sutherland Weekly Reports, 460.

(۱۷۳) Zarina Akhtar Khatun V. Hafeezuddin Khan, AIR 1926, Cal. 242.

(۱۷۴) AIR 1925, All, 450 ; 88 IC 408,

حنفیوں کے اس نقطۂ نظر کا ذکر کرتے ہوئے کہ طلاق مکرہ واقع ہو جاتی ہے ایک سوال یہ اٹھایا کہ کیا وقوع طلاق مکرہ کو مصلحت عامہ کے خلاف قرار دیا جا سکتا ہے ؟ لیکن فاضل جج نے خود اس مسئلہ میں کوئی رائے دینے سے پہلو تہی کی ۔ تاہم اس امر کے اظہار میں کوئی باک نہیں ہونا چاہیے کہ طلاق مکرہ کے وقوع کو ”علی کلّ حال“ جیسا کہ حنفیوں کا نقطۂ نظر پایا جاتا ہے جائز اور نافذ قرار دینا مصلحت عامہ کے خلاف بھی ہو سکتا ہے ۔

اسلامی ممالک میں طلاق کی بابت قانون :

عراق ۔[۱۷۵] مصر ۔[۱۷۶] مراکش ۔[۱۷۷] اردن ۔[۱۷۸] اور سوڈان میں طلاق مکرہ کو پارلیمان کے منظور کردہ قوانین کے تحت غیر واقع قرار دیا جا چکا ہے اور اسی پر عمل درآمد ہو رہا ہے ۔ اس سلسلہ میں ان اسلامی ممالک میں رائج الوقت قانونی دفعات مطلق ہونے کے سبب ناقص ہیں اور فقہی مباحث پر حاوی نہیں کہیں جا سکتیں ۔

تجویز

مناسب ہوگا ، اگر پاکستان میں بھی طلاق مکرہ کے سلسلے میں مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں قانون سازی کی جائے اور طلاق مکرہ کو غیر نافذ قرار دیا جائے ۔

---

(۱۷۵) ”لا یقع طلاق.........والمکرہ“ (قانون الاحوال الشخصیہ ، عراق ، نمبر ۱۸۸ مجریہ ۱۹۵۹ع ، دفعہ ۳۵) ۔

(۱۷۶) ”لا یقع طلاق السکران والمکرہ“ (قانون المصری ، نمبر ۲۵ بابت ۱۹۲۹ع ، دفعہ ۱۵) ۔

(۱۷۷) ”لا یقع طلاق السکران الطافح والمکرہ“ (مدونة الاحوال الشخصیہ ، مراکش فصل ۴۹) ۔

(۱۷۸) ”والطلاق الواقع بالاکراہ غیر معتبر“ (قانون حقوق العائلة ، اردن ، صفحہ ۳۸) ۔

طلاق مکرہ کا اقرار

۱۰۶ طلاق مکرہ کا اقرار خواہ زبانی ہو یا تحریری غیر نافذ ہوگا۔

تشریح

تمام فقہاء اس بارے میں متفق ہیں کہ اقرار طلاق (کہ اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے) جو بالجبر حاصل کیا گیا ہو غیر نافذ ہے کیونکہ فی الحقیقت اس نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی بلکہ وہ جبر کے زیر اثر ایک غلط بات کہہ رہا ہے۔ چونکہ اصلاً طلاق کا کوئی وجود نہیں اس وجہ سے رشتۂ زوجیت منقطع نہیں ہو سکتا۔ بحر الرائق میں لکھا ہے کہ اس صورت میں عدم وقوع طلاق دیانتاً یعنی مابین بندہ اور اس کے خدا ہوگا لیکن قضاءً واقع ہونے کا حکم دیا جائے گا۔

عدالتی نقطۂ نظر:

کلکتہ ہائی کورٹ نے بمقدمہ زرینہ اختر خاتون بنام حفیظ الدین خاں یہ قرار دیا کہ طلاق کا اقرار جو بالجبر حاصل کیا گیا ہو اپنے حکم میں طلاق کا اثر نہیں رکھتا اور اس سے رشتۂ زوجیت ختم نہیں ہو سکتا۔[۱۸۰] جسٹس سرشاہ سلیمان نے بھی مقدمہ نور بی بی بنام علی احمد یہ قرار دیا کہ بالجبر اقرار طلاق فی‌الحقیقت الفاظ طلاق ادا کرنے سے مختلف چیز ہے چنانچہ فاضل جج نے اس اقرار کو جو بالجبر حاصل کیا گیا تھا غیر نافذ قرار دیا۔[۱۸۱]

تحریری طلاق

۱۰۷۔ تحریری طلاق بالجبر باطل ہوگی۔

تشریح

تمام ائمہ بشمول امام ابو یوسف و امام محمد اس امر میں متفق

---

(۱۷۹) بحر الرائق، ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۳، ص ۲۶۳۔
(۱۸۰) Zarina Akhtar Khatun V. Hafizuddin Khan, AIR 1926, Cal 242.
(۱۸۱) Nur Bibi V. Ali Ahmad, 1925 All 450=88 IC 408.

ہیں کہ جو طلاق جبراً تحریر کرائی جائے وہ نافذ نہ ہوگی ۔[۱۸۲] ان کی دلیل یہ ہے کہ تحریری طلاق زبانی طلاق کے مقابلے میں ضرورتاً جائز ہے اور چونکہ یہاں ضرورت نہ تھی اس لیے طلاق جائز نہیں ۔ بالفاظ دیگر اگر تحریر ضرورتاً ہو مثلاً گونگے کی طلاق تو امام ابو حنیفہ و صاحبین کے نزدیک واقع ہو جائے گی ۔ چنانچہ جب فقہاء کے نزدیک بلا ضرورت تحریر سے طلاق کا وقوع نہیں ہوتا تو جو طلاق جبراً تحریر کرائی جائے وہ بدرجۂ اولیٰ واقع نہ ہوگی

---

(۱۸۲) ردالمحتار مع درالمختار ' ابن عابدین (۱۲۵۲ھ) ' مطبوعہ مصر ' ۱۲۵۶ھ ' جلد ۲ ' صفحہ ۴۳۲ ۔
بحرالرائق ' ابن نجیم ' (۹۷۰ھ) ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۱۱ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۲۶۴ ۔

تیرھواں باب

رجعت، بینونت صغریٰ و بینونت کبریٰ (مغلظہ)

رجعت

۱۰۸ - زوجہ کو ایک یا دو طلاق رجعی دینے کی صورت میں شوہر کو بلا مرضی زوجہ اور بلا نکاح یا مہر جدید قولاً یا فعلاً اپنی زوجہ سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا، بشرطے کہ بوقت رجوع عدت ختم نہ ہوئی ہو -

تشریح

رجعت نکاح کو حسب سابق قائم رکھنے کا نام ہے -

فقہی اصلاح میں مرد کا اپنی زوجہ مطلقہ سے بقیام نکاح و بدوران عدت و بلا رضا مندی زوجہ و بغیر مہر جدید ملکیت استمتاع کا بذریعہ قول و فعل دوام چاہنا ''رجعت'' کہلاتا ہے - الفاظ قرانی '' فامسکوھن بمعروف'' میں امساک ، یعنی روکنا ، عبارت ہے استدامت ملک قایم سے نہ کہ اعادۂ ملک زائل سے --- اور یہ بغیر عوض اس لیے ہے کہ شوہر اپنی اُس ملکیت استمتاع میں تصرف کر رہا ہے جو قائم ہے اور بوقت رجوع زائل نہیں ہوئی -[1]

---

(۱) غایۃالاوطار (اردو ترجمہ) درالمختار ' علاؤالدین حصکفی (۱۰۸۸ھ) مطبوعہ نول کشور ' لکھنؤ ' جلد ۲ ' صفحہ ۱۶۲ -

تعریفات (دیگر) :

حنفیہ : الرجعۃ : ''ابقاءالنکاح علی ماکان دامت فی العدۃ'' (بحرالرائق' ابن نجیم مطبعۃ العلمیہ ' قاہرہ ' جلد ۵ ' صفحہ ۵۴) -

مالکیہ : الرجعہ : عودالزوجۃ المطلقۃ للعصمۃ من غیر تجدید عقد'' (شرح الدسوقی علی مختصر خلیل ' مصر ' ۱۲۹ ہجری ' جلد ۲ ' صفحہ ۴۸۵) -

(باقی اگلے صفحہ پر)

مرد کا حق رجوع :

جب مرد اپنی زوجہ کو طہر میں یا حیض میں یا مجامعت کرنے کے بعد طلاق رجعی دے دے تو وہ عدت کے اندر اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول کریم صلعم نے حضرت سودہ کو ''اعتدی'' (عدت شمار کر) کا لفظ فرما کر طلاق دی اور اور پھر عدت کے اندر رجوع فرمایا ۔ اسی طرح آنحضرت صلعم نے حضرت حفصہ کو طلاق رجعی دی پھر مجامعت کے ذریعہ رجوع فرمایا ..... کیونکہ جب تک عدت باقی ہے نکاح باقی رہتا ہے ۔

اگر عدت کا زمانہ ختم ہو جائے تو پھر شوہر کو رجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا ۔ اور زوجہ سے شوہر کا رشتۂ ازدواج منقطع ہو جاتا ہے ۔ چونکہ عدت گذر جانے کے سبب ملکیت نکاح ساقط ہو جاتی ہے اور جو شے ساقط ہو جائے پھر لوٹ کر نہیں آسکتی ۔ البتہ فریقین بعدہ باھمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں ۔

رجوع کا طریقہ :

اگر مرد عدت کے اندر اپنی زوجہ سے رجوع کرنا چاہے تو اس کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ وہ پہلے گواہوں کی موجودگی میں اپنی زبان سے رجوع کرنے کا لفظ کہہ دے ۔

(بقیہ حاشیہ)

شافعیہ : "الرجعة : ردالمرأة الی النکاح من طلاق غیر بائن فی العدۃ" (نہایة المحتاج ' ابن رملی ' مطبعة البابی ' ۱۹۳۸ع ' جلد ۶ ' صفحہ ۱۴۷) ۔

حنبلیہ : الرجعة : من طلق بلا عوض من دخل بھاودون ما یملکہ من العدد فلہ رجعتہا مادامت فی عدتہا" (الفروع ' محمد بن مفلح ' مطبعة المنار قاھرہ جلد ۳ ' صفحہ ۲۲۸) ۔

زیدیہ : الرجعة : "الردالی نکاح فی عدة طلاق غیر بائن" (التاج المذھب' قاضی احمد بن قاسم العنسی ' قاھرہ ' ۱۹۳۸ع ' جلد ۲ ' صفحہ ۲۱۶) ۔

معاوضہ رجعت :

رجعت کے لیے کسی معاوضے کی ضرورت نہیں ، کیونکہ رجعت کے ذریعہ اسی چیز کو جو پہلے سے موجود ہے (یعنی نکاح) آئندہ برقرار رکھا جاتا ہے ۔ لہٰذا اس کے لیے معاوضہ کی ضرورت نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ رجوع کرنے کے لیے عورت کی رضامندی بھی ضروری نہیں ۔

رجعت کا حق صرف شوہر کو حاصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رجعت کا حق صرف شوہر کو دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

''و بعولتھن احق بردھن فی ذالک'' یعنی ان کے شوہر ان سے رجوع کرنے کے زیادہ حقدار ہیں ۔

طلاق رجعی اور صحبت ۔

امام سرخسی لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ ''وبعولتھن احق برد ھن فی ذالک'' میں ''بعل'' کے معنی شوہر کے ہیں ۔ طلاق رجعی دینے کے بعد شوہر کے لیے ''بعل'' کا لفظ استعمال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ رشتہ ازدواج ابھی باقی ہے ۔ اور ''بعل'' کو جب باب مفاعلۃ میں تبدیل کریں گے تو ''مباعلہ'' ہو جائے گا ۔ جس کے معنی ہیں مجامعت کرنا ۔ آیت میں اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ طلاق رجعی دینے کے بعد شوہر کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ عدت کے اندر اپنی بیوی سے مجامعت کرے ۔ احناف علماء کا مسلک بھی یہی ہے کہ طلاق رجعی کے کے بعد عدت کے اندر مرد کا اپنی بیوی سے مجامعت کرنا جائز ہے البتہ مستحب طریقہ یہ ہے کہ شوہر پہلے دو گواہوں کی موجودگی میں زبانی رجوع کرے ، اس کے بعد مجامعت کرے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رجوع کرنے سے پہلے مرد کو اپنی بیوی سے مجامعت کرنا جائز نہیں ۔ اسی لیے وہ رجعت کرنے کے وقت دو گواہوں کا موجود ہونا

واجب قرار دیتے ہیں ۔ امام شافعی کے نزدیک مرد کا اپنی مطلقہ بیوی سے مجامعت کرنا اسی وقت جائز ہوگا جب وہ اپنی بیوی سے عدت کے اندر دو گواہوں کی موجودگی میں زبانی رجوع کرلے ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں آیۃ کریمہ ''ان ارادوا اصلاحاً'' یعنی اگر (زوجین) اصلاح کا ارادہ کریں اور اصلاح اسی وقت ممکن ہے جب فساد پایا جائے اور یہاں ملک نکاح ہونے کی وجہ سے فساد نہیں ہے لہٰذا اصلاح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ مجامعت حرام ہونے کی وجہ سے فساد پیدا ہوتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ ملک نکاح حاصل ہونے کے باوجود مجامعت کرنا حرام ہو جیسے وہ شخص جس نے اپنی لونڈی مکاتبہ کی ہو (یعنی اس شخص نے اپنی لونڈی سے کہا ہو کہ اگر تو اتنی رقم ادا کر دے گی تو تو آزاد ہے) ایسی صورت میں مالک کو اپنی مکاتبہ لونڈی سے مجامعت کرنا جائز نہیں ہے باوجودیکہ مکاتبہ کرنے کے بعد مالک کو اپنی مکاتبہ لونڈی کی ملکیت اس وقت تک حاصل رہتی ہے جب تک کہ لونڈی پوری رقم ادا نہ کر دے ۔ اس لیے اپنی مطلقہ بیوی سے عدت کے اندر رجوع کی صورت میں جدید مہر کی ضرورت نہیں ہوتی ۔

اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃاللہ علیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ چونکہ طلاق واقع ہو جاتی ہے اس لیے مطلقہ بیوی سے مجامعت کرنا جائز نہیں ۔ لیکن اس مسئلہ میں احناف کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رجعت کو ''امساک'' فرمایا ہے ۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ملک نکاح غیر مشروط طور پر ابھی باقی ہے اور جب نکاح کا تعلق ابھی باقی ہے تو مجامعت کرنا بھی جائز ہونا چاہیے کیونکہ ملکِ نکاح باقی رہنے کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ مجامعت کرنا حلال ہے ۔

ملک نکاح باقی رہنے کی (ایک اور) دلیل یہ ہے کہ مرد اس (عورت) پر کئی قسم کے تصرفات کر سکتا ہے، جیسے ظہار، ایلا اور لعان۔ نیز اگر عدت کے زمانے میں دونوں میں سے ایک مر جائے تو دوسرا وارث ہوگا اور عدت کے زمانہ میں مرد اپنی بیوی سے معاوضہ لے کر خلع بھی دے سکتا ہے اور مرد کو خلع دینے کا اختیار اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ ملک نکاح باقی ہو۔ اس کے علاوہ یہ کہ رجوع کر لینے کے بعد مرد کو اپنی بیوی سے مجامعت کرنا بھی حلال ہے۔ یہاں رجعت بذات خود مجامعت کے حلال ہونے کا سبب نہیں ہے کیونکہ رجوع کرنے کے لیے نہ تو جدید مہر کی ضرورت ہے اور نہ بیوی کی رضامندی ضروری ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک طلاق دینے کے بعد دوسری طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے جس طرح دوسری طلاق دینے کے بعد ملک نکاح زائل نہیں ہوتی اسی طرح پہلی طلاق سے بھی ملک نکاح زائل نہیں ہوتی۔ کیونکہ ملک نکاح تو صرف اسی صوررت میں زائل ہو سکتی ہے جب تین طلاقیں پوری ہو جائیں البتہ ایک طلاق یا دو طلاق کی صورت میں ملک نکاح کا زائل ہونا اس بات پر موتوف رهتا ہے کہ عدت کا زمانہ ختم ہونے سے پہلے رجوع نہ کیا جائے اور عدت کا زمانہ گزر جائے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز کسی شرط پر موقوف ہوتی ہے وہ شرط کے موجود ہونے سے پہلے معدوم ہوتی ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے رجوع کرنے کے عمل کو ''رد'' اور ''اصلاح'' کے لفظ سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ رجعت کرنے کے بعد عورت کی پہلی حالت عود کر آتی ہے اور عدت کا زمانہ گزر جانے کے بعد بھی وہ نکاح کا محل باقی رہتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ رجوع کرنے کی وجہ سے مرد کو ملک نکاح دوبارہ حاصل ہوتی ہے بلکہ وہ تو رجوع کرنے سے پہلے بھی حاصل ہے۔ رجوع کرنے کا نتیجہ صرف یہ ہوتا ہے کہ وہی ملک نکاح باقی رہتی ہے جو

رجوع کرنے سے پہلے شوہر کو حاصل تھی۔

ملک نکاح باقی رہنے کی صورت میں طلاق کا واقع ہونا مجامعت حرام ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی بلکہ جس طرح رجوع کرنے سے پہلے مجامعت کرنا حلال ہے اسی طرح رجوع کرنے کے بعد بھی مجامعت کرنا حلال ہے کیونکہ اگر مجامعت کا حرام ہونا طلاق کی وجہ سے ہوتا تو جب ایک مرتبہ مجامعت حرام ہوگئی تو پھر رجوع کرنے کے بعد وہ کیسے حلال ہو سکتی ہے ؟ لہٰذا یہاں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ طلاق رجعی ہو جانے سے مجامعت حرام نہیں ہوتی کیونکہ اگر طلاق کے بعد مجامعت کرنا حرام ہو جائے گا تو عدت کا تعین بے سود ہوگا کیونکہ اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ مرد اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد رجوع ہی نہیں کر سکتا۔

احناف کی بنیاد :

چنانچہ احناف کے نزدیک مرد کا اپنی بیوی سے عدت کے اندر جماع کر لینا رجوع کرنے کا حکم رکھتا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جماع کے ذریعے رجوع نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ رجوع کرنے کو نکاح کی مانند سمجھتے ہیں چنانچہ ان کے نزدیک جس طرح نکاح زبان سے کہے بغیر منعقد نہیں ہوتا اسی طرح رجوع بھی اسی وقت ہو سکتا ہے جب مرد اپنے قول (طلاق) سے رجوع کر لے۔ یہ اختلاف آراء اسی بنیاد پر ہے جس کا بیان پہلے گزر چکا کہ امام شافعی کے نزدیک زبانی رجوع کرنے کے بعد ہی جماع حلال ہو سکتا ہے اور طلاق دینے سے ملک نکاح میں جو خلل پیدا ہو جاتا ہے اس کی تلافی رجوع کرنے ہی سے ہو سکتی ہے لہٰذا امام شافعی کے نزدیک زبانی رجوع کرنے سے پہلے جماع کرنا حرام ہے اور ہمارے نزدیک چونکہ

رجوع کرنے سے پہلے ملک نکاح باقی رہتی ہے لہٰذا قول کی نسبت ایسے عمل سے ملک نکاح بطریق اولیٰ باقی رہنی چاہیے جو ملک نکاح کا مقصد ہے یعنی جماع۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایلاء میں رجوع کرنا کیونکہ ایلاء کی صورت میں جب مرد عدت کے اندر رجوع کر لے تو پھر ایلاء سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور جیسا کہ معلوم ہے کہ ایلاء کی صورت میں جماع کے ذریعہ رجوع کیا جاتا ہے یہی حال طلاق دینے کے بعد رجوع کرنے کا ہے۔

رجوع کی مستحسن صورت :

بہر حال رجوع کرنے کی مستحسن صورت یہ ہے کہ مرد رجوع کرنے پر دو گواہ بنا لے یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کیونکہ جب ان سے ایسے شخص کے بارے میں فتویٰ لیا گیا جس نے اپنی بیوی سے مجامعت کر لی تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص نے طلاق دینے اور رجوع کرنے دونوں کاموں میں سنت کی خلاف ورزی کی کیونکہ مسنون طریقہ یہ تھا کہ پہلے دو گواہوں کی موجودگی میں وہ زبانی رجوع کرتا پھر مجامعت کرتا۔

رجعت فعلی کی چند صورتیں :

اگر مرد عدت کے اندر شہوت کے ساتھ اپنی مطلقہ بیوی کا بوسہ لے لے یا مساس کرے یا شہوت کے ساتھ اس کی شرم گاہ کو دیکھے تو ان تمام صورتوں میں رجوع ثابت ہوگا۔ کیونکہ مرد جس طرح جماع کے ذریعہ ملک نکاح کو باقی رکھتا ہے اسی طرح مذکورہ بالا اعمال سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ملک نکاح کو باقی رکھنا چاہتا ہے جیسا کہ حرمت مصاہرت میں اس قسم کے افعال جماع کے حکم میں داخل ہیں۔

اگر مرد اپنی مطلقہ بیوی کی شرم گاہ کے سوا اس کے جسم کا کوئی

اور عضو دیکھے تو وہ رجوع کرنا متصور نہ ہوگا، کیونکہ دوسرے اعضاء کا دیکھنا بیوی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے ظاہری اعضا تو دیگر عورتوں کے بھی دیکھے جاتے ہیں۔ دوسرے اس لیے کہ دوسرے اعضاء کے دیکھنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی نیز اس لیے بھی کہ عورت کی شرم گاہ کو دیکھنا شہوت انگیز ہے اور ظاہری اعضا کا دیکھنا شہوت انگیز نہیں ہوتا البتہ اگر مرد اپنی مطلقہ بیوی کی شرم گاہ کو شہوت کی نظر سے نہ دیکھے تو ایسے دیکھنے سے رجوع کرنا نہ پایا جائے گا کیونکہ یہ ملک نکاح کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ دائی وغیرہ بھی عورت کی شرم گاہ کو دیکھتی ہے حالانکہ اسے ملک نکاح حاصل نہیں ہوتی۔

رجعت — عورت کے فعل سے :

اگر کسی شخص کی مطلقہ بیوی عدت کے اندر شہوت کے ساتھ اپنے شوہر کا بوسہ لے لے یا مساس کرے یا شہوت کی نظر سے اپنے شوہر کی شرم گاہ کو دیکھے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رجوع کرنا ثابت ہوگا لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک عورت کا یہ فعل رجعت شمار نہ ہوگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ ملک نکاح مرد کو حاصل ہوتی ہے نہ کہ عورت کو لہذا عورت کے اس فعل سے رجعت ثابت نہ ہوگی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ فعل مرد کرے یا عورت کرے دونوں کا حکم ایک ہے۔ کیونکہ حظ نفس کا مفاد دونوں میں مشترک ہے جیسا کہ حرمت مصاہرت میں ایسا اقدام مرد کرے یا عورت، دونوں صورتوں میں حرمت مصاہرت ثابت ہوگی۔ یہی حکم رجوع کرنے کا ہے۔ لیکن عورت کے فعل سے رجعت اس وقت ثابت ہوگی جب مرد اس بات کی تصدیق کرے گا کہ عورت نے یہ فعل شہوت کے ساتھ کیا ہے اور اگر عورت کہے میں نے یہ فعل

شہوت کے ساتھ کیا ہے اور مرد اس سے انکار کرے تو رجعت ثابت نہ ہوگی ایسی صورت میں اگر دو شخص اس بات کی گواہی بھی دے دیں کہ عورت نے یہ فعل شہوت کے ساتھ کیا ہے تب بھی رجعت ثابت نہ ہو گی کیونکہ عورت کی شہوت کا علم تو گواہوں کو عورت ہی کے کہنے سے ہوا ہے۔ چونکہ ایسی صورت میں مرد کی تصدیق کے بغیر عورت کا قول قابل قبول نہیں لہذا رجعت ثابت نہ ہو گی۔

رجعت مشروط نہیں ہو سکتی:

رجعت کو کسی شرط پر موقوف کرنا یا کسی وقت کے ساتھ مقید کرنا باطل ہو گا۔ چنانچہ اگر مرد کہے کہ میں کل رجوع کروں گا یا فلاں وقت رجوع کروں گا تو رجعت ثابت نہ ہوگی کیونکہ رجعت کا مقصد ملک نکاح کو باقی رکھتا ہے لہذا اسے کسی شرط پر موقف کردینا باطل ہو گا۔

رجعت کے بارے میں مرد کا قول:

اگر مرد اپنی بیوی سے کہے کہ میں تجھ سے کل رجوع کر چکا ہوں اس صورت میں اگر مرد یہ الفاظ اس وقت کہے کہ جب عدت کا زمانہ باقی ہو تو مرد کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ ایسے کام کی خبر دے رہا ہے جو اب بھی اس کے اختیار میں ہے یعنی رجوع کرنا۔ اور اگر مرد یہ الفاظ عدت گزرنے کے بعد کہے تو اس کا قول معتبر نہ ہوگا کیونکہ وہ یہ خبر ایسے وقت دے رہا ہے جب اس کو رجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہا۔ اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ مرد کے قول میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہے لہذا اگر وہ یہ الفاظ عدت کے اندر کہے جب کہ اسے ابھی رجوع کرنے کا اختیار باقی ہے تو وہ جھوٹ کیوں بولے گا لہذا اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا لیکن اگر وہ شخص

یہ الفاظ عدت گزرنے کے بعد کہے تو چونکہ اس وقت اس شخص کو رجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہا لہذا ممکن ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہو، لہذا اس کا قول معتبر نہ ہو گا۔ اس کی مثال وکیل بالبیع جیسی ہے، کہ اگر وکیل معزول کیے جانے سے پہلے کہے کہ میں نے فلاں چیز فروخت کر دی تو اس کا قول معتبر ہو گا اور اگر وہ معزول ہونے کے بعد یہ بات کہے تو اس کا قول معتبر نہ ہو گا۔ اسی طرح رجعت کی صورت ہے کہ اگر مرد عدت گزرنے کے بعد کہے کہ میں کل اپنی بیوی سے رجوع کر چکا ہوں اور اس کی بیوی اس کی تصدیق کر دے تو اس کا قول معتبر ہوگا کیونکہ دونوں میں سے ایک کا قول تو ضرور سچا ہو گا لہذا جب دونوں نے رجعت کو تسلیم کر لیا تو رجعت ثابت ہوگئی۔

لیکن جب مطلّقہ عورت کی عدت کا زمانہ گزر جائے اور شوہر یہ بات ثابت کرنے کے لیے دو گواہ پیش کر دے کہ اس نے عدت کے اندر رجوع کر لیا تھا تو رجوع ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ گواہوں کا ثبوت بھی ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کوئی چیز مشاہدہ سے ثابت ہو جائے۔ یہ عجیب و غریب مسئلہ ہے کیونکہ اس میں گواہوں کے ذریعے ایسی چیز ثابت کی جا رہی ہے جو خود اس کے اقرار سے قابل قبول نہیں سمجھی جاتی۔ چنانچہ اس مسئلہ میں اگر مرد عورت سے حلف لینا چاہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کو قسم کھانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا لیکن امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس صورت میں عورت کے لئے قسم کھانا لازمی ہوگا کیونکہ یہ قسم رجوع کرنے کے معاملے میں لی جاتی ہے۔

اگر یہاں یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ اگر عورت

عدت ختم ہونے کا دعویٰ کرے تو اس سے قسم لی جائے اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو شوہر کو رجوع کرنے کا حق دیا جائے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تو عورت سے عدت ختم ہونے کی قسم لی جاتی ہے پس اگر عورت قسم کھانے سے انکار کر دے تو عدت باقی رہے گی اور مرد رجوع کرسکتا ہے اور پہلے مسئلہ میں نفس رجعت محل نزاع ہے۔

رجعت اور ختم حیض:

جب مطلقہ عورت تیسرے حیض سے پاک ہو گئی ہو مگر ابھی اس نے غسل نہ کیا ہو تو اس حالت میں مرد رجوع کر سکتا ہے مگر اس حالت میں اس وقت رجوع کر سکتا ہے جب عورت کو تیسرا حیض دس روز سے کم آیا ہو۔ لیکن اگر عورت کو دس روز حیض آیا ہو تو چونکہ دس روز میں اس کے حیض کا ختم ہونا یقینی ہو جاتا ہے لہذا ایسی صورت میں مرد رجوع نہیں کر سکتا۔ اگر اسے دس روز سے کم حیض آیا ہو تو یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا حیض ختم ہو چکا ہے، کیونکہ ممکن ہے اسے پھر خون آ جائے لہٰذا یہ وقت زمانۂ عدت میں شمار ہوگا اور رجوع کرنا جائز ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ مرد کو رجوع کرنے کا اختیار اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ عورت غسل نہ کر لے یا نماز پڑھنے کے قابل نہ ہو جائے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وہ نماز پڑھنے کے قابل اسی وقت ہو سکتی ہے جب غسل کر لے گی لیکن اگر عورت غسل کرنے میں اتنی تاخیر کر دے کہ قریب ترین نماز کا وقت گزر جائے تو احناف کے نزدیک مرد کو رجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا لیکن امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں بھی مرد کو رجوع کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے۔ وہ صحابہ کرام کے اس قول پر عمل کرتے ہیں ''مالم تحلّ لها الصلوٰة'' یعنی مرد اس وقت تک رجوع کر سکتا ہے جب تک عورت

کے لیے نماز پڑھنا حلال نہ ہو ۔ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسی صورت میں اس لئے بھی مرد کو رجوع کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے کہ غسل کرنے سے پہلے خون آنے کا شبہ باقی رہتا ہے۔ لیکن احناف کی دلیل یہ ہے کہ نماز کا وقت گزر جانے کے بعد وہ نماز عورت کے ذمہ واجب الادا ہوتی ہے کیونکہ حیض سے پاک ہونے والی عورت کا یہی حکم ہے ۔ جب اس حکم کی روشنی میں اصل مسئلہ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ غسل کرنے سے پہلے بھی خون کا آنا ایسا ہی یقینی ہوتا ہے جیسا کہ غسل کرنے کے بعد خون کے نہ آنے کا یقین ہوتا ہے ۔ چنانچہ جس طرح غسل کرنے کے بعد خون آنے کے شبہ کا اعتبار نہیں اسی طرح غسل کرنے سے پہلے بھی خون آنے کے شبہ کا اعتبار نہ ہونا چاہیے اور صحابہ کرام کے قول مذکور میں '' تحل لھا الصلٰوۃ '' ہے یعنی جس وقت عورت پر نماز فرض ہو جائے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے اللہ تعالی کے '' اولئک لھم اللعنۃ '' میں ''لھم اللعنۃ'' سے مراد ''علیھم اللعنۃ'' ہے۔ فرض کیجیے کہ اگر عورت شوہر کے رجوع کر لینے کی امید پر ایک مہینے تک غسل نہ کرے تو کیا اتنے عرصے تک مرد کو رجوع کرنے کا اختیار باقی رہے گا ؟

جب مطلّقہ عورت کہے کہ میری عدت ختم ہو گئی اور یہ قول وہ ایسے وقت کہے جب اس کے تین حیض پورے نہ ہوسکتے ہوں تو اس صورت میں اس عورت کا اعتبار نہ ہو گا کیونکہ سچے آدمی کی خبر اسی وقت قابل اعتبار ہوتی ہے جب وہ ناممکن نہ ہو لیکن جب وہ ناممکن چیز کی خبر دے تو وہ قابل اعتبار نہیں ۔

رجعت بذریعہ خلوت :

اگر مرد اپنی مطلقہ بیوی کے ساتھ خلوت میں بیٹھ جائے تو رجعت ثابت

نہ ہوگی کیونکہ خلوت میں بیٹھنا ملک نکاح کے لیے مخصوص نہیں ہے مرد کے محرم عورتوں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے سے یہ بات ثابت نہ ہوگی کہ اس نے رجعت کر لی اور ملک نکاح باقی رکھی۔

عورت کی لاعلمی میں رجوع :

اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو طلاق دے اور اپنی بیوی سے پوشیدہ رکھے پھر اپنی بیوی کو خبر کیے بغیر اس سے رجوع بھی کر لے تو ایسی صورت میں وہ اس کی بیوی رہے گی کیونکہ طلاق دینا اور رجوع کرنا دونوں کام مرد کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ رجوع کرنے پر دو گواہ نہیں بنائے اس لیے اس نے سنت کی خلاف ورزی کی کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے گواہ بنانے کا ثبوت ملتا ہے کہ جب انھوں نے اپنی بیوی سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا تو دو گواہ بنا لیے پھر اپنی بیوی کے پاس گئے۔

طلاق رجعی اور میراث :

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے اور عدت کے اندر دونوں میں سے ایک مر جائے تو دوسرا اس کا وارث ہوگا کیونکہ جب تک عدت ختم نہ ہو جائے رشتہ ازدواج باقی رہتا ہے اس صورت میں ایک طلاق اور دو طلاق میں کوئی فرق نہیں۔

کتابیہ بیوی سے رجوع :

مرد جس طرح عدت کے اندر اپنی مسلمان بیوی سے رجوع کر سکتا ہے اسی طرح کتابیہ بیوی سے بھی رجوع کر سکتا ہے کیونکہ رجوع کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ملک نکاح کو باقی رکھا جائے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

طلاق بائن کی عدت میں رجوع :

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق بائن دے یا وہ اپنی بیوی

کو خلع دے یا ایلاء کرے یا وہ اپنی بیوی کو اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار دے اور بیوی اپنے آپ کو طلاق بائن دے لے اور پھر وہ عدت میں بیٹھ جائے تو ان صورتوں میں شوہر اپنی بیوی سے رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ ان صورتوں میں رجوع کرنا نص قرآنی اور قیاس کے خلاف ہے۔ نص قرآنی کی رو سے رجوع کرنا مطلق طلاق کی صورت میں ثابت ہوتا نہ کہ طلاق بائن کی صورت میں چنانچہ جب شوہر اپنی بیوی کو طلاق بائن دے گا تو نص قرآنی کا نفاذ اس پر نہ ہوگا بلکہ قیاس پر عمل کرتے ہوئے رجوع کرنا ممنوع ہو گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر مرد اپنی بیوی کو طلاق رجعی دیتا تو ملک نکاح باقی رہتی اور وہ عدت کے اندر رجوع کر سکتا تھا لیکن جب اس نے طلاق بائن دے دی تو اس صورت میں، چونکہ ملک نکاح باقی نہ رہی اور رشتہ ازدواج ختم ہوگیا، وہ رجوع نہیں کر سکتا۔ اسی طرح خلعؑ کی صورت میں چونکہ عورت معاوضہ دے کر طلاق حاصل کرتی ہے اس لیے اس صورت میں چونکہ ملک نکاح باقی نہیں رہتی لہٰذا مرد رجوع نہیں کر سکتا۔

طلاق بلا صحبت میں رجعت:

اگر کوئی شخص خلوت صحیحہ کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دے مگر وہ یہ کہے کہ میں نے اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا ہے تو اس صورت میں وہ رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ اس نے خود طلاق بائنہ دینے کا اقرار کر لیا ہے لہٰذا اس کا قول معتبر ہوگا اور اسے رجوع کرنا جائز نہ ہوگا۔ دوسرے اس وجہ سے بھی اسے رجوع کرنے کا حق نہ ہوگا کہ خلوت صحیحہ کا اثر تو مہر پر پڑتا ہے تاکہ عورت کا نقصان نہ ہو اور یہ صورت رجوع کرنے میں نہیں پائی جاتی کیونکہ رجوع کرنا شوہر کا اختیاری فعل ہے۔

نامرد کی طلاق میں رجعت :

اگر شوہر نامرد ہو یا اس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہو یا خصی ہو اور وہ اپنی مطلقہ بیوی کے ساتھ خلوت میں رہا ہو مگر جماع نہ کر سکا ہو تو وہ بھی اپنی بیوی سے رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ اگر شوہر نامرد نہ ہو اور جماع نہ کرے تو وہ عدت میں رجوع نہیں کر سکتا تو جو شخص نامردی کی وجہ سے جماع نہ کر سکے اسے بطریق اولیٰ رجوع کرنے کا حق نہ ہونا چاہئے۔

خلوت صحیحہ کے بغیر طلاق میں رجعت :

اگر کوئی مرد اپنی بیوی سے خلوت صحیحہ نہ کرے اور اسے طلاق دے دے اور یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اپنی بیوی سے مجامعت کی ہے تو اس صورت میں اس کا رجوع بے بنیاد ہے کیونکہ خلوت کے بغیر مجامعت کیسے ممکن ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ ایسی صورت میں جب شوہر خلوت صحیحہ کے بغیر اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو عورت پر عدت واجب نہیں لہذا جب عورت پر عدت ہی لازم نہیں تو رجوع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ' کیونکہ رجوع کرنا تو عدت میں ہی ممکن ہے اور جب عدت نہیں تو رجوع بھی نہیں۔

صغیرہ اور آئسہ کی عدت اور رجوع :

صغیرہ (یعنی اتنی چھوٹی لڑکی جسے حیض آنا شروع نہ ہوا ہو) یا آیسہ (یعنی جسے حیض آنا بند ہو گیا ہو) ان دونوں کی عدت مہینوں کے حساب سے شمار ہوگی پس اگر طلاق کے بعد ان دونوں میں سے کوئی عدت میں بیٹھ جائے اور ایک یا ڈیڑھ مہینے کے بعد اسے حیض آ جائے تو یہ عرصہ عدت میں شمار نہ ہوگا بلکہ اس کی عدت قاعدہ کے مطابق تین حیض ہوگی۔ آیسہ کی صورت میں ظاہر ہے کہ جب اسے حیض آ گیا تو ثابت ہوا کہ وہ آیسہ نہ تھی بلکہ اس کے طہر کی مدت

دراز ہوگئی تھی لہذا اس کی عدت حسب قاعدہ تین حیض ہونی چاہیے اور اگر صغیرہ کو حیض آنا شروع ہو جائے تو چونکہ اس کو حیض آنا ہی تھا اور عدت کے حساب کے لیے حیض اصل ہے (تین مہینے حیض نہ ہونے کی صورت میں حیض کا بدل مقرر کیے جاتے ہیں) جب اصل چیز موجود ہوگئی تو پھر بدل کی ضرورت باقی نہ رہے گی لہٰذا اس صورت میں اصل کی تکمیل کے لیے بدل کو شامل نہ کیا جائے گا۔ لہذا صغیرہ کی عدت اس وقت سے شروع کی جائے گی جب سے اسے حیض آنا شروع ہوا ہے اس صورت میں رجوع کا حق باقی رہے گا۔

اسی طرح اگر عدت میں بیٹھنے والی عورت کو ایک حیض آیا پھر وہ آیسہ ہوگئی اور حیض آنا بند ہوگیا تو اس کی عدت کے لیے حیض کے بعد تین مہینے شمار کیے جائیں گے کیونکہ اصل کی تکمیل بدل کے ساتھ نہیں کی جا سکتی یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایسی عورت کی عدت میں مہینوں کے ساتھ اس کا حیض بھی شمار کیا جائے۔ لہذا اس کی عدت خون آنا موقوف ہونے کے بعد از سر نو تین مہینے شمار ہوگی۔ اور اس صورت میں مرد کا حق رجوع از سر نو شروع ہو جائے گا۔

یکے بعد دیگرے طلاقوں کی صورت میں رجعت :

اگر مرد اپنی بیوی کو ایک طلاق دے پھر دوسرے حیض میں اس سے رجوع کر لے پھر طہر کے بعد دوسری طلاق دے کر اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ اسے تیسرا حیض آ جائے پھر اس سے رجوع کر لے پھر اسے طہر کے بعد طلاق دے دے تو ایسی عورت کی عدت تیسری طلاق کے بعد شروع ہوگی (یعنی اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو متفرق حیضوں کے طہروں میں طلاق دے کر رجوع بھی کرتا رہے تو یہ حیض اور طہر کا درمیانی زمانہ عدت شمار نہ ہوگا بلکہ تیسری طلاق کے بعد سے پھر عدت شروع ہوگی) اور تین حیض مکمل ہونے تک باقی

رہے گی لیکن رجعت تو عدت کے اندر ہی ہوسکتی ہے اور جب اسے تیسری طلاق دے دی تو اب اسے مزید تین حیضوں کی عدت گزارنی پڑے گی۔ البتہ تیسری طلاق کے ساتھ ہی رجوع کا حق ختم ہو جائے گا۔[1]

شہادت رجعت :

شہادت رجعت کے بارے میں قرآن پاک میں آیا ہے :

"فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف اوفارقوھن بمعروف واشھد و اذوی عدل منکم و اقیموا الشھادۃ للہ۔"[2]

یعنی جب وہ عورتیں اپنی عدت کو پہنچنے کے قریب ہوں یعنی عدت ختم ہونے والی ہو تو ان کو معروف طریقہ پر روک لو یا معروف طریقے پر علیحدہ کر دو اور اپنے میں سے دو عادل گواہ بنا لو اور قائم کرو شہادت اللہ کے واسطے۔

اس آیت میں "واشھدوا" کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "واشھدوا" کہہ کر امر کا جو صیغہ استعمال کیا ہے وہ وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے لیے۔ یعنی رجعت کے وقت گواہ بنانا واجب ہے یا مستحب۔

امام ابوحنیفہ، صاحبین اور تمام حنفی ائمہ و فقہاء کے نزدیک رجعت میں دو گواہ بنانا مستحب ہے۔ امام مالک کا راجح قول بھی احناف کے مطابق ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مسئلے میں دو قول بیان کیے جاتے ہیں ایک یہ کہ شہادت طلاق مستحب ہے اور دوسرا یہ کہ رجعت میں شہادت واجب ہے۔ لیکن ان کا مفتیٰ بہ قول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ طلاق اور رجعت دونوں میں

---

(۱) رجعت کے سلسلے مندرجہ بالا بحث المبسوط، امام سرخسی (۴۸۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۶، صفحات ۳۰ - ۱۹ سے ماخوذ ہے۔

(۲) قرآن پاک، سورۃ الطلاق۔

استحباب کے قائل ہیں - امام احمد بن حنبل کا نقطۂ نظر بھی احناف کی تائید میں ہے -[۳]

علامہ شعرانی نے اپنی کتاب " المیزان الکبریٰ " میں لکھا ہے کہ امام مالک، احمد بن حنبل اور ابوحنیفہ کا یہ قول ہے کہ رجعت میں شہادت شرط نہیں ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول اسی قول کے مطابق ہے - امام احمد بن حنبل کی ایک روایت میں ہے کہ ان کے نزدیک مراجعت میں شہادت شرط ہے لیکن اصحاب شافعی و احمد کے نزدیک صحیح تر روایت یہ ہے کہ رجعت میں شہادت مستحب ہے ...... جیسا کہ شیخ عبدالوہاب اور قرطبی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے -[۴]

اسی طرح شیعہ حضرات کے نزدیک بھی رجعت کے لیے گواہی شرط نہیں -[۵] البتہ ظاہریہ اس نقطۂ نظر کے حامل ہیں کہ بلا گواہی رجعت نہیں ہوتی -[۶]

رجعت کا اثر مہر پر :

درالمختار میں باب الرجعت میں خلاصہ و حاشیۃ المدنی کے حوالے سے لکھا ہے کہ طلاق رجعی کی صورت میں مہر موجل (deferred dower)

---

(۳) المغنی، ابن قدامہ مقدسی (۶۲۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۷، صفحات ۲۳۰ - ۲۲۸ -
شرح الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۸ھ، جلد ۳، صفحہ ۲۲۷ -
الانصاف، قاہرہ، ۱۹۶۰ع، جلد ۹، صفحہ ۱۵۲ -

(۴) المیزان الکبریٰ، شعرانی، مطبوعہ مصر، جلد دوم، صفحہ ۱۲۸ -

(۵) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر، مطبوعہ تہران، القسم الثالث، کتاب الطلاق، صفحہ ۲۱۱ -

(۶) المحلیٰ، ابن حزم (۴۵۶ھ)، مطبوعہ قاہرہ (مصر)، ۱۳۵۲ ہجری، جلد ۱۰، صفحہ ۲۱۶ -

مہر معجل (prompt dower) ہو جاتا ہے - اور جب مہر ایک مرتبہ معجل ہو گیا تو رجوع کے سبب پھر موجل (deferred) نہیں ہو سکتا کیونکہ مدت ساقط ہوگئی اور ساقط شئے پھر نہیں لوٹتی -[۷]

بینونت صغریٰ

۱۰۹ - شوہر کے اپنی زوجہ کو ایک یا دو طلاق بائن دینے سے علی الفور، اور طلاق رجعی دینے کی صورت میں بعد انقضائے عدت رشتہ زوجیت منقطع ہو جائے گا -

تشریح

اس امر میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ طلاق قبل دخول، طلاق بالعوض (خلع بالمال) اور طلاق متمم للثلاث اپنے اندر طلاق بائن کا حکم رکھتی ہیں اور مرد عدت کے دوران رجوع نہیں کر سکتا - اسی طرح رجعی طلاق عدت گزر جانے کے بعد بائن ہو جاتی ہے اور مرد بعد ازاں عورت سے رجوع نہیں کر سکتا، البتہ فریقین باھمی رضامندی سے بغیر طلاق متمم لثلاث کی صورت میں نکاح جدید کر سکتے ہیں -

مالکیہ اور شافعیہ طلاق قبل دخول، طلاق بالعوض اور طلاق بالثلاث کی صورتوں میں طلاق کے بائن ہو جانے کے قائل ہیں - احناف مندرجہ بالا صورتوں کے علاوہ اس صورت میں بھی طلاق کے بائن ہو جانے کے قائل ہیں جب کہ شوہر طلاق کو لفظ ''بائن'' کے ساتھ متصف کرے[۸] - امام مالک کے متعلق ابی عبیداللہ نے اپنی تصنیف رحمۃ الامۃ

(۷) خلاصہ و حاشیہ الملتقی، بحوالہ غایۃ الاوطار (اردو ترجمہ درالمختار) لکھنؤ، جلد دوم، صفحہ ۱۶۲ -

(۸) بدائع الصنائع، امام کاسانی، (۵۸۷ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ھجری جلد ۳، صفحات ۱۱۰ - ۱۰۹ -

النکت (شرح زیادات)، امام سرخسی (۴۸۲ھ)، مطبوعہ حیدرآباد دکن صفحات ۱۷ - ۱۶ -

المبسوط، امام سرخسی (۴۸۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۴ ھجری، جلد ۶، صفحہ ۱۸ -

میں لکھا ہے کہ امام مالک کے نزدیک کنایۂ صریح کی صورت میں طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے[9]۔ امام شافعی مندرجہ بالا تین صورتوں کے علاوہ طلاق بائن کے عدم وقوع کے قائل ہیں[10]۔ امام احمد بن حنبل کے اس سلسلے میں دو قول ملتے ہیں ایک امام شافعی کے مطابق اور دوسرا احناف کے مطابق[11]۔

برہان الدین مرغینانی مصنف ہدایہ نے لکھا ہے کہ :

''اگر کوئی شخص اپنی زوجہ سے کہے '' تجھے طلاق بائن یا طلاق بتّہ (قطعیہ) تو احناف کے نزدیک طلاق بائن واقع ہو جائے گی لیکن امام شافعی کے نزدیک طلاق رجعی واقع ہوگی اگر عورت سے صحبت ہو چکی ہے ، کیونکہ طلاق اس طور پر جائز (مشروع) کی گئی کہ اس کے بعد رجعت ہو ۔ اور طلاق کو بینونت کے ساتھ متصف کرنا خلاف شرع ہوگا پس وہ لغو ہوگا جس طرح کوئی کہے کہ '' تجھے طلاق اس شرط پر کہ مجھے تجھ سے رجوع کا حق نہ ہوگا''۔ لیکن ہمارے (احناف کے) نزدیک اس شخص نے اپنی ایسی صفت کے ساتھ متصف کیا جس سے اصولاً طلاق متصف ہو سکتی ہے ، جس کا احتمال لفظ ''طلاق'' میں پایا جاتا ہے ۔ (طلاق میں دو احتمال پائے جاتے ہیں ۔ ایک یہ کہ وہ رجعی ہو اور دوسرے یہ کہ وہ بائن ہو) لفظ بائن نے ان دو احتمالوں میں

---

(۹) کتاب رحمۃ الامۃ فی اختلاف ائمہ ، ابی عبداللہ ، برحاشیہ المیزان الکبریٰ ، مطبوعہ مصر ، صفحہ ۵۲ ۔

(۱۰) ہدایہ ، برہان الدین مرغینانی ، (۵۹۳ھ) مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد ۲ صفحہ ۳۶۹ ۔

(۱۱) '' کتاب رحمۃ الامۃ فی اختلاف ائمہ ، ابی عبداللہ ، برحاشیہ المیزان الکبری ، مطبوعہ مصر ، ص ۵۳ ۔
المحررفی الفقہ ، ابوالبرکات (۲۵۲ ہجری) مطبعۃ السنۃ المحمدیہ مصر ، ۱۹۵۰ع ، صفحہ ۵۵ ۔

سے ایک احتمال (یعنی طلاق بائن ہونے) کو متعین کر دیا[۱۲]"۔

مصنف ہدایہ نے اس ضمن میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قاعدۂ کلیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"جب طلاق کو کسی شے کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی خواہ مشبہ بہ کیسی ہی چیز ہو اور اس شے کے بڑے ہونے کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو کیوں کہ تشبیہ صفت کے زیادہ ہونے کی مقتضی ہوتی ہے۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک اگر اس شخص نے مشبہ بہ کے بڑے ہونے کا ذکر کیا تو طلاق بائن ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ البتہ امام زفر کے نزدیک اگر مشبہ بہ کا تعلق اس قسم کی شے سے ہو جو عوام الناس میں عظمت کے ساتھ موصوف ہو تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ امام محمد اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہیں"[۱۳]۔

جعفریہ مذہب کے ائمہ طلاق بائن کو حسب ذیل چار صورتوں میں تسلیم کرتے ہیں[۱۴] :

(۱) جب کہ زوجہ سے صحبت نہ ہوئی ہو۔

(۲) جب کہ زوجہ کو حیض آنا شروع نہ ہوا ہو۔

(۳) جب کہ طلاق بالعوض ہو۔

(۴) جب کہ زوجہ کی عمر ۵۰ سال سے تجاوز کر چکی ہو۔

زیدیہ فرقے کے ائمہ شافعیہ سے متفق ہیں[۱۵]۔

---

(۱۲) الهدایه ' برهان الدین مرغینانی (۵۹۳ھ) مطبوعه قرآن محل کراچی ' جلد ۲ ' صفحه ۳۶۹ -

(۱۳) الهدایه " مطبوعه " قرآن محل کراچی ' جلد ۲ ' صفحه ۳۷۱ -

(۱۴) السرائر ' شیخ محمد ادریس ' مطبوعه ایران ' صفحه ۳۳۵ -

(۱۵) البحرالذخار ' مرتضیٰ ' (۸۴۰ھ) مطبوعه قاهره ' ۱۹۴۸ع ' جلد ۳ ' صفحه ۲۰۳-

ظاہریہ فرقے کے نزدیک طلاق صرف دو صورتوں میں بائن ہوتی ہے۔ ایک طلاق قبل دخول اور دوسرے تین طلاق خواہ مجموعی طور پر یا الگ الگ[۱۶]۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ نے اس امر کی صراحت کر دی ہے کہ صحبت (دخول) کے بعد طلاق صرف رجعی ہوتی ہے اور کتاب اللہ میں طلاق قبل دخول کے سوائے طلاق بائن کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے[۱۷]۔

فریقین کے دلائل:

جو ائمہ اور فقہاء مذکورہ بالا دو صورتوں کے علاوہ طلاق کے بائن ہونے کے قائل نہیں ہیں، اپنے دعویٰ کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن پاک میں طلاق رجعی کا ذکر ہے ماسوائے طلاق بالعوض یا طلاق قبل دخول کے، لہٰذا اس کے خلاف طلاق دینا غیر مشروع ہے اس لیے ایسی طلاق کو طلاق رجعی قرار دیا جائے گا اور دوران عدت مرد کا حق رجوع ساقط نہ ہوگا لیکن جو ائمہ اور فقہاء لفظ ''بائن'' کے ساتھ ''طلاق'' کے ''بائن'' ہو جانے کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ رجعت شوہر کا حق ہے اور اس کو اختیار ہے کہ اپنے قول سے اس حق کو ساقط کر دے۔

بنائے اختلاف:

اس اختلاف کی بناء یہ ہے کہ جن فقہاء کے نزدیک طلاق ان افعال سے مشابہ ہے جو انسان کے کر لینے سے اس کے ذمہ لازم ہو

---

(۱۶) المحلی، ابن حزم (۴۵۶ھ) مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۵۲ ہجری، جلد ۱۰، صفحہ ۲۱۶۔

(۱۷) "ان کتاب اللہ قد بین ان الطلاق بعد الدخول لایکون الارجعیاً و لیس فی کتاب اللہ طلاق بائن الاقبل الدخول" فتاوی ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) جلد ۳، صفحہ ۳۳۔

جاتے ہیں ان کے نزدیک طلاق کو بائن کی صفت کے ساتھ کہنے سے طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ لفظ ''بائن'' طلاق کی صفت ہے۔ اور صفت کو موصوف سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا، اور کہنے والے کے پورے کلام کا اعتبار کیا جائے گا۔ لیکن جن فقہاء کے نزدیک طلاق ان افعال سے مشابہ ہے جو اپنے وقوع کے لیے شرعی پابندیوں کے محتاج ہیں ان کے نزدیک ایسی صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی خواہ شوہر نے طلاق کے ساتھ ''بائن'' کا لفظ استعمال کیا ہو۔

بینونت کا اثر :

طلاق کے بائن ہو جانے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ شوہر اپنی زوجہ سے دوران عدت میں رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ نکاح فوری طور پر ختم ہو جاتا ہے۔ البتہ عدّت گذر جانے کے بعد فریقین باہمی رضا مندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں بشرطیکہ شوہر نے ایک یا دو طلاق بائن دی ہوں۔

بینونت کبری (مغلّظہ)

۱۱۰۔ اگر کوئی شوہر اپنی زوجہ کو یک وقت ایک کلمہ سے طلاق دے یا متفرق کلمات سے تین مرتبہ طلاق، طلاق، طلاق کہے تو اسی وقت تین طلاق بائن (مغلظہ) واقع ہو جائیں گی اور وہ اپنی زوجہ سے رجوع نہ کر سکے گا۔ الا یہ کہ وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کرے اور اس سے طلاق مل جائے یا نکاح فسخ ہو جائے یا وہ مر جائے ایسی صورت میں عدت ختم ہونے پر فریقین باہمی رضامندی سے نکاح جدید کر سکتے ہیں۔

تشریح

طلاق کے ساتھ لفظ تین استعمال کرکے یا تین مرتبہ لفظ طلاق کی تکرار سے ایک طلاق واقع ہوگی یا تین یا ایک بھی طلاق واقع نہ ہوگی؟ اس بارے میں پہلی صدی ہجری سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ چنانچہ اس مسئلے میں تین مسلک بیان کیے جاتے ہیں :

(۱) ایک یہ کہ طلاق واقع ہی نہیں ہوتی -

(۲) دوسرے یہ کہ صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے، اور

(۳) تیسرے یہ کہ تین طلاقیں بائن (مغلّظہ) واقع ہوتی ہیں -

پہلے مسلک کے حامل صرف شیعہ امامیہ حضرات ہیں - دوسرے مسلک کے قائل حضرات میں، ابن قدامہ مقدسی نے اپنی کتاب المغنی[18] میں حضرت عطاء ، طاؤس ، سعید بن جبیر ، ابوالشعشاء ، عمر بن دینار کے اسمائے گرامی لکھے ہیں - اور علامہ قرطبی[19] نے اپنی تفسیر میں عمر ابن اسحاق اور حجاج ابن ارطاۃ کا ایک قول اس کے مطابق نقل کیا ہے - (لیکن مشہور قول کے مطابق حجاج ابن ارطاۃ تین طلاق بلفظ واحد کے قائل ہیں) - اور صحابہ میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک ایک قول اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک قول روایت کیا جانا لکھا ہے - (اگرچہ حضرت ابن عباس کا مشہور قول یہی ہے کہ وہ تین طلاق بلفظ واحد کے قائل ہیں) - نیز زبیر بن عوام اور عبدالرحمٰن بن عوف کی طرف بھی اس کی نسبت کی گئی ہے - اور مشاہیر متاخرین میں امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن القیم بھی اسی مسلک کے قائل ہیں کہ تین طلاق ایک ساتھ دینے سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے - لیکن ان حضرات کے علاوہ جمہور صحابہ و تابعین اور بعد کے فقہاء و مجتہدین و محدثین کا اب تک یہی قول رہا ہے کہ تین طلاق دفعتاً دینے سے تین ہی واقع ہوں گی -

---

(۱۸) المغنی، ابن قدامہ مقدسی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۴۷ ہجری، جلد ۷ ، صفحہ ۱۹۴

(۱۹) تفسیر جامع الاحکام القرآن، قرطبی، مطبوعہ ۱۹۳۶ع جلد ۳ ، صفحات ۱۳۲-۳۳

پہلا مسلک — کوئی طلاق واقع نہ ہوگی

علامہ نجم الدین جعفر نے شیعی فقہ پر اپنی مشہور تصنیف شرائع الاسلام میں لکھا ہے کہ طلاق الثلاث جس میں رجعت کا حق باقی نہ رہے، طلاق بحالت حیض اور ایسے طہر میں طلاق جس میں اس زوجہ سے صحبت کی ہو ہمارے نزدیک باطل ہے، ایسی طلاق واقع نہیں ہوتی۔[۲۰]

ابن قدامہ مقدسی نے اپنی مشہور کتاب ''المغنی'' میں لکھا ہے کہ ابن علیہ، ہشام بن الحکم اور شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے تو اس کی طلاق واقع ہی نہ ہوگی۔[۲۱]

جو حضرات دفعتاً تین طلاقیں دینے کی صورت میں ایک بھی طلاق واقع نہ ہونے کے قائل ہیں اپنے دعوے کے ثبوت میں آیات قرآنی، حدیث نبوی اور قیاس سے کام لیتے ہیں۔

آیات قرآنی سے استدلال :

پہلے مسلک کے قائل حضرات کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے : ''الطلاق مرتان''[۲۲] یعنی طلاق دو مرتبہ ہے (ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ) پھر تیسری طلاق کو بیان فرمایا : ''فامساک بمعروف او تسریح باحسان''[۲۳] یعنی اس کے بعد زوجہ کو روک لینا ہے یا خوش اسلوبی کے ساتھ چھوڑ دینا۔ چونکہ ایک لفظ سے تین طلاقیں دینے کا ذکر قرآن پاک میں موجود نہیں ہے

---

(۲۰) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر، (۶۷۶ھ) مطبوعہ ایران، القسم الثالث، صفحہ ۲۰۹

(۲۱) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۹۹-۱۰۰

(۲۲) البقرہ ۲۲۹

(۲۳) البقرہ ۲۲۹

اس لیے ایسی طلاق واقع ہی نہ ہوگی۔[۲۴]

یہ حضرات اپنے دعوے کے ثبوت میں ایک اور آیت : ''و اذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف''[۲۵] سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ خدا فرماتا ہے ' جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دو ' پس جب وہ اپنی عدت کو پہنچنے کے قریب ہوں یعنی عدت قریب الختم ہو تو ان کو معروف طریقے سے روک لو یا معروف طریقے پر علیحدہ کر دو۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ اس آیت میں تین طلاقیں جمع کرنے کا طریقہ یا اس کا ذکر موجود نہیں ہے اس لیے ایک ساتھ تین طلاقیں دینے پر وقوع طلاق کا حکم مرتب نہ ہوگا[۲۶] بالفاظ دیگر مذکورہ صورت میں کتاب اللہ کے حکم کے خلاف عمل ہونے کے سبب اس پر کوئی شرعی حکم مرتب نہ ہوگا۔[۲۷]

حدیث نبوی سے استدلال :

یہ حضرات اپنے نظریہ کی تائید میں حسب ذیل حدیث کو بطور نص پیش کرتے ہیں کہ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلعم کو ایک شخص کے بارے میں اطلاع دی گئی کہ اس نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں یک دم دی ہیں (یہ سن کر) حضور صلعم غصے کی حالت میں کھڑے ہوگئے اور فرمایا : ''ایلعب بکتاب اللہ و انا بین اظھر کم فقام رجل فقال یا رسول اللہ

---

(۲۴) ''ومن طلق ثلاثاً فی کلمة فلا یلزم اذھو غیر مذکور فی القرآن'' (تفسیر جامع الاحکام القرآن ' قرطبی' مطبوعہ مصر' ۱۹۳۶ع ' جلد ۳ ' صفحہ ۱۲۹)
المغنی' ابن قدامہ مقدسی' مطبوعہ مصر' ۱۳۴۷ ہجری ' جلد ۷' صفحہ ۱۰۰

(۲۵) البقرہ ۲۳۱

(۲۶) المحلی ' ابن حزم (۴۵۶ ہجری) مطبوعہ قاہرہ' ۱۳۵۲ ہجری ' جلد' ۱۰ ' صفحہ ۱۶۷

(۲۷) المغنی' ابن قدامہ مقدسی' مطبوعہ مصر' ۱۳۴۷ ہجری' ۷' صفحہ ۱۰۰

الا اقتلہ'' کیا کتاب اللہ کے ساتھ میرے موجود ہونے کے باوجود کھیلا جاتا ہے چنانچہ ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلعم) میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں۔[۲۸]

استدلال از روئے قیاس :

یہ حضرات ایک اور حدیث بربنائے قیاس پیش کرتے ہیں کہ چونکہ ایک لفظ سے دفعتاً تین طلاقیں دینا ایک ایسی بدعت ہے جو حرام کے درجے میں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : ''ومن عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو مردود او رد''[۲۹] یعنی جس شخص نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں ' تو وہ فعل مردود ہے یا باطل ہے۔ لہذا ایک لفظ سے دفعتاً تین طلاقیں دینا ایک ایسا عمل ہے جو خلاف سنت ہے اس لیے وہ فعل مردود اور غیر مشروع ہوگا ' جس پر کوئی حکم مرتب نہ ہوگا۔[۳۰]

پہلے مسلک پر تنقید :

اس مسلک کے رد میں کہ تین طلاق ایک ساتھ دینے سے ایک

---

(۲۸) ''عن ابن وھب قال اخبرنا مخرمۃ عن ابیہ قال، سمعت محمود بن لبید قال اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل طلق امرأۃ ثلث تطلیقات جمعاً فقام غضبانا ثم قال أیلعب بکتاب اللہ و انابین اظھرکم حتی قام رجل وقال یا رسول اللہ ألااقتلہ'' (السنن النسائی ' مطبوعہ کار خانۂ تجارت کتب ' کراچی جلد ۲ ' کتاب الطلاق ' صفحہ ۸۱)۔

(۲۹) مشکوۃ میں یہ حدیث بحوالہ بخاری و مسلم حضرت عائشۃ رضی اللہ عنہا سے باین الفاظ روایت کی گئی ہے : ''عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھورد'' ۔ (مشکوۃ ' مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب کراچی ' جلد اول ' باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) ۔

(۳۰) فتح القدیر' ابن ھمام (۸۶۱ ھ) مطبوعہ مصر' ۱۳۵۶ ھجری' جلد ۳' ۲۵-۲۴ بدائع الصنائع ' امام کاسانی (۵۸۷ ھ) مطبوعہ مصر ' ۱۳۲۸ ھجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۹۶

بھی طلاق واقع نہیں ہوتی اکثر و بیشتر فقہاء نے اپنی تصانیف میں دلائل پیش کیے ہیں جن میں سے ہم صرف امام ابن حزم (متوفی ۴۵۶ھ ہجری) ، شمس الائمہ امام سرخسی (متوفی ۴۸۲ھ ہجری) ، امام کاسانی (متوفی ۵۸۷ھ ہجری) ، ابن قدامہ مقدسی (متوفی ۶۲۰ ہجری) کی تصانیف المحلیٰ ، المبسوط ، بدائع الصنائع اور المغنی سے اقتباسات پیش کرتے ہیں کیونکہ ان حضرات کی تحریریں ان تمام دلائل پر مشتمل ہیں جو اس سلسلے میں پیش کی جاتی ہیں ۔

امام ابن حزم :

علامہ علی ابن احمد المعروف بہ ابن حزم (متوفی ۴۵۶ھ ہجری) اپنی مشہور کتاب ''المحلیٰ'' میں ایسے حضرات کی تردید میں کہ تین طلاقیں ایک ساتھ یا متفرق دفعۃً دینے سے کوئی طلاق ہی واقع نہیں ہوتی ، لکھتے ہیں :

''جو لوگ طلاق واقع نہ ہونے کے قائل ہیں وہ اپنی دلیل میں آیات قرآنی 'یا ایھاالنبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن '[۳۱] اور 'والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء ۔'[۳۲] اور 'واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف اوسرحوھن بمعروف'[۳۳] اور 'الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان'۔[۳۴] پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صرف وہی طلاق واقع ہوگی جو ان آیات میں بیان کردہ صفت کے مطابق ہو ۔ (چونکہ آیات میں تین طلاقیں جمع کرنے کا طریقہ یا اس کا ذکر موجود نہیں ہے اس لیے ان کے وقوع کا حکم مرتب نہ ہوگا) ۔

---

(۳۱) الطلاق ۱ (۳۲) البقرہ ۲۲۸

(۳۳) البقرہ ۲۳۱ (۳۴) البقرہ ۲۲۹

امام ابن حزم لکھتے ہیں کہ :

''یہ آیات ایک طلاق یا دو طلاقیں دینے کے طریقے کو اختیار کرنے کے متعلق وارد ہوئی ہیں اور بس ۔''

امام ابن حزم ان حضرات سے سوال کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنی زوجہ کو پہلے ایک طلاق دے پھر رجوع کرے پھر دوبارہ طلاق دے اور رجوع کر لے اور پھر تیسری طلاق دے دے تو کیا اس نے بدعت اختیار کی ؟ ان حضرات کا جواب یہ ہوگا کہ نہیں ' یہ بدعت نہیں ہے بلکہ سنت طریقہ ہوگا ۔

ابن حزم لکھتے ہیں : ''کہ اب ہم ان لوگوں سے یہ سوال کریں گے کہ کیا آپ یہ دکھائیں گے کہ مذکورہ بالا طلاق پر طلاق سنت ہونے کا حکم آپ کس طرح لگاتے ہیں ؟ کیونکہ اس طریقے کا ذکر مذکورہ آیات میں کہیں موجود نہیں ' لا محالہ آپ فرمائیں گے کہ اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ طلاق کی ایسی صورت کا ذکر ان آیات میں نہیں ہے ۔ پس پھر یہ کہا جائے گا کہ ان آیات کا صحیح مقصود یہ ہے کہ جو شخص رجعی طلاق دے اس کو ایسا ایسا کرنا چاہیے ۔ لہذا ان آیات سے تین طلاقیں دینے والے کے سلسلے میں کوئی حکم (امتناعی یا عدم وقوع) ثابت نہیں ہوگا بلکہ ایسا کرنا زیادتی ہوگی'' ۔

امام ابن حزم آگے چل کر لکھتے ہیں : ''کہ اس فریق کا ''الطلاق مرّتان'' والی آیت سے یہ استدلال ، کہ قران فرماتا ہے کہ طلاق ''مرۃ بعد مرۃ'' یعنی یکے بعد دیگرے ہونی چاہیے ' ہمارے نزدیک غلط ہے ' کیونکہ آیت کا حقیقی منشاء صرف یہ ہے کہ ''زائد سے زائد تین طلاقیں دی جائیں ۔ گویا اس آیت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ طلاق تین سے کم دی جائیں''۔

امام ابن حزم لکھتے ہیں کہ ہمارے مخالف فریق کا اس امر میں ہم سے کوئی اختلاف نہیں کہ طلاق کا بہتر سنت طریقہ یہ ہے کہ عورت کو ایک طلاق دے کر چھوڑ دیا جائے۔ حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے یا یہ کہ ایک طہر میں دوسری طلاق دی جائے اور بس، حالانکہ مذکورہ آیت میں ان دونوں طریقوں کا بھی ذکر اس طرح موجود نہیں ہے پھر یہ حضرات اس امر کے قائل ہیں کہ یکدم دو طلاقیں جمع کرکے دینا بھی طلاق سنت میں شمار ہوگا، حالانکہ آیت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان حضرات کا اس آیت سے استدلال باطل ہے۔

جو حضرات تین طلاقیں دفعۃً دینے کی صورت میں ایک طلاق واقع ہونے کے بھی قائل نہیں ہیں، اپنے دعوے کے ثبوت میں محمود ابن لبید والی حدیث پیش کرتے ہیں (جس کا ذکر ابتدا میں کیا جا چکا ہے)۔ امام ابن حزم اس حدیث سے استدلال کے بارے میں لکھتے ہیں کہ احمد ابن شعیب نے کہا ہے کہ یہ روایت صرف مخرمہ سے مروی ہے ان کے علاوہ اور کسی نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا۔ نیز یہ کہ یہ حدیث مرسل ہے جو قابل حجت نہیں کیونکہ اس کی سند کے راوی مخرمہ نے اپنے والد سے حدیث نہیں سنی تھی۔[۳۵]

---

(۳۵) المحلی، ابن حزم، (۴۵۶ھ) مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۵۲ ہجری، جلد ۱۰، صفحات ۱۶۷-۴۳

اس حدیث کے متن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اس طریقۂ طلاق کے کتاب اللہ کے خلاف ہونے کے سبب برہم ہوئے تھے لیکن اس حدیث سے یہ کہیں مترشح نہیں ہوتا کہ حضور صلعم نے اس طلاق کو غیر واقع قرار دیا۔ اگر ایسا ہوتا تو حضور صلعم اس کا ضرور اظہار فرما دیتے اور اس شخص سے کہتے ''لیس لبشی'' یا ''ھذا الطلاق لایقع'' اور اس شخص کو اپنی زوجہ سے رجوع کرنے کا حکم دیتے۔ (مؤلف)

امام سرخسی :

شمس الائمہ شمس الدین معروف بہ امام سرخسی (متوفی ۴۸۲ ہجری) اپنی مشہور و معروف کتاب "المبسوط" باب الرد علی من قال اذا طلّق بغیر السنۃ لایقع" کے تحت لکھتے ھیں :

" یہ مسئلہ ھمارے اور شیعہ حضرات کے درمیان دو وجوہ سے مختلف ھے ۔ ان دو وجوہ میں سے ایک یہ کہ جب کوئی مرد اپنی زوجہ کو حالت حیض میں طلاق دے یا ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس نے اس زوجہ کے ساتھ صحبت کی ھو تو جمہور فقہاء کے نزدیک طلاق واقع ھو جائے گی اور ان کے (یعنی شیعہ حضرات کے) نزدیک طلاق واقع نہ ھوگی ۔ اور دوسرے یہ کہ جب کوئی مرد اپنی زوجہ کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے دے تو ھمارے نزدیک تینوں طلاقیں واقع ھو جائیں گی لیکن شیعہ زیدیہ کے نزدیک ایک طلاق واقع ھوگی اور امامیہ کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہ ھوگی ۔ شیعہ امامیہ اس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول بیان کرتے ھیں حالانکہ (عدم وقوع طلاق کے سلسلے میں) اس قول کی نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کرنا افتراء ھے ۔ امام محمد شیبانی نے کتاب الطلاق میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ھے کہ شوھر کے تین طلاق ایک ساتھ واقع کرنے سے تینوں طلاقیں ایک ساتھ واقع ھوں گی ۔"

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول کہ " تمام طلاقیں جائز ھیں مگر طلاق بچہ کی اور معتوہ (فاترالعقل) کی " مشہور طریقے پر مروی ھے جس سے یہ ثابت ھے کہ دو شخصوں کے علاوہ ھر کسی

کی ہر طلاق صحیح ہوگی ۔ ان حضرات کا یہ شبہ بھی ہے کہ شوہر سنت طریقے پر طلاق واقع کرنے کے لیے شرعاً مامور ہے[۳۶] اور جس طریقے سے شوہر کو (طلاق دینے کا) حکم دیا گیا ہے ، وہ سنت طریقے پر طلاق دینا ہے ، لہذا اس کی حیثیت وکیل کی ہے ۔ چنانچہ جب وہ خلاف سنت طلاق دے گا تو طلاق واقع نہ ہوگی ، کیونکہ وہ طلاق (دینے) میں شرعاً مامور ہے ، بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ شرع کا حکم زیادہ لازم ہے ۔ چونکہ اس (شوہر) کے تصرف کا نافذ ہونا شرع کی اجازت سے ہے اور جس چیز کی اجازت نہیں ہے ، وہ ممنوع ہے پس وہ طلاق نافذ نہ ہوگی جس طرح بچہ اور آوارۂ عقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی ۔''

امام سرخسی اس دلیل کے جواب میں لکھتے ہیں کہ :

''اس سلسلے میں ہماری دو دلیلیں ہیں ۔ ایک یہ کہ نہی (کسی کام سے منع کرنا) منہی عنہ (جس کام سے منع کیا جائے) کے متحقق ہو جانے کی بین دلیل ہے ، کیوں کہ نہی اسی وقت تک متحقق نہیں ہوتی جب تک وہ چیز موجود نہ ہو کیوں کہ نہی کا موجب رک جانا ہے اس چیز سے جس سے منع کیا جا رہا ہے اور جس کے کرنے پر وہ شخص مختار ہے ۔ چنانچہ اگر وہ رک جائے تو ثواب کا مستحق ہوگا اور اگر پیش قدمی کرے تو

---

(۳۶) حضرات شیعہ کا یہ استدلال کہ شوہر طلاق دینے کے لیے شرعاً مامور ہے متعدد احتمالات کا باعث ہے کیوں کہ اگر ان کا یہ استدلال تسلیم کر لیا جائے تو پھر طلاق دینا ایک ''امر'' کی حیثیت میں داخل ہوگا ۔ جو طلاق کے بنیادی تصور کے منافی ہوگا ۔ دراصل شوہر طلاق دینے کے لیے شرعاً مامور نہیں ہے بلکہ شرع اس کو طلاق کا مالک تسلیم کرتی ہے اور اس ملکیت میں تصرف کرنے کا بہتر طریقہ بتلاتی ہے لہذا مالک کے تصرف کو مامور کے تصرف پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ۔ یہاں غالباً شیعہ فقہاء کا یہ مطلب ہے کہ ''سنت طریقہ کے مطابق'' طلاق دینا واجب ہے ۔ (مؤلف)

عذاب پائے گا ۔ لہذا اگر منہی عنہ بذاتہ متحقق (موجود) نہ ہو تو اس کے مختار ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا[۳۷] ۔ اور دوسرے یہ کہ نہی جب ایسی صفت کی بناء پر ہو جو منہی عنہ کی ذات میں نہیں ہے (بلکہ خارجی ہے) تو منہی عنہ کو معدوم نہیں کرتی اور منہی عنہ کا نفوذ شرعاً ممنوع نہ ہوگا ۔ جس طرح کہ غصب کردہ زمین پر نماز کی ممانعت اور جمعہ کی اذان کے وقت خرید و فروخت سے ممانعت ۔ یہاں نہی ایسی صفت کی وجہ سے ہے جو طلاق میں (بنفسہ موجود) نہیں ہے یعنی عدت کا طویل ہو جانا یا عدت کے حکم میں اشتباہ پیدا ہو جانا یا ندامت کے وقت تلافی کے دروازے کا بند ہو جانا ، لہذا اس کا نفاذ ممنوع نہ ہوگا ، اور اس کی کثیر مثالیں ''المبسوط'' امام محمد میں موجود ہیں اور وہ تمام مثالیں ان ہی دو اصولوں کی طرف راجع ہیں ۔''

امام سرخسی اس کے بعد لکھتے ہیں کہ :

''یہ طلاق وکیل کی طلاق کے برعکس ہے کیوں کہ وکیل کا تصرف کرنا موکل کے حکم پر موقوف ہوتا ہے ۔ چنانچہ جب وکیل نے ماموربہ کے خلاف کیا تو وہ فعل نافذ نہ ہوگا ۔ مگر یہاں شوہر کا تصرف بحکم اپنی ملکیت کے ہے ، کیوں کہ وہ شوہر عقد نکاح کے سبب تین طلاقوں کا مالک ہو گیا اور ملکیت تصرف کے نافذ ہو جانے کی مکمل علت ہے اس شخص کے لیے ، جو تصرف کا اہل ہو اور جو اس ملکیت کے تصرف میں نہ مامور ہو اور نہ

---

(۳۷) امام سرخسی کا مطلب یہ ہے کہ اگر تین طلاقوں کے ایک ساتھ واقع کرنے سے منع کیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تین طلاقوں کا ایک ساتھ وجود پایا گیا ، کیونکہ اگر تین طلاقوں کا ایک ساتھ وجود نہ ہو تو پھر منع کس چیز سے کیا جائے گا ؟ (مؤلف)

ماذون ہو یعنی وہ نہ ہو جس کو اجازت ملی ہے ۔ اور یہ امر بچہ اور فاترالعقل (معتوہ) کے برعکس ہے کیوں کہ (ان دونوں میں) طلاق دینے کی اہلیت غیر متحقق ہے یعنی موجود ہی نہیں ہے ۔''[۳۸]

امام کاسانی :

امام کاسانی اپنی مشہور تصنیف ''بدائع الصنائع'' میں پہلے مسلک کے رد میں حضرت عبادۃ بن صامت،[۳۹] حضرت ابن عباس[۴۰] اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث[۴۱] کو بطور دلیل پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :

''ہماری طرف سے فریق اول کی اس دلیل کا جواب، کہ تین طلاقیں دفعۃً دنیا غیر مشروع فعل ہے جس پر شرع کا کوئی فعل مرتب نہ ہو گا ، یہ ہے کہ طلاق فی نفسہ مشروع ہے اس پر ممنوع ہونے کی صفت خارجی طور پر عارض ہوتی ہے (یعنی امر طلاق بالذات حلال اور جائز ہے اور اس کے حرام یا ناجائز ہونے کی صفت خارجی اور بالغیر ہے) اور یہ صفت بالغیر جس کے سبب سے ایک لفظ سے تین طلاقیں دینا حرام اور مکروہ قرار پاتا ہے ، اس طلاق دینے والے شخص کا خلاف سنت عمل ہے جو اس نے اختیار کیا ہے جس سے (محض) چند مفاسد لازم آتے ہیں ۔ . . . چنانچہ طلاق فی نفسہ مشروع ہے ؛ اس پر شرعی حکم کا مرتب ہونا جائز ہوگا ، اگرچہ وہ ایک خارجی امر کے عارض ہو جانے کی بناء پر ممنوع سمجھی جاتی ہے ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جمعہ کی

(۳۸) المبسوط، امام سرخسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۶، صفحات ۵۸-۵۷
(۳۹) ملاحظہ ہو صفحہ ۵۱۳ کتاب ہذا ۔
(۴۰) ملاحظہ ہو صفحہ ۵۱۳ کتاب ہذا ۔
(۴۱) ملاحظہ ہو صفحہ ۵۱۴ کتاب ہذا ۔

اذان کے وقت خرید و فروخت ممنوع ہے لیکن اگر اس وقت خرید و فروخت کی جائے تو وہ حلال اور جائز ہوگی ، اسی طرح غصب کردہ زمین پر نماز ادا کرنا ممنوع ہے لیکن اگر ایسی زمین پر نماز ادا کی جائے تو نماز ادا ہو جائے گی (مگر وہ شخص گناہ گار ہوگا) کیوں کہ بیع (خرید و فروخت) اور نماز فی نفسہ جائز ہیں لیکن ان میں ممانعت یا کراہت اس کرنے والے کے فعل سے پیدا ہوتی ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے خارجی ہے'' ۔[۴۲]

ابن قدامہ مقدسی :

ابن قدامہ مقدسی نے حنبلی فقہ پر اپنی مشہور کتاب ''المغنی'' میں ان حضرات کی رد میں جو طلاق کے غیر مشروع طریقے پر دئے جانے کی صورت میں اس کے عدم وقوع کے قائل ہیں مذکورہ بالا تین روایات کے علاوہ حضرت ابن عمر کی طلاق بحالت حیض والی حدیث[۴۳] عویمر العجلانی کی حدیث لعان ،[۴۴] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے مروی حضرت رفاعة کی بیوی والی حدیث[۴۵] اور فاطمہ بنت قیس کی حدیث[۴۶] نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ طلاق بدعت کا وقوع شرعاً ثابت ہے خواہ حیض میں دی جائے یا تین طلاقیں جمع کر کے دی جائیں ۔ چنانچہ ابن قدامہ مقدسی نے بھی اس طرح پہلے مسلک کا کہ تین طلاقیں بیک وقت دینے کی صورت میں سرے سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی ، ابطال ثابت کیا ہے ۔[۴۷]

---

(۴۲) بدائع الصنائع ، امام کاسانی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۸ ھجری ، جلد ۳ ، صفحات ۹۷-۹۶

(۴۳) ملاحظہ ہو صفحہ ۵۱۴ کتاب ھذا ۔

(۴۴) ملاحظہ ہو صفحہ ۵۱۴ کتاب ھذا ۔

(۴۵) ملاحظہ ہو صفحہ ۵۱۶ کتاب ھذا ۔

(۴۶) ملاحظہ ہو صفحہ ۵۱۶ کتاب ھذا ۔

(۴۷) المغنی ، ابن قدامہ مقدسی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۴۷ ھجری ، جلد ۷ ، صفحہ ۱۰۰-۲

نتیجۂ فکر :

مندرجہ بالا شواہد اور دلائل کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جن حضرات کا یہ مسلک ہے کہ ایک کلمہ سے تین طلاقیں دینے سے یا متفرق طور پر بیک وقت تین طلاقیں دینے سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی غلط فہمی پر مبنی ہے اور جمہور امت کے نزدیک نا مقبول ہے ۔ اس نظریہ کا شیعہ امامیہ فرقہ کے لوگوں کے سوائے فقہاء اہل سنت میں سے کوئی ایک شخص بھی قائل نہیں اور نہ ہی کبھی اس قول پر عمل کیا گیا ہے ۔[۴۸]

دوسرا مسلک ــــ صرف ایک طلاق واقع ہوگی

وہ حضرات جو بیک وقت تین طلاقیں دینے کی صورت میں صرف ایک طلاق رجعی واقع ہونے کے قائل ہیں، اپنے دعوے کے ثبوت میں حسب ذیل آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے استدلال کرتے ہیں ۔

آیات قرآنی سے استدلال :

جو حضرات بیک وقت تین طلاقیں دینے کی صورت میں صرف ایک طلاق کے واقع ہونے کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ تین طلاقیں بیک وقت دینا قرآن کے خلاف ہے، اس لیے ایسی طلاقوں کو سنت طریقے کی طرف لوٹایا جائے گا یعنی صرف ایک طلاق کے واقع ہونے کا حکم دیا جائے گا ۔ یہ حضرات اپنے دعوے کے ثبوت میں آیات قرانی ''الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان''[۴۹] اور ''اذا طلقتم

---

(۴۸) فتح القدیر، ابن ہام، (۸۶۱ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحات ۲۵-۲۳
بدائع الصنائع، امام کاسانی، (۵۸۷ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۹۶

(۴۹) البقرہ ۲۲۹

النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف اوسرحوھن بمعروف''۔[۵۰] سے استدلال کرتے ھیں ۔ ان حضرات کا کہنا ھے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ پر طلاق دینے کا حکم دیا ھے کہ عدت گزرنے سے قبل رجوع کا حق باقی رھے ۔ بنابریں صرف ایک طلاق رجعی واقع ھونے کا حکم دیا جائے گا کیوں کہ تین طلاقیں بیک وقت واقع کرنا کتاب اللہ کے خلاف ھے ۔

احادیث سے استدلال :

یہ حضرات اپنے دعوے کی تائید میں حسب ذیل احادیث سے بھی استدلال کرتے ھیں :

(۱) ابوالزبیر سے مروی ھے (انھوں نے) کہا : ''میں نے حضرت ابن عمر سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو اپنی زوجہ کو حیض کی حالت میں تین طلاقیں دے دے'' ابن عمر نے فرمایا : ''کیا تم ابن عمر کو جانتے ھو'' ؟ میں نے کہا ''ھاں'' فرمایا ''میں نے اپنی زوجہ کو رسول اللہ کے عہد میں تین طلاقیں دے دیں ، اس وقت وہ حائضہ تھی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (تین طلاق) کو سنت طریقے کی طرف لوٹا دیا تھا ۔''[۵۱]

(۲) داؤد بن حصین سے بواسطۂ عکرمہ حضرت ابن عباس سے مروی ھے کہ رکانہ ابن یزید نے اپنی زوجہ کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں اس کے بعد رکانہ کو اپنے اس فعل پر شدید رنج و

---

(۵۰) البقرہ ۲۳۱

(۵۱) ''عن الزبیر قال : سألت ابن عمر عن رجل طلق امراته ثلاثا وھی حائض، فقال لی : أتعرف ابن عمر (رضی اللہ عنہ) ؟ قلت : نعم ، قال طلقت امراتی ثلاثا علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (وھی حائض) فرد ھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی السنة ۔'' (سنن الدار قطنی، مطبع انصاری، دھلی ، ۱۳۱۰ ھجری جلد ۲ ، صفحہ ۴۲۷)

ملال ہوا ۔ اس کے بارے میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ، آنحضرت نے ان سے سوال کیا کہ تم نے کس طرح طلاق دی ؟ رکانہ نے عرض کیا کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں ، حضور نے فرمایا کہ ایک مجلس میں ؟ عرض کیا: ''جی ہاں'' حضور نے فرمایا: '' یہ ایک طلاق ہوئی اگر تم چاہو تو رجوع کر سکتے ہو ۔ رکانہ نے کہا کہ میں نے رجوع کر لیا ۔''[۵۲]

(۳) ابن طاؤس نے اپنے والد سے روایت کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے عہد و حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دو سال میں تین طلاقیں ایک طلاق تھیں ۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے فرمایا کہ جس معاملے میں لوگوں کے لیے غور و خوض کا موقع حاصل تھا اس کو چھوڑ کر وہ عجلت سے کام لینے لگے ہیں لہٰذا ہم ان کو نافذ کر دیں تو بہتر ہوگا ۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان (تین طلاقوں) کو نافذ کر دیا ۔ دوسری سند سے ابن طاؤس نے اپنے والد سے روایت کیا کہ ابو الصہبا نے حضرت ابن عباس سے کہا : ''کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تین طلاقیں ایک (طلاق) کر دی جاتی تھی اور اسی طرح ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائے عہد خلافت

---

(۵۲) ''عن ابن عباس قال طلّق رکانۃ امراتہ ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیھا حزناً شدیداً فسألہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''کیف طلقتھا'' ؟ قال طلقتھا ثلاثاً : فقال فی مجلس واحد ؟ قال نعم : قال فانما واحدۃ فارجعھا ان شئت فراجعھا ۔'' (السنن الکبری ، بیہقی ، مطبوعہ دکن ، ۱۳۵۳ ہجری ، جلد ۷ ، صفحہ ۳۳۹) ۔

میں بھی یہی صورت تھی؟''۔ ابن عباس نے فرمایا ''ھاں''۔ تیسری اور چوتھی سند سے بھی ابن طاؤس نے اپنے والد کے واسطہ سے اسی طرح روایت کیا ھے۔[۵۳]

تیسرا مسلک - تین طلاق بائنہ (مغلّظہ) واقع ہوں گی

جو فقہاء اور علماء سلف تین طلاقیں ایک ساتھ واقع ہونے کے قائل ھیں وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں متعدد احادیث و آثار صحابہ پیش کرتے ھیں جن کے خلاصے حسب ذیل ھیں۔ (مکمل متن حوالہ جات میں دئے گئے ھیں)

(۱) حضرت عبادہ بن صامت سے منقول ھے کہ میرے آباء میں سے کسی نے اپنی زوجہ کو ایک ھزار طلاقیں دے دیں، اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا۔ آنحضرت نے فرمایا ''وہ عورت اس فعل کے معصیت ہوتے ہوئے تین طلاق سے بائنہ

(۵۳) حدثنا اسحق بن ابراهیم و محمد بن رافع ''واللفظ لابن رافع'' قال اسحق اخبرنا و قال ابن رافع حدثنا عبدالرزاق اخبرنا معمر عن ابن طاؤس عن ابیه عن ابن عباس قال ''كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم و ابی بکر و سنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث و احدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استجعلوا فی امر قد کانت لهم فیه اناة فلوا مضيناه عليهم فامضاه عليهم -
حدثنا اسحق بن ابراهیم اخبرنا روح بن عبادة اخبرنا ابن حریج حدثنا ابن رافع ''واللفظ له'' حدثنا عبدالرزاق اخبرنا ابن حریج اخبرنی ابن طاؤس عن ابیه ان اباالصهباء قال لابن عباس أتعلم انما كانت الثلاث تجعل واحدة على عهد النبی صلی اللهه علیه وسلم و ابی بکر و ثلاثاً من امارة عمر فقال ابن عباس نعم -
وحدثنا اسحق بن ابراهیم اخبرنا سلیمان بن حرب عن حماد ابن زید عن ایوب السختیانی عن ابراهیم بن مغیرة عن طاؤس ان أبا الصهباء قال لابن عباس هات من هناتك الم یكن الطلاق الثلاث على عهد رسول اللهه صلى اللهه عليه و سلم و ابی بکر واحدة فقال قد كان ذالك فلما كان فی عهد عمر تتابع الناس فی الطلاق فاجازه علیهم -''
صحیح مسلم بشرح النووی، مطبوعه مصر، ۱۹۲۴ع، جلد ۱۰، طلاق الثلاث، صفحات ۷۲ - ۷۰

ہو گئی ، باقی ۹۹۷ (طلاقیں) اس کی گردن پر گناہ ہیں ۔[۵۴]

(۲) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ (انہوں نے) فرمایا ! تم میں سے ایک شخص احمق بنتا ہے کہ اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیتا ہے اور پھر ابن عباس، ابن عباس پکارتا ہوا آتا ہے ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر کام کرتا ہے ، اللہ تعالی اس کے لیے (بہتری کا) کوئی راستہ نکال دیتے ہیں لیکن چونکہ تم نے خدا سے خوف نہ کھایا لہٰذا میں تمہارے لیے کوئی راستہ نہیں پاتا ۔ تمہاری زوجہ تم سے بائنہ ہو چکی اور تم گناہ گار ہوئے ۔[۵۵]

(۳) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی زوجہ کو سو طلاقیں دی تھیں ۔ آپ نے فرمایا : ''تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے بائن (جدا) ہوگئی ۔ تم اللہ سے نہ ڈرے تاکہ وہ تمہارے واسطے کوئی راستہ نکال دیتا''۔ پھر حضرت ابن عباس نے یہ آیت تلاوت کی ''اے نبی ! جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دو تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کے شروع میں ۔'' [۵۶]

---

(۵۴) ''عن عبادۃ بن الصامت عن ابیہ عن جدہ قال طلق بعض آبائی امراتہ الفاً فانطلق بنوہ الی رسول اللہ علیہ وسلم فقالوا یا رسول اللہ ان ابانا طلق امنا الفاًفھل لہ من مخرج فقال ان اباکم لم یتق اللہ فیجعل لہ من امرہ مخرجاً بانت منہ بثلث علی غیر السنۃ تسعمائۃ وسبعۃ و تسعون اثم فی عنقہ ۔'' (سنن الدارقطنی ، مطبوعہ انصاری دھلی ، ۱۳۱۰ ھجری ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۳۳)۔

(۵۵) عن مجاھد قال کنت عند ابن عباس رضی اللہ عنھما فجاءہ رجل فقال انہ طلق امرأتہ ثلاثا قال فسکت حتی ظننا انہ رادھاالیہ ثم قال : ینطلق احدکم فیرکب الحموقۃ ثم یقول یاابن عباس یاابن عباس وان للہ جل ثناؤہ قال (و من یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً) و انک لم تتق اللہ فلا اجدلک مخرجا عصیت ربک وبانت منک امراتک''۔ (السنن‌الکبری ، مطبوعہ دکن ، ۱۳۵۳ ھجری ، جلد ۷ ، صفحہ ۳۳۱)۔

(۵۶) ''عن مجاھد عن ابن عباس رضی اللہ عنہ انہ سئل عن رجل طلق امراتہٗ مائۃ تطلیقۃ : قال عصیت ربک و بانت منک امرأتک لم تتق اللہ فیجعل لک مخرجا ثم قراء (یا ایھا النبی اذ اطلقتم النساء فطلقوھن فی قبل عدتھن) (السنن الکبری ، بیہقی ، مطبوعہ دکن ، ۱۳۵۳ ھجری ، جلد ۷ ، صفحہ ۳۲۱) ''۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو لایا گیا جس نے اپنی زوجہ کو ایک ہزار طلاقیں دی تھیں آپ نے فرمایا کہ تو نے مذاق کیا ۔ آپ نے درے سے مارا ۔ اور کہا کہ تیرے لیے تین طلاقیں کافی تھیں ۔[۵۷]

(۵) حضرت ابن عمر نے اپنی زوجہ کو بحالت حیض ایک طلاق دی ۔ پھر ارادہ کیا کہ باقی دو قروء میں آخری دو طلاقیں دیں کہ حضور کو اس کی اطلاع پہنچی آپ نے فرمایا اے ابن عمر تم نے سنت کے خلاف کیا . . . . پھر ان کو اپنی زوجہ سے رجوع کا حکم دیا ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! یہ فرمائیے کہ اگر میں اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لیے رجوع کرنا حلال ہوتا ؟ حضور نے فرمایا : ''نہیں! وہ تم سے بائنہ (جدا) ہو جاتی اور یہ عمل معصیت ہوتا''۔[۵۸]

(۶) جب عویمر العجلانی اور ان کی زوجہ ایک دوسرے کو (بہ سبب تہمت زنا (جو عویمر نے اپنی زوجہ پر لگائی تھی) لعان کر چکے تو عویمر نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر اب میں اس کو (اپنے

---

(۵۷) ''عن زید بن وہب ان بطالا کان بالمدینة فطلق امراتہٗ الفاً فرفع ذالک الی عمر بن الخطاب رضی اللهه عنه فقال انما کنت العب فعلاہ عمر رضی اللهه عنه بالدرة و قال ان کان لیکفیک ثلاث ۔'' (السنن الکبری، بیہقی، مطبوعہ دکن، ۱۳۵۳ ھجری ، جلد ۷ ، صفحہ ۳۳۴)

(۵۸) عن عبد اللهه ابن عمر انه طلق امرأته تطلیقة وهی حائض ثم ارادان یتبعها بتطلیقتین اخراوین عند القرئین الباقیین فبلغ ذلک رسول اللهه علیه وسلم فقال یا ابن عمر ما هکذا امراللهه تبارک و تعالی انک قد اخطأت السنة، والسنة ان تتقبل الطهر فتطلق لکل قرء قال : فامرنی رسول اللهه صلعم فراجعتها ثم قال لی اذاهی طهرت فطلق عنذلک اوامسک ۔ فقلت یا رسول اللهه افرایت لوانی طلقتها ثلاثا کان یحل لی ان اراجعها قال لاکانت تبین منک و تکون معصیة ۔'' (السنن الکبری ، بیہقی ، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۱۳۵۳ ھجری، جلد ۷ ، صفحہ ۳۳۴)۔

پاس) روکوں گا تو اس پر جھوٹ بولنے والا متصور ہوگا لہٰذا حضور کے فرمانے سے قبل انھوں نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دے دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل پر انکار نہ فرمایا ۔[59]

(۷) ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی زوجہ کو سو طلاقیں دی ہیں آپ نے فرمایا تین لے لو اور ۹۷ دور کرو ۔[60]

(۸) عبداللہ بن مسعود کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں نے اپنی عورت کو آٹھ طلاقیں دیں ۔ ابن مسعود نے کہا کہ تیرے بارے میں کیا کہا گیا ؟ اس نے جواب دیا کہ میرے بارے میں کہا گیا کہ وہ مجھ سے بائن ہو گئی ۔ پس ابن مسعود نے کہا کہ انھوں نے سچ کہا ۔ جس شخص نے طلاق دی اس طرح جس طرح اللہ نے حکم دیا پس اللہ نے جاری کر دیا (اپنا حکم) اس کے واسطے اور جس نے اپنے نفس کو ملتبس کیا ہم نے التباس کو اس سے متصل کر دیا ۔ اپنے نفسوں پر التباس نہ کرو (اور اگر کرو گے تو) ہم ڈال دیں گے تم پر وہ جو تم کہتے ہو ۔[61]

---

(۵۹) سنن الکبری، بیہقی، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۱۳۵۳ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۳۲۸ ۔ (یہ روایت باب ۔ ۱۱ میں بیان کی جا چکی ہے) ۔

(۶۰) عن عبدالحمید بن رافع عن عطاء ان رجلاً قال لابن عباس طلقت امرأتی مائة قال تاخذ ثلاثاوتدع سبعاً وتسعین ۔" (السنن الکبری، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۱۳۵۳ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۳۳۷)

حدثنی یحیی عن مالک : انہ بلغہ ان رجلاً قال لعبد اللہ بن عباس انی طلقت مائة تطلیقة فماذا تری علی ۔ فقال ابن عباس : طلقت منک بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بھاآیات اللہہ ھزوا ۔" (موطا، امام مالک مع شرح زرقانی، مطبوعہ مصر، ۱۳۸۲ھ جلد ۴، صفحہ ۶۶) ۔

(۶۱) " وحدثنی عن مالک انہ بلغہ ان رجلاً جاء الی عبداللہہ بن مسعود فقال : انی

(باقی اگلے صفحہ پر)

(۹) حفص بن المغیرہ نے اپنی زوجہ فاطمہ بنت قیس کو رسول اللہ کے زمانہ میں ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیں ۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زوجہ کو اس سے جدا کر دیا ۔ اور ہم تک (کوئی بات) نہیں پہنچی کہ حضور صلعم نے اس کو برا کہا ہو ۔[62]

(۱۰) حضرت عبداللہ ابن عمر سے سوال کیا گیا آپ نے فرمایا اگر تو اس کو تین طلاقیں دیتا تو وہ تجھ پر حرام ہو جاتی یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرتی ۔ اور تو نے اپنی زوجہ کو طلاق دینے کے معاملے میں اللہ کی نافرمانی کی ۔[63]

(۱۱) عمران بن الحصین کے پاس ایک شخص گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں ۔ عمران بن الحصین نے جواب دیا کہ اس (مرد) نے اپنے رب کا گناہ کیا اور اپنی بیوی

(بقیہ حاشیہ)

طلقت امراتی ثمان تطلیقات فقال ابن مسعود فماذاقیل لک ؟ قال قیل لی انہا قد بانت منی فقال ابن مسعود صدقوا من طلق کما امرہ اللہ فقد بین اللہ لہ و من لبس علی نفسہ لبساً جعلنا لبسہ ملصقا بہ لاتلبسوا علی انفسکم و نتحملہ ھو کما یقولون ۔" (موطاء امالک ' مع شرح زرقانی ' مطبوعہ مصر ۱۳۸۲ ہجری جلد ۴ ' صفحہ ۶۸) ۔

(۶۲) "ان حفص بن المغیرہ طلق امرأتہ فاطمہ بنت قیس علی عہد رسول اللہ علیہ وسلم ثلث تطلیقات فی کلمۃ واحدۃ فابانہا منہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ' لم یبلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عاب ذلک منہ" (السنن دارقطنی ' مطبوعہ دہلی ' ۱۳۱۰ ہجری ' جلد ۲ ' ۴۲۹) ۔

(۶۳) "وکان ابن عمر اذ اسئل عن ذلک قال احد ھم ان کنت طلقتہا ثلاثاً فقد حرمت علیک حتی تنکح زوجاغیرک وعصیت اللہ عزوجل فیما امرک من طلاق امرأتک ۔" (رواہ البخاری و مسلم فی الصحیح عن قتیبۃ) ۔ (صحیح مسلم مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب ' جلد اول صفحہ ۴۷۶) و (السنن الکبریٰ ' بیہقی ' مطبوعہ حیدر آباد دکن ' ۱۳۵۳ ہجری ' جلد ۷ ' صفحہ ۳۳۰ - ۳۱) ۔

کو اپنے اوپر حرام کر لیا ۔[٦٤]

(۱۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اس نے کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو ایک ہزار طلاقیں دیں ۔ آپ نے فرمایا تین طلاقوں نے اس عورت کو تیرے اوپر حرام کر دیا اور باقی طلاقوں کو اپنی دوسری بیویوں میں تقسیم کر ۔[٦٥]

(۱۳) عائشه الخثعمية حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو عائشہ نے حضرت حسن سے کہا '' خلافت مبارک ہو'' حضرت حسن نے اس سے کہا '' انت طالق یعنی ثلاثا '' راوی نے بیان کیا کہ اس نے اپنے کپڑے سمیٹے اور (عدت میں) بیٹھ گئی یہاں تک کہ اس کی عدت گذر گئی ۔ حضرت حسن نے اس کی طرف باقی مہر اور دس اشیاء صدقہ بھیجیں جب قاصد اس کے پاس پہونچا تو اس عورت نے کہا '' متاع قلیل من حبیب مفارق '' جب اس کی خبر حضرت حسن کو پہنچی تو آپ روئے اور کہا اگر میں نے اپنے نانا سے (یا کہا اپنے باپ سے) نہ سنا ہوتا کہ جس کسی شخص نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیں بوقت حیض یا ایک دم تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں رہتی یہاں تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے تو میں اس (عائشہ) سے رجوع کر لیتا ۔[٦٦]

---

(٦٤) ''ان رجلااتی عمران بن الحصین رضی اللهه عنه و هوفی المسجد فقال رجل طلق امرأته ثلاثا و هوفی مجلس قال اثم بربه و حرمت علیه امرأته'' (السنن الکبری' بیہقی' مطبوعه حیدر آباد دکن' ۱۳۵۳ هجری' جلد ۷ ' صفحه ۳۳۲)۔

(٦٥) جاء رجل الی علی رضی اللهه عنه فقال طلقت امرأتی الفاً قال ثلاث تحرمها علیک واقسم سائرها بین نسائک۔ (السنن الکبری' بیہقی' مطبوعه حیدر آباد دکن' ۱۳۵۳ هجری' جلد ۷ ' صفحه ۳۳۴)۔

(٦٦) السنن الکبری' بیہقی' مطبوعه حیدر آباد دکن' ۱۳۵۳ هجری' جلد ۷ ' صفحه ۳۳۵ .

(۴۱) معاذ بن جبل سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا کہ اے معاذ ! جس نے بدعی طلاق دی ایک یا دو یا تین، ہم اس کی اس بدعت کو اس پر لازم کریں گے۔[۶۷]

تین طلاق کو ایک قرار دینے والوں کے استدلال پر تنقید :

جو حضرات بیک وقت تین طلاقیں دینے کی صورت میں ایک طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں، اپنے دعوے کے ثبوت میں بالعموم قرآن پاک کی آیات ''الطلاق مرتان'' اور ''اذا طلقتم النساء'' اور چند حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

جہاں تک قرآن پاک کی مذکورہ بالا آیات کو اس دعوے کے ثبوت میں پیش کرنے کا تعلق ہے، اس کے متعلق امام ابن حزم کا جواب کافی ہے ''کہ قرآن پاک کی یہ آیات ایک طلاق یا دو طلاقیں دینے کے طریقے کو اختیار کرنے کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔''[۶۸] اور حقیقت بھی یہی نظر آتی ہے کہ قرآن پاک طلاق کے احسن طریقے کو بیان کر رہا ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ قرآن ایک یا دو یا تین طلاقوں کے ایک ساتھ دیے جانے کو غیر نافذ قرار دیتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک شے کا محض اقتضاء نص یا مفہوم مخالف کی دلیل کی بناء پر خلاف قرآن ہونا اس شے کے وجود کو عدم میں کیونکر تبدیل کر سکتا ہے یا یہ کہ اگر ایک فعل کرنے سے قرآن منع کرتا ہے اور

---

(۶۷) ''عن انس قال معاذ بن جبل یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول : یا معاذ من طلق البدعة واحدة اواثنین او ثلث الزمناه بد عته۔'' (السنن دار قطنی، مطبوعہ انصاری پریس، دہلی، ۱۳۱۰ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۴۴۴)۔

(۶۸) المحلیٰ، ابن حزم، مطبوعہ قاہرہ (۱۳۵۲ھ) جلد ۱۰ صفحات ۱۶۹-۱۷۳

وہ فعل کر لیا جائے تو وہ باطل کیونکر قرار پا سکتا ہے اور اس کا وجود اور عدم کیونکر برابر ہو سکتا ہے؟ مثال کے طور پر قرآن ''زنا'' اور ''چوری'' سے منع کرتا ہے لیکن اگر کوئی شخص ان افعال کا ارتکاب کرے (جو صریحاً قرآن کے خلاف ہوگا) تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اس کا فعل باطل ہے؟ یا یہ کہ وہ فعل وقوع پذیر ہی نہیں ہوا؟ اسی طرح اذان جمعہ کے وقت خرید و فروخت یا غصب کردہ زمین پر نماز پڑھے جانے کی صورت ہے جس کا ذکر سطور ماقبل میں کیا جا چکا ہے۔ بالفاظ دیگر کوئی شخص قرآن کریم کے بیان کردہ احسن طریقے کے خلاف طلاق دینے کا طریقہ اختیار کرے مثلاً بیک وقت ''دو طلاقیں'' اس طرح دے کہ تجھے ''دو طلاق'' یا ''تجھے طلاق۔ طلاق'' یا تین کا عدد استعمال کرے یا متفرق الفاظ وقت واحد میں کہہ کر طلاق دے یا حیض میں ایک طلاق دے یا حیض میں دو یا تین طلاق ایک ساتھ دے یا طہر میں ہم بستر ہونے کے بعد مذکورہ طریقوں میں کسی طریقے کو اختیار کرے تو اس کا حکم، ظاہر ہے کہ، کتاب اللہ میں موجود نہیں۔ ایسی صورت میں علاوہ قیاسی دلائل کے ہمیں احادیث نبوی اور آثار صحابہ سے امداد لینا ہوگی اور ایسی مستند احادیث موجود ہیں جن سے مذکورہ صورتوں میں طلاق کا وقوع بلا کسی شک و شبہ کے ازروئے نص ثابت ہے۔ لہٰذا محض قرآن میں ان صورتوں کا ذکر نہ ہونے کی بناء پر طلاق کے عدم وقوع یا صرف ایک طلاق واقع ہونے کا قطعی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

بہر حال تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق کی طرف راجع کرنے کا حکم جن حدیثوں پر مبنی ہے ان حدیثوں کے بارے میں محدثین اور فقہاء نے جرح و تعدیل کے بعد یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ وہ حدیثیں تین طلاقیں دفعۃً دیے جانے کی صورت میں صرف ایک طلاق کے واقع ہو جانے پر حجت نہیں ہو سکتیں۔

حضرت ابن عمر والی حدیث :

اس ضمن میں بیان کی جانے والی پہلی حدیث کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ کو بحالت حیض تین طلاقیں دی تھیں دارقطنی نے روایت کی ہے ۔ علامہ قرطبی نے اپنی مشہور تفسیر جامع الاحکام القرآن میں لکھا ہے کہ اس روایت کے متعلق خود دارقطنی نے فرمایا ہے کہ اس روایت کی سند کے تمام راوی شیعہ ہیں ۔[۶۹] دراصل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی محفوظ روایت وہی ہے جس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی زوجہ کو حیض کی حالت میں ایک طلاق رجعی دینا مذکور ہے ۔[۷۰] اور جس پر تمام ائمہ اور محدثین کا اتفاق ہے ۔

حضرت رکانہ والی حدیث :

دوسرے مسلک کی جانب سے پیش کردہ دوسری روایت حضرت رکانہ والی ہے ۔ حضرت رکانہ والی روایت کے متعلق علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ روایت مضطرب اور منقطع ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ اس کو حجت میں پیش کیا جا سکے کیونکہ اس حدیث کو ابوداؤد نے ابن جریج سے بنی ابی رافع کے بعض لوگوں کے واسطے سے روایت کیا ہے حالانکہ ان لوگوں میں کوئی بھی شخص ایسا نہ تھا جو حضرت عکرمہ کے واسطے سے ۔ حضرت ابن عباس

---

(۶۹) اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود شیعہ امامیہ حضرات بھی اس حدیث کے قائل نہیں ہیں کیونکہ ان کے نزدیک تین طلاقیں بحالت حیض (یا بحالت طہر) دیے جانے کی صورت میں سرے سے کوئی طلاق واقع ہی نہیں ہوتی ۔ (مولف) ۔

(۷۰) یہی روایت صالح ابن کیسان و موسیٰ ابن عقبہ و اسماعیل ابن امیہ و لیث ابن مسعود و ابن ابی ذئب ، ابن جریج و جابر و اسمعیل ابن ابراہیم ابن عقبہ و حسن بصری کی حضرت نافع سے ہے ۔ ان تمام روایات کے الفاظ یہ ہیں'' ان ابن عمر طلق تطلیقۃ واحدۃً '' اسی طرح امام زہری نے حضرت سالم سے ان کے والد کی حدیث کو یونس ابن جبیر و شعبی و حسن بصری نے روایت کیا ہے ۔ (مؤلف) ۔

سے روایت کر سکتا ۔

علاوہ ازیں اس حدیث میں یہ کہا گیا ہے کہ رکانہ نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دی تھیں اور حضور صلعم نے ان سے فرمایا تھا کہ رجوع کر لو ، حالانکہ حضرت نافع ابن عجیر سے اس روایت کو متعدد سندوں کے ساتھ اس طرح روایت کیا گیا ہے کہ رکانہ ابن عبد یزید نے اپنی زوجہ کو طلاق بتہّ دی تھی یعنی ''ثلاثہ'' کے لفظ کے بجائے ''بتہّ'' کا لفظ استعال کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قسم دے کر دریافت کیا تھا کہ تم نے ''بتہّ'' کے لفظ سے کیا ارادہ کیا تھا ؟ رکانہ نے قسم کھا کر عرض کیا تھا کہ میں نے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا ۔ تب حضور صلعم نے زوجہ کو ان کی طرف لوٹا دیا ۔ چنانچہ حضرت رکانہ کی حدیث سے جو امر ثابت ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ رکانہ نے لفظ ''بتہّ'' سے طلاق دی تھی نہ کہ لفظ ''ثلاثہ'' سے ۔ اور چونکہ لفظ ''بتہّ'' سے طلاق دینا طلاق کنایہ ہے اس لیے نیت کا اعتبار کیا جائے گا لہذا اس حدیث کو تین طلاق ایک ساتھ دینے کے ثبوت میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اس حدیث کے بارے امام جصاص (متوفی ۳۷۰ ھجری) نے بھی اپنی مشہور تفسیر احکام القرآن میں لکھا ہے کہ ''کچھ اصحاب نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے'' بنا بریں یہ حدیث استدلال کے لائق نہیں ۔

مزید برآں عبد یزید ابن رکانہ کی وہ روایات جن میں ''بتہّ'' کا لفظ آیا ہے اور آنحضرت صلعم نے ان کو قسم دے کر دریافت کیا ہے کہ تمہارا کیا ارادہ تھا (یعنی کیا تمہارا ارادہ صرف ایک طلاق کا تھا ؟) اور انہوں نے قسم کھا کر ایک طلاق کا ارادہ ظاہر کیا ۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ اگر رکانہ تین طلاق کا ارادہ کرتے تو تین واقع

ہو جاتیں ۔ اسی لیے آنحضرت صلعم نے ان کو قسم دے کر دریافت کیا تھا ۔ اگر تین طلاق کے واقع ہونے کا احتمال نہ ہوتا تو قسم دینے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی ۔

رکانہ والی حدیث کے بارے میں حافظ ابن قیمؒ کے دلائل :

حافظ ابن قیمؒ نے اپنی مشہور کتاب ''زاد المعاد'' میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور رکانہ کی حدیث پر متعدد اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت رکانہ کی حدیث جس کو نافع ابن عجیر نے روایت کیا ہے کہ رکانہ نے اپنی زوجہ کو طلاق '' بتہ '' دی تھی ' تعجب کی بات ہے کہ نافع ابن عجیر جیسے مجہول و غیر معروف راوی کو ابن جریج وغیرہ پر ترجیح دی جا رہی ہے ۔ حالانکہ امام الحدیث محمد بن اسمٰعیل بخاری نافع کی اس حدیث کے مضطرب ہونے کے قائل ہیں ۔ اسی طرح امام ترمذی نے بھی اس (بتہ والی) حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے ۔ اس روایت کے کسی طریقے میں '' طلقھا ثلاثاً '' مروی ہے ۔ اور کسی میں '' طلقھا واحدۃً '' اور کسی میں '' طلقھا البتۃ '' نیز امام ابو محمد ابن حزم نے فرمایا ہے کہ اس کی تمام روایتیں ضعیف ہیں بلکہ نافع کی یہ حدیث اس حدیث سے مقدم نہیں ہو سکتی جس کو ابن جریج نے بعض بنی رافع سے روایت کیا ہے ۔ کیونکہ یہ بعض بنی رافع اگرچہ مجہول ہیں لیکن پھر بھی تابعین میں سے ہیں ۔ اور ان میں کوئی بھی متہم بالکذب نہیں ہے ۔ نیز ابن جریج اور ایسے محدثین نے ان سے روایت کیا ہے جن سے مجہول راوی کی روایت بھی قبول کرلی جاتی ہے ۔

حافظ ابن قیم کے دلائل کا جواب :

رکانہ والی حدیث کے سلسلہ میں حافظ ابن قیم کے دلائل کے جواب

میں ہم یہ عرض کریں گے کہ رکانہ والی روایت متعدد طریقوں سے منقول ہے - چنانچہ دارقطنی نے امام شافعی کی تین سندوں سے نافع ابن عجیر بن عبد یزید سے روایت کیا ہے اس روایت میں ''البتۃ'' کے الفاظ ہیں اور اس کے ساتھ یہ تصریح ہے کہ پھر حضرت رکانہ نے دوسری طلاق حضرت عمر رضی اللہ عنہہ کے زمانے میں اور تیسری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دی تھی - اس کے بعد چار سندوں سے عبداللہ ابن علی بن یزید بن رکانہ سے روایت کیا ہے - ان روایات میں بھی ''البتۃ'' کے الفاظ سے طلاق دینا منقول ہے - نیز دار قطنی نے امام شافعی کی سند سے روایت شدہ حدیث کے متعلق فرمایا ہے ''ھذا حدیث صحیح''۔ اس کے بعد عبداللہ بن علی ابن یزید کی روایات کو جو رکانہ کے پوتے ہیں نقل کرنے کے بعد ان روایات پر کوئی جرح نہیں کی ہے - ابوداؤد نے بھی نافع ابن عجیر اور عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ کی روایات کو نقل کر کے کہا ہے ''اصح لانھم ولدالرجل و اھلہ اعلم بہ'' یعنی یہ حدیث زیادہ صحیح ہے کیوں کہ وہ اس شخص کی اولاد ہیں اور گھر والا (دوسرے کی بہ نسبت) اس چیز سے زیادہ واقف ہوتا ہے - تاھم ابوداؤد نے اس رکانہ کے واقعہ کو بہ سند ابن جریج بعض بنی ابی رافع بواسطۂ عکرمہ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے جس میں ''طلقھا ثلاثا'' اور ''طلقھا ثلاثۃ'' کے الفاظ ہیں لیکن ھماری نظر میں اس حدیث کے متعلق ان حضرات کا قول صحیح ہے جو فرماتے ہیں کہ حدیث (جس میں ثلاثہ کے لفظ سے طلاق دینا آیا ہے) مضطرب ہے - خود حافظ ابن قیم نے بھی اس اضطراب کو قبول کیا ہے - اس بناء پر یہ حدیث قابل حجت نہیں رہتی - اس اضطراب سے قطع نظر جب ہم غور کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ رکانہ کی وہ روایت صحیح ہے جس میں ''بتہ'' کے لفظ سے طلاق کا دیا جانا روایت کیا گیا

ہے جس کی اسناد کا ذکر سطور بالا میں کیا جا چکا ہے ۔

اس کے علاوہ بتہ والی حدیث کے قوی ہونے کی ایک دوسری وجہ بھی ہے وہ یہ کہ حضرت رکانہ کی جن روایات میں تین طلاق کا لفظ مروی ہے وہ تمام روایات عکرمہ کی حضرت ابن عباس سے مروی ہیں ۔ ابوداؤد نے ابن عباس اور پھر نافع ابن عجیر اور عبداللہ ابن علی بن یزید کی روایات نقل کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ بواسطۂ عکرمہ ابن عباس کی روایت کے مقابلے میں نافع بن عجیر اور عبداللہ بن علی بن یزید کی یہ روایات زیادہ صحیح ہیں ۔[۷۰] کہ حضرت رکانہ نے اپنی زوجہ کو طلاق ''بتہ'' دی تھی اس لیے کہ یہ لوگ رکانہ کی اولاد اور ان کے اہل و عیال میں سے ہیں ۔ یہ لوگ رکانہ کے واقعہ کے سب سے زیادہ جاننے والے ہوں گے کہ رکانہ نے اپنی زوجہ کو طلاق بتّہ دی تھی اور اس کو نبی صلعم نے (رکانہ کی نیت معلوم کرنے کے بعد) ایک قرار دیا تھا ۔ نیز امام بیہقی نے بھی ان تمام روایات کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ رکانہ کے لفظ ''ثلاثۃ'' سے طلاق دینے کے متعلق یہ سندیں اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے استدلال کیا جائے کیوں کہ ان کے مقابلے میں آٹھ راوی ایسے ہیں جنہوں نے ابن عباس سے ان کی روایت کے خلاف ان کا تین طلاق واقع ہونے کا فتوی اور مسلک بیان کیا ہے ۔[۷۱]

نیز یہ کہ عکرمہ نے جو ابن عباس کے آزاد کردہ غلام تھے حضرت ابن عباس سے رکانہ والی حدیث جس طرح روایت کی ہے اس حدیث کی عبارت کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خود حضرت ابن

---

(۷۰) سنن ابود اؤد ، مطبع مجیدی کان پور ، صفحات ۳۰۱ - ۲۹۹

(۷۱) السنن الکبری ، بیہقی ، مطبوعہ حیدر آباد دکن ، ۱۳۵۳ ہجری ، جلد ۷ ، صفحہ ۳۳۹

عباس اس واقعہ کے وقت موجود نہ تھے اگر حضرت ابن عباس خود اس واقعہ کے وقت موجود ہوتے تو اس کو ایسے الفاظ سے روایت کرتے کہ ان کی موجودگی ظاہر ہو جاتی ۔

ابن قیمؒ نے نافع ابن عجیر کو مجہول کہا ہے حالانکہ ابوداؤد نے اپنی سنن میں ان کا نام و نسب تصریح کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے انہیں نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانہ لکھا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نافع بن عجیر رکانہ کے اہل خاندان میں سے ہیں جس طرح عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ ان کے خاندان میں سے ہیں ۔ ابن قیمؒ کے نزدیک اگر بعض بنی رافع تابعین میں ہونے کے سبب باوجود مجہول ہونے کے مگر متہم بالکذب نہ ہونے کے باعث مقبول الحدیث ہو سکتے ہیں تو اس طرح نافع ابن عجیر بھی تابعی ہیں اور متہمم بالکذب نہیں ہیں ، تو وہ بعض بنی رافع کے مقابلے میں بدرجۂ اولیٰ مقبول الحدیث ہو سکتے ہیں اور ان کی سند سے روایت کو قابل ترجیح سمجھا جائے گا جب کہ وہ رکانہ کے خاندان کے افراد میں ہیں جیسا کہ ابوداؤد نے نافع بن عجیر اور عبداللہ ابن علی بن یزید رکانہ کی سند سے بیان کردہ روایت کو ابن جریج (بعض بنی رافع) والی حدیث کے مقابلے میں زیادہ صحیح کہا ہے ۔

حافظ ابن قیمؒ نے اس حدیث کو مضطرب کہا ہے اور اس سلسلے میں امام بخاری کے قول کو بھی نقل کیا ہے ۔ لیکن امام بخاری نے اس حدیث کے اضطراب کو مخصوص طور پر نافع ابن عجیر سے ثابت کیا ہے کیوں کہ نافع بن عجیر سے جتنے طریقوں سے یہ روایت مروی ہے ان تمام روایات میں ''بتۃ'' کے لفظ سے طلاق دینا مذکور ہے ۔ نافع کی کسی روایت میں ''ثلاثۃ'' کے لفظ سے طلاق دینا مذکور نہیں ہے ۔ یہی صورت

عبداللہ ابن علی بن یزید بن رکانہ کی روایت میں ہے کہ اس میں بھی رکانہ کا اپنی زوجہ کو ''بتہ'' کے لفظ سے طلاق دینا مذکور ہے۔ حقیقت میں اضطراب اس وقت پیدا ہوتا ہے جب رکانہ والی حدیث کو جملہ روایات کے ساتھ بحیثیت مجموعی دیکھا جائے کیوں کہ ابن جریج کی روایت میں ''ثلاثۃ'' کا لفظ ہے جب کہ نافع بن عجیر اور عبداللہ بن علی کی روایتوں میں ''بتہ'' کا لفظ آیا ہے۔ لہذا نتیجہ کے طور پر یہ اضطراب ابن حریج کی بیان کردہ روایت کے سبب پایا جاتا ہے۔

نتیجۂ فکر :

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ حضرت عکرمہ سے مروی یہ حدیث تین طلاق یکوقت کو ایک طلاق رجعی قرار دینے کی حجت نہیں ہو سکتی بلکہ اگر دقیق نظر سے دیکھا جائے تو عکرمہ کی یہی روایت تین طلاق یکوقت کو تین طلاق قرار دینے کی دلیل ہے کیونکہ حدیث کے آخری حصے کے الفاظ یہ ہیں :

> ''پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی زوجہ ام رکانہ سے رجوع کر لو۔ رکانہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اس کو تین طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا ، ہاں ، مجھے معلوم ہو گیا ہے ، رجوع کر لو''

اس حصے میں ابو رکانہ کا آنحضرت صلعم سے یہ عرض کرنا کہ میں تو تین طلاقیں دے چکا ہوں (کس طرح رجوع کر سکتا ہوں) اس امر کی دلیل ہے کہ رکانہ یہ جانتے تھے کہ یکدم تین طلاقیں دینے کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے اور مرد اس سے رجوع نہیں کر سکتا۔ اور یہ خیال رکانہ کو اسی وقت پیدا ہوا ہو گا جب کہ ان کے اس فعل سے قبل اس قسم کا کوئی واقعہ ان کے علم میں آ چکا ہو گا۔ بلکہ اس سے یہ

بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ رکانہ ''بتہ'' کے لفظ سے (جس کو نافع ابن عجیر اور عبداللہ بن علی بن یزید نے روایت کیا ہے) طلاق دینے کو یکدم طلاق بائن مغلظہ تصور کرتے تھے اور ان دونوں الفاظ ''طلاق الثلاثۃ'' یا ''طلاق البتہ'' کے استعمال میں ان کے نزدیک کوئی فرق نہ تھا اور رسول اللہ صلعم کو چوں کہ ''البتۃ'' کے لفظ سے طلاق دینے کا علم ہو گیا تھا اس لیے آپ نے فرق ظاہر کرنے کے لیے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے (کہ جس لفظ سے تم نے طلاق دی ہے وہ محتمل علیہ ہے۔ یعنی اس سے تین طلاق مراد لی جا سکتی ہیں اور ایک بھی) لہذا تم رجوع کر لو (کیونکہ تمھاری نیت ایک طلاق کی تھی) ۔

چنانچہ یقین اور اعتماد کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصل واقعہ وہی ہے جس کو نافع بن عجیر اور عبداللہ بن علی بن یزید نے روایت کیا ہے ، گو دوسرے لوگوں نے لفظ ''بتہ'' کے محتمل علیہ ہونے کے سبب اپنے اپنے خیال کے مطابق الفاظ میں رد و بدل کر کے روایت میں اضطراب پیدا کر دیا ہے مگر اس سے نافع بن عجیر اور عبداللہ بن علی بن یزید کی روایات مجروح قرار نہیں دی جا سکتیں ۔

اس کے علاوہ عکرمہ کی رکانہ والی دونوں روایتوں کے متن (اصل عبارت) جن کو بعض بنی رافع اور داؤد ابن الحصین نے بیان کیا ہے ، قابل غور ہیں :

(۱) بعض بنی ابی رافع نے حضرت عکرمہ سے حضرت ابن عباس کی جو روایت نقل کی ہے جس کو ابو داؤد اور بیہقی نے روایت کیا ہے اس کے متن میں ابو رکانہ کے واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ رکانہ نے ام رکانہ کو طلاق دینے کے بعد مزنیہ قبیلہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا تھا ۔ یہ عورت رسول اللہ کی خدمت میں ابو رکانہ کے نامرد ہونے کی شکایت لے کر آئی ۔ آنحضرت نے بالآخر رکانہ کو حکم

دیا کہ اس عورت کو طلاق دے کر ام رکانہ سے رجوع کر لو۔

(۲) اس روایت کے برخلاف داؤد ابن الحصین کی روایت میں ہے کہ طلاق دینے کے بعد خود ابو رکانہ کو شدید رنج و غم تھا اور وہ خود آنحضرت سے معلوم کرنے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ مزید برآں عکرمہ کی بعض بنی ابی رافع والی پہلی روایت میں یہ ہے کہ جب حضور نے ان کو رجوع کرنے کا حکم دیا تو ابو رکانہ نے اس پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے رجوع کرنے سے پہلو تہی کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں تو تین طلاقیں دے چکا ہوں پھر کس طرح رجوع کر لوں۔ (رکانہ کے اس کلام سے ام رکانہ سے رجوع کرنے کی رغبت بھی ظاہر نہیں ہوتی) لیکن داؤد ابن الحصین کی روایت میں یہ ہے کہ رکانہ کو طلاق دینے کے بعد سخت غم لاحق ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ بعض بنی ابی رافع کی روایت میں ہے کہ جب ابو رکانہ نے آنحضرت کو طلاق کی اطلاع دی تو آنحضرت نے فرمایا "مجھے معلوم ہو چکا ہے" اور داؤد بن الحصین کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ابو رکانہ سے طلاق کی کیفیت کے بارے میں سوال کر رہے ہیں کہ "تم نے کس طرح طلاق دی" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کو پہلے سے معلوم نہ تھا۔ مزید یہ کہ بعض بنی ابی رافع کی روایت میں صرف تین طلاق دینے کا ذکر آیا ہے۔ یہ ذکر نہیں آیا کہ تینوں طلاقیں ایک مجلس میں دی تھیں، جب کہ داؤد بن الحصین کی روایت میں ہے کہ آنحضرت نے تین طلاقیں ایک مجلس میں دینے کے متعلق بھی سوال کیا اور رکانہ نے کہا ہاں (میں نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی ہیں)۔ اس سے اس امر کی وضاحت ہوگئی کہ آنحضرت کو کوئی علم نہ تھا کہ رکانہ نے کس طرح اور کس کیفیت کے ساتھ طلاق دی ہے؟

ان دونوں روایتوں میں بیان کردہ امور ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔

ساتھ ھی یہ بات بھی قابل غور ھے کہ کیا ابن عباس جیسے نقیہ اور مجتہد وقت ایک ھی واقعہ کو بیان کرنے میں ایسی متضاد اور ایک دوسرے کے منافی عبارت اختیار کر سکتے ھیں ؟ بلکہ حقیقت یہ معلوم ھوتی ھے کہ یہ عبارت خود عکرمہ کی اپنی ھے جس کو انھوں نے اپنے نظریہ کے تحت مختلف انداز میں بیان کیا ھے ، جیسا کہ ابو داؤد نے بواسطۂ اسمعیل بن ابراھیم بن ایوب اس کو عکرمہ کا قول ھونا نقل کیا ھے ۔[۲۷]

حضرت طاؤس کی احادیث :

وہ حضرات جو تین طلاقیں دفعتاً دینے کی صورت میں صرف ایک طلاق رجعی واقع ھونے کے قائل ھیں اپنے دعوے کے ثبوت میں حضرت طاؤس کی ابوالصہباء والی روایت بھی پیش کرتے ھیں جس کو ابو داؤد نے دو سندوں سے روایت کیا ھے ۔[۲۳] نیز امام دارقطنی نے پانچ سندوں سے روایت کیا ھے ۔[۲۴] امام مسلم نے طاؤس کی ان روایات کو تین سندوں سے روایت کیا ھے ۔[۲۵] امام بیہقی نے بھی اپنی سندوں سے طاؤس کی ان احادیث کو روایت کیا ھے ۔

اگر ان احادیث کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ھے کہ یہ سرے سے احادیث رسول ھی نہیں ھیں بلکہ زیادہ سے زیادہ تاریخی واقعہ کے طور پر صحابی کے اثر کا درجہ

---

(۲۷) ''قال ابوداؤد : مروی حماد بن ایوب عن عکرمۃ عن ابن عباس اذا قال انت طالق بفم واحد فھی واحدۃ رواہ اسمعیل بن ابراھیم عن ایوب ھذا قولہ لم یذکر ابن عباس و جعلہ قول عکرمۃ'' (سنن ابوداؤد ، مطبع مجیدی کان پور ، جلد اول ، صفحہ ۲۲۹

(۲۳) سنن ابوداؤد ، مطبع مجیدی کان پور ، جلد اول ، صفحہ ۲۲۹

(۲۴) سنن دارقطنی ، مطبوعہ دھلی ، جلد ۲ صفحات ۴۵ - ۴۴۰

(۲۵) صحیح مسلم بشرح النووی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ ھجری ، طلاق الثلاث ، جلد ۱۰ ، صفحات ۷۲ - ۷۰

رکھتی ہیں کیونکہ ان روایات میں کسی بھی سند سے حضرت ابن عباس کا تین طلاق کو ایک قرار دینے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول یا فعل یا تقریر کو یا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے کسی قول یا فعل یا تقریر کو بطور تائید پیش نہیں کیا گیا اور نہ حضرت ابوالصہباء نے آنحضرت صلعم یا ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ کے کسی واقعہ کو پیش کر کے حضرت ابن عباس سے بطور تائید سوال کیا ہے بلکہ تمام سندوں میں ابوالصہباء کا سوال مبہم اور عبارت پیچیدہ ہے۔ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کو ایسا کوئی واقعہ معلوم نہ تھا اگر معلوم ہوتا تو ابن عباس سے ضرور ذکر کرتے مزید برآں ابوالصہباء کی حدیث مضطرب ہے امام جصاص[۷۶] اور ابن ہمام نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔ صاحب استذکاز نے اس حدیث کو غلط اور وہم پر مبنی قرار دیا ہے۔

امام جصّاص کی رائے:

امام جصّاص نے ابوالصہباء والی حدیث کے بارے میں، کہ ''ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے ابتداء عہد میں تین طلاق ایک تھی، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے فرمایا '' ہم ان تین (طلاقوں کو) کو نافذ کر دیں تو بہتر ہوگا، لکھا ہے کہ یہ حدیث (اور رکانہ والی حدیث بھی) منکر ہے، کیونکہ سعید بن جبیر مالک، ابن حارث، محمد بن ایاس اور نعمان بن ابی عیاش ان تمام ائمہ نے ابن عباس سے موجودہ مسئلہ میں تین طلاق واقع ہونے کا مسلک بیان کیا ہے۔ امام جصاص نے آگے چل کر لکھا ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہمارے نزدیک اس حدیث کے یہ معنی ہیں

---

(۷۶) احکام القرآن، امام جصاص (۳۷۰ ھ) مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۳۸۸

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عہد میں لوگ تین طلاق دینے لگے تھے ، لہذا حضرت عمر نے ان کو نافذ قرار دیا ۔“

علّامہ قرطبی کا نقطۂ نظر :

علّامہ قرطبی نے ابوالصہباء والی روایت کے جواب میں لکھا ہے کہ سعید ابن جبیر ، مجاھد ، عطاء ، عمر و ابن دینار ، مالک ابن حویرث ، محمد ابن ایاس ابن بکیر اور نعمان بن ابی عیاش نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے متعلق جو یک دم تین طلاق دے ، روایت کیا ہے ”کہ اس کی زوجہ اس سے بائن ہوچکی ۔ یہ شخص اب اس (عورت) سے اس وقت تک نکاح (ثانی) نہیں کر سکتا جب تک وہ (عورت) دوسرے شوہر سے نکاح کرکے واپس نہ آئے ۔“ چنانچہ ان ائمہ کے اقوال سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ ابن عباس تین طلاقوں کے یک دم وقوع کے قائل تھے اور اس سے طاؤس وغیرہ کی سابقہ روایت کا ضعف واضح ہو جاتا ہے ۔ ابن عباس سے یہ ناممکن تھا کہ وہ اپنی ذاتی رائے ظاہر کر کے دیگر تمام صحابہ کی مخالفت کرتے ۔

علّامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ طاؤس کی روایت وہم پر مبنی اور غلط ہے ۔ حجاز ، شام ، عراق اور مشرق و مغرب کے فقہاء نے اس حدیث کو کوئی اہمیت نہیں دی ۔ علّامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ابوالصہباء کا ابن عباس کے موالی (آزاد کردہ غلاموں) میں شامل ہونا بھی غیر معروف ہے ۔

علّامہ قرطبی نے حضرت عمر کے اس قول کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا ”جس امر میں لوگوں کے لیے سوچ لینے کا موقع تھا اور سہولت تھی اس میں لوگوں نے عجلت اختیار کرنی شروع کر

(۷۷) احکام القرآن ، امام جصاص ، مطبوعہ مصر ، جلد اول ، صفحہ ۳۸۸

دی ہے لہذا ہم ان کے حق میں نافذ کر دیں تو بہتر ہوگا، چنانچہ تین طلاقیں نافذ فرما دیں'' لکھا ہے کہ اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ابتدائی دو سال میں لوگ تین طلاقیں (یک دم) نہیں دیا کرتے تھے بلکہ ان کے مقابلے میں صرف ایک طلاق پر اکتفا کرتے تھے۔ نیز حضرت ابن عباس سے متعدد روایات میں منقول ہے کہ جس شخص نے تین طلاقیں جمع کرکے دی ہیں اس کو آپ نے تینوں طلاقیں واقع ہو جانے کا فتویٰ دیا ہے۔ لیکن اگر حضرت ابن عباس کی اس روایت کو جو ابن طاؤس نے اپنے والد طاؤس سے روایت کی ہے اس مطلب پر محمول کریں، کہ طلاق یک دم دینے کی صورت میں ایک طلاق واقع ہوتی ہے، تب بھی حضرت ابن عباس کا ان کے مابعد فتووں کی موجودگی میں اپنی پہلی روایت سے رجوع کر لینا اور جماعت صحابہ کے قول کو اختیار کر لینا ثابت ہو جاتا ہے۔ اس طرح تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کی صورت میں تین طلاقوں کے واقع ہو جانے پر صحابہ کا اجماع قائم ہو جائے گا۔[۸]

علّامہ قرطبی نے تین طلاقوں کے یک دم واقع ہونے کے ثبوت میں ایک دلیل بربنائے قیاس بھی دی ہے کہ چونکہ مرد تین طلاقوں کا مالک ہے لہذا جس طرح وہ مالک ہونے کی حیثیت سے متفرق طور پر تین طلاقیں دے سکتا ہے اسی طرح اس کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ تین طلاقیں مجموعی طور پر دے دے۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ الکیاالطبری نے علماء حدیث کے

---

(۸) تفسیر قرطبیؒ، مطبوعہ مصر، جلد ۳ صفحہ ۱۲۹

حوالہ سے لکھا ہے کہ اس دور کے لوگ صرف ایک طلاق دیا کرتے تھے جس طرح آج یہ لوگ تین طلاقیں دیتے ہیں (یعنی پہلے لوگ پوری عدت میں صرف ایک طلاق دیا کرتے تھے)۔ اور قاضی ابو محمد عبدالوہاب نے فرمایا ہے کہ (طاؤس کی روایت کا یہ مطلب ہے) کہ آنحضرت اور شیخین کے عہد میں لوگ صرف ایک طلاق پر اکتفا کیا کرتے تھے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تین طلاقیں دینے کا طریقہ اختیار کر لیا۔

امام ابن حزم کی رائے :

امام ابومحمد ابن حزم نے اپنی مشہور تصنیف المحلیٰ میں لکھا ہے کہ طاؤس کی روایات جو حضرت ابن عباس سے مروی ہیں ان میں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں ''تین طلاق ایک تھی'' اور ایک روایت میں ہے کہ ''تین کو ایک طلاق کی طرف لوٹا دیا جاتا تھا۔'' ایک اور روایت میں ہے کہ ایک طلاق کر دی جاتی تھی۔ لہذا ان روایات میں سے کسی روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی علیہ الصلوات والسلام ہی نے ان کو ایک قرار دیا تھا یا ایک کی طرف لوٹا دیا تھا۔ اور نہ ان روایات میں یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں جب یہ واقعہ آیا ہے تو آپ نے تین طلاقوں کو ایک قرار دینا منظور فرما لیا تھا۔ اور حجّت صرف وہ حدیث ہو سکتی ہے جس سے صحیح طریقہ پر یہ معلوم ہوتا ہو کہ حضور نے خود فرمایا، یا کیا، یا آپ کے علم میں آیا اور آپ نے اس کو برقرار رکھا اور انکار نہ فرمایا۔ ہمارے نزدیک ان احادیث سے استدلال کرنا درست نہ ہوگا۔ ہم اس کے قائل نہیں ہیں (گویا زیادہ سے زیادہ یہ کسی غیرمذکور واقعہ کی اطلاع ہے نہ کہ شریعت کے حکم کا بدیہی اظہار)۔

اس موضوع کے آخر میں امام ابومحمد ابن حزم نے ان روایات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے جو تین طلاقوں کے وقوع پر دلالت کرتی ہیں اور لکھا ہے کہ ''ایک منصف مزاج شخص کے لیے یہ آثار تین طلاقوں کے واقع ہو جانے کے ثبوت میں کافی ہیں۔''[۷۹]

ابن قدامہ مقدسی کی دلیل:

ابن قدامہ مقدسی نے اپنی کتاب المغنی میں لکھا ہے کہ کچھ علماء نے لکھا ہے کہ ابن عباس کی طاؤس والی حدیث کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امارت کے ابتدائی زمانے میں لوگوں کا طلاق جمع کرکے دینے کا طریقہ اس طرح رائج نہ تھا جس طرح اب اختیار کیا گیا بلکہ اس وقت میں صرف ایک طلاق دی جاتی تھی (کیوں کہ) اگر اس حدیث کا یہ مطلب نہ ہو تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حکم کے خلاف حکم دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے چلا آ رہا ہے اور نہ حضرت ابن عباس ہی کے لیے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے کے بعد اس کے خلاف فتویٰ دیں۔[۸۰]

امام بیہقی کا نقطۂ نظر:

امام بیہقی الشافعی (متوفی ۴۵۸ ہجری) نے اپنی کتاب ''السنن الکبری'' میں اس سلسلے کی تقریباً تمام احادیث و آثار روایت کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ قرین قیاس یہ ہے کہ ابن عباس کو تین طلاق کے ایک

---

(۷۹) المحلی، ابن حزم، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۲ ہجری جلد ۱۰ صفحات ۱۶۷-۱۷۲

(۸۰) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، مطبوعہ مصر ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۷ صفحہ ۱۰۵

قرار دینے کا منسوخ ہونا معلوم ہوگیا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے طاؤس کی روایت کے خلاف فتویٰ دیا کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ابن عباس سے یہ امر بعید ہے کہ ایک روایت آنحضرت سے بیان کر کے اس کے خلاف فتویٰ دیں ۔[۸۱]

طلاق ثلاثہ واقع نہ ہونے پر حافظ ابن قیّم کے دلائل :

حافظ ابن قیّم نے اپنی مشہور تصانیف ''زادالمعاد'' اور اغاثۃ اللہفان'' میں تین طلاقیں بیک وقت دئے جانے کی صورت میں صرف ایک طلاق رجعی واقع ہونے کے ثبوت میں تفصیل سے بحث کی ہے ۔[۸۲] وہ لکھتے ہیں کہ :

(۱) '' حرمت کے دلائل خود اس امر کا ثبوت ہیں کہ مجموعی طور پر تین طلاقیں واقع نہ ہونا چاہئیں ۔

(۲) (الف) حافظ ابن قیّم اس دعوے کے ثبوت میں کہ طلاق یکے بعد دیگرے ہونی چاہیے اور اگر ایک ساتھ تین طلاقیں دی جائیں تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی ، بطور مثال لکھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے لعان کے سلسلے میں فرمایا ''فشہادۃ احد ھما اربع شہادات باللہ'' یعنی میاں بیوی میں سے ہر ایک چار قسمیں اللہ کی کھائے ۔ یعنی یکے بعد دیگرے چار قسمیں کھائے پس اگر کوئی شخص ایک ہی بار کہے کہ میں چار بار اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں تو وہ ایک ہی قسم شمار ہوگی ۔ لہذا جس مقام پر حلف یا اقرار یا شہادت کی تکرار

---

(۸۱) السنن الکبری ، بیہقی ، مطبوعہ حیدر آباد دکن ، ۱۳۵۳ ہجری ، جلد ۷ ، صفحہ ۳۳۸

(۸۲) زادالمعاد ابن قیم (۷۵۱ ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۴ ہجری جلد ۲ ، صفحات ۲۵۵ - ۶۳ اوراغاثۃ اللھفان ، جلد اول ، مطبوعہ مصر ، صفحہ ۳۳۵

ضروری ہے وہاں بار بار حلف یا اقرار یا شہادت کے بغیر شرعی حکم مرتب نہ ہوگا۔

(ب) حافظ ابن قیمؒ قسامت والے واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نبی صلعم نے فرمایا ''تحلفون خمیسن یمیناً و تستحقون دم صاحبکم'' یعنی (پچاس قسمیں کھائیں اور اپنے ساتھی کے خون کے معاوضے کے مستحق ہو جائیں) چنانچہ اگر وہ لوگ یہ کہہ دیں کہ ہم اللہ کی پچاس قسمیں کھاتے ہیں کہ فلاں شخص نے اس کو قتل کیا ہے تو یہ ایک ہی قسم شمار ہوگی۔

(ج) حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ ''یہی صورت زنا کے اقرار کی ہے'' (کہ اگر زانی ایک مرتبہ یہ کہے کہ میں چار مرتبہ اقرار کرتا ہوں کہ میں نے زنا کیا تو یہ ایک ہی اقرار مانا جائے گا)۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ یہ کہنا کہ فلاں شخص نے تین کیا یا تین کہا اس وقت کہا جاتا ہے کہ وہ تین مرتبہ کرے یا تین مرتبہ کہے علیحدہ علیحدہ، مثلاً کہا جاتا ہے کہ میں نے تین گالیاں دیں یا تین سلام کئے (تو اس تین مرتبہ میں فرداً فرداً کہنا یا کرنا مراد ہوتا ہے)۔

(د) حافظ ابن قیمؒ ان حضرات کے رد میں جو تین طلاقوں کے وقوع کے قائل ہیں لکھتے ہیں کہ آپ کا یہ فرمانا کہ قرآن کریم جمع کرکے طلاق دینے کے جواز پر دلالت کرتا ہے ناقابل قبول اور باطل ہے کیوں کہ آپ زائد سے زائد جس طرح ان آیات سے استدلال کر سکتے ہیں یہ ہوگا کہ وہ آیات

ہر قسم کی تفصیل اور تقیید سے آزاد ہیں (یعنی ان آیات میں اللہ تعالی نے مجموعی یا متفرق طلاق کی کوئی تفصیل نہیں فرمائی ہے پھر ہم کو کس طرح یہ حق پہنچتا ہے کہ جہاں خداوند عالم نے تفریق نہیں کی وہاں تفریق کر دیں) ۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات کے مطلق ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں جائز و ناجائز دونوں قسم کی طلاقوں کا داخل ہونا تسلیم کیا جائے ۔ چنانچہ حائضہ عورت کی طلاق یا جس طہر میں صحبت کی گئی ہے اس طہر میں طلاق ان آیات میں داخل نہیں ہیں اور یہ امر بالکل واضح ہے کہ قرآن کی مذکورہ آیات سے ایسی تمام طلاقوں کا جواز ثابت نہیں ہوگا کہ لوگ اپنے طریقے سے جس طرح چاہیں طلاق دینا شروع کر دیں بلکہ قرآن تو اللہ تعالی کی طرف سے طلاق کے وہ احکام بیان کرتا ہے جو ہمارے لیے حرام یا حلال کیے گئے ہوں ۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں ''قرآن میں ہم کو طلاق بائن کی صرف یہی صورت نظر آتی ہے کہ مرد اپنی مدخولہ عورت کو تین طلاق کی تعداد پوری کر دے'' یا (بطور خلع بالمال طلاق واقع ہوئی ہو) ۔

حافظ ابن قیمؒ نے ان مختلف حدیثوں پر جو تین طلاق کے وقوع کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں جرح و تعدیل کے بعد ابو الصہباء والی حدیث پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث کی تردید میں جو طریقے اختیار کیے گئے ہیں وہ تمام طریقے ناکامیاب ہیں ۔

(۳) یہ اعتراض کہ ابن عباس کے اقوال ابو الصہباء کی اس روایت کے مخالف ہیں، حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں ''کہ اس اختلاف کی

بناء پر ان کے اقوال کو ساقط الاعتبار قرار دیا جائے گا اور حدیث قائم رہے گی ، کیونکہ روایتِ حدیث کے مقابلے میں ابن عباس کا اپنا فتویٰ یا قول کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔''

(۴) یہ اعتراض کہ ابن عباس کو ان کی روایت (طاؤس کی حدیث) کے منسوخ ہونے کا علم ہوگیا ہوگا جس کی بناء پر اس کے خلاف انہوں نے فتویٰ دیا ، ابن قیّم لکھتے ہیں: ''کہ وہ ناسخ روایت کہاں ہے ؟''

(۵) یہ اعتراض کہ روایت کا وہ مطلب نہیں ہے جو بظاہر سمجھا جا رہا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ابتداء عہد تک لوگ صرف ایک طلاق دیا کرتے تھے لوگوں نے تین طلاق کا طریقہ حضرت عمر کے عہد میں اختیار کیا ، لیکن اس حدیث کا یہ مطلب نکالنا کلام میں تحریف کرنے کے مترادف ہوگا کیونکہ لوگ ہمیشہ سے ایک اور تین کا عمل کرتے چلے آرہے تھے۔ نیز حدیث کا یہ مطلب نکالنا کہ لوگ (انت طالق انت طالق انت طالق) کہہ کر طلاق دیتے اور آخرؔ کے دو مرتبہ سے اول طلاق کی تاکید مراد لیتے تو اس کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا ، ابن قیّم لکھتے ہیں: ''کہ یہ معنی بعید ہیں کیونکہ حدیث کی عبارت اول سے آخر تک اس کی متحمل نہیں ہے۔''

(۶) یہ اعتراض کہ ابوالصہباء کی حدیث میں اس امر کا کوئی ذکر موجود نہیں کہ خود رسول اللہ صلعم نے تین مجموعی طلاق کو ایک قرار دیا یا آپ کے علم میں یہ عمل لایا گیا تو آپ نے اس کو قائم رکھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک بہت

بڑا بہتان ہے کیونکہ یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک حرام شے جو اللہ کی شریعت کو متغیّر کر دینے والی ہو مسلسل جاری رہے (یعنی ایک عورت کی شرم گاہ کو جو ایک شخص کے لیے حرام ہوگئی ہو حلال کر دیا جائے) اور خود رسول اللہ کو باوجود نزول وحی کے اس کا علم نہ ہو سکا ہو۔

(۷) یہ دلیل کہ "جب احادیث مختلف ہوں تو صحابہ کے اقوال پر غور کیا جائے ، حافظ ابن قیّم لکھتے ہیں کہ رسول اللہ علی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صحابیوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی جنھوں نے حضور کی صحبت حاصل کی ، آپ کو دیکھا اور آپ کے فرمودات کو سنا، کیا ان صحابیوں کا دسواں یا بیسواں یا چالیسواں حصہ بھی ایسا ہے جس نے وقت واحد میں تین طلاقوں کو تین (مغلّظہ) قرار دیا ہو۔ حافظ ابن قیّم لکھتے ہیں کہ اگر یہ حضرات پوری کوشش کریں گے تب بھی یہ ثابت نہ کر سکیں گے کہ ان صحابہ میں سے بیس کی تعداد بھی اس مسئلہ (تین طلاق کے وقوع) پر متفق ہوئی ہے۔

(۸) تین طلاق دفعۃً دینے کی صورت میں صرف ایک طلاق کے وقوع کے لیے حافظ ابن قیّم ایک اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر ان صحابہ کی کثرت تعداد بیان کی جائے جو تین طلاق کو ایک قرار دینے کے حق میں تھے تو ان کی تعداد ان صحابہ کے مقابلے میں جو وقت واحد میں تین طلاق کو تین قرار دیتے تھے دوگنی ہو گی۔ حافظ ابن قیّم کہتے ہیں کہ "ہمارے لیے یہ کہنا صحیح اور صدق پر مبنی ہو گا کہ ان

تمام صحابہ میں افضل اور بہتر ذات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تھی اور ان کے عہد کے صحابہ جو ان کے ساتھ تھے ، ان سب کا اس مسئلہ پر اجماع ہو چکا تھا اور کسی ایک نے بھی عہد صدیق میں اس مسئلہ میں ایک طلاق سے زائد واقع نہ ہونے میں اختلاف نہیں کیا تھا ، حتیٰ کہ جب ان حضرات کا زمانہ ختم ہونے لگا تب یہ اختلاف پیدا ہوا اور پہلا اجماع قائم نہ رہ سکا اور پھر صحابہ کے دو قول وجود میں آگئے ۔ اس کے بعد سے آج تک یہ اختلاف چلا آ رہا ہے ۔''

(۹) حافظ ابن قیم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تین طلاق نافذ قرار دینے کی دلیل کے جواب میں لکھا ہے کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متقدمین صحابہ کے اجماع کے خلاف تین طلاق لازم کرنے کا قول اختیار نہیں کیا تھا بلکہ لوگوں کے اس عمل پر سزا دینے کے لیے ان (تین طلاق) کو لازم کر دیا تھا ۔ کیوں کہ وہ لوگ اس (فعل طلاق) کو حرام جانتے ہوئے مسلسل تین طلاق دفعۃً دینے کا طریقہ اختیار کیے ہوئے تھے (گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم تادیباً اور امت کے حق میں مصلحت کے طور پر تھا (جو ان کی ذاتی رائے ہونے پر دلالت کرتا ہے) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل قواعد شرعیہ کے بالکل موافق تھا بلکہ اس حکمت کے بھی عین مطابق تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے رکھی ہے کیونکہ جب لوگ اللہ کی حدود سے (جہاں انہیں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا ہے) تجاوز کرنے لگیں تو پھر خدا ان پر تنگی فرما دیتا ہے اور پھر ان کے لیے ایسا راستہ جو خدا سے خوف کھانے والے کے لیے رکھا جاتا ہے، نہیں

رکھا جاتا ۔ لہٰذا ائمہ کے لیے یہ جائز ہے کہ جس امر میں
لوگ اپنے حق میں خود سختی اور تنگی اختیار کریں امام ان
پر ان کی سختی اور تنگی کو لازم کر دے ۔''

حافظ ابن قیمؒ کے مذکورہ بالا دلائل کا جواب :

۱۔ حافظ ابن قیمؒ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پہلی دلیل بر بنائے قیاس یہ دی ہے کہ تین طلاق کا جمع کرنا حرام اور بدعت ہے اور بدعت مردود ہے کیونکہ یہ رسول اللہ کے حکم کے خلاف ہے اس لیے تین طلاقیں مجموعی طور پر واقع نہ ہونی چاہئیں لیکن ابن قیم علیہ الرحمۃ کی اس دلیل میں کہ مجموعی طلاق دینے کی صورت میں ایک بھی طلاق واقع نہ ہونے اور ایک طلاق واقع ہونے میں تناقض پایا جاتا ہے کیونکہ اس دلیل سے لازم آتا ہے کہ طلاق بالکل واقع نہ ہو ۔ حالانکہ ابن قیمؒ ایک طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں ۔ در اصل ابن قیم کی اس دلیل کے پس منظر میں رکانہ اور طاؤس کی وہ روایتیں ہیں جن سے وہ ایک طلاق کے وقوع پر استدلال کرتے ہیں اس لیے اس دلیل کی بنیاد قیاس سے روایت کی جانب منتقل ہو جاتی ہے اور روایت کے بارے میں سطور ماقبل میں تفصیلی بحث کی جا چکی ہے کہ ابو رکانہ اور طاؤس والی دونوں حدیثیں صرف ایک طلاق کے وقوع پر حجّت نہیں ہیں ۔

۲۔ (الف) حافظ ابن قیمؒ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں قرآن پاک کی آیت ''الطلاق مرّتان'' کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے طلاق کے ایک ساتھ واقع نہ ہونے کے ثبوت میں شہادت لعان و زنا اور قسامت والے واقعہ سے استدلال کیا ہے ۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ جس کلام سے کسی امر واقعہ کی اطلاع دینا متصور نہ ہو بلکہ کسی فعل کا انشاء (عدم سے وجود میں لانا) مقصود ہو ایسے کلام کے لیے خارج

میں کوئی واقعہ موجود نہیں ہوتا بلکہ کلام کے بعد فعل عدم سے وجود میں آتا ہے ۔ اگر کسی فعل کو کسی خاص صفت یا حالت یا کیفیت یا تعداد کے ساتھ وجود میں لانا مطلوب ہوتا ہے تو ایسی صورت میں فعل کی طلب کے ساتھ ساتھ اس کی وہ صفت یا حالت یا کیفیت یا تعداد بھی اصل مطلوب میں شامل ہو جاتی ہے چنانچہ جب تک اس فعل کو اس صفت ، حالت ، کیفیت یا تعداد کے ساتھ عدم سے وجود میں نہ لایا جائے اس وقت تک مطلوب منہ سے مطلوب کا پورا ہونا متصور نہ ہوگا۔ اسی طرح فاعل کبھی ایک شے کو متعدد اوقات میں یکے بعددیگرے عدم سے وجود میں لاتا ہے اور کبھی ایک ہی وقت میں چند اشیاء کو وجود میں لے آتا ہے مثلاً ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو ایک روپیہ دیتے ہوئے کہے کہ میں تمھیں ایک روپیہ دیتا ہوں ، دوسرے وقت دوسرا روپیہ دیتے ہوئے بھی یہی الفاظ ادا کرے کہ میں تمھیں ایک روپیہ دیتا ہوں اور تیسرے وقت تیسرا روپیہ دیتے ہوئے بھی یہی الفاظ ادا کرے ۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں یہ تین روپے جمع کر کے دیتے ہوئے کہے کہ میں تمھیں تین روپیہ دیتا ہوں ۔ پہلی صورت میں فعل اور مفعول تینوں متعدد ہیں اور دوسری صورت میں فعل تو ایک ہے لیکن اس فعل سے جو اشیاء وجود میں آئی ہیں وہ متعدد ہیں ۔ فعل کے ایک ہونے سے اشیاء یعنی روپیہ کا بھی ایک ہونا لازم نہیں آتا ۔ شوہر شریعت کی جانب سے تین طلاقوں کا مالک ہے ۔ وہ اپنے فعل سے ان طلاقوں کو علیحدہ علیحدہ متفرق اوقات میں عدم سے وجود میں لا سکتا ہے اور اسی طرح یہ بھی کر سکتا ہے کہ ایک وقت میں دو یا تین کو جمع کر کے وجود میں لے آئے جیسے کہ ایک شخص جو تین روپے کا مالک ہے اس کو حق ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کو متفرق اوقات میں ایک ایک کر

کے یہ تین روپے دے دے یا ایک ہی وقت میں تین مجموعی طور پر دے دے۔ فرق صرف اس قدر ہوگا کہ پہلی صورت میں روپے کی تعداد کے دینے کی تعداد بھی تین ہوگی جب کہ دوسری صورت میں اگرچہ دینے کا فعل ایک ہوگا لیکن اس فعل سے صادر ہونے والی اشیاء تین ہوں گی۔ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ محض ایک مرتبہ دینے کے فعل سے روپے کی تعداد میں کمی ہو جائے یا وہ تین سے گھٹ کر ایک رہ جائے بلکہ اس کی تعداد وہی رہے گی جس تعداد میں وہ شے (روپے) دی جا رہی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کہے ''تجھے طلاق'' تو اس سے ایک طلاق واقع ہوگی، اور اگر کہے کہ ''تجھے دو طلاق'' تو دو طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر کہے ''تین طلاق'' تو تین طلاقیں ہی واقع ہوں گی۔

(ب) اس بات کو ایک اور مثال سے سمجھیے! ایک شخص دوسرے کو تین روپے کا مالک بنا کر کہے کہ یہ تین روپے آپ کسی مسکین کو دے سکتے ہیں لیکن بہتر یہ ہوگا کہ آپ ان تین روپیوں کو تین متفرق اوقات میں ایک ایک کر کے دیں لیکن وہ دوسرا شخص ان تین روپوں کو (کسی بناء پر) بیک وقت ایک ساتھ ہی (ایک وقت میں) کسی مسکین کو دے دیتا ہے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اس نے ایک روپیہ دیا؟ ظاہر ہے کہ اس نے تین روپے دیے ہیں، البتہ اس نے پہلے شخص کے کہنے کہ مستحسن طریقے کے خلاف عمل کیا، لیکن اس خلاف عمل سے روپے دینے (یا اس مسکین کو روپے ملنے) کے اثر فعل میں روپے کی تعداد کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں آئے گا۔

(ج) اس مثال کو ذہن میں رکھتے ہوئے اگر ''الطلاق مرتان'' والی آیت پر آخر تک غور کیا جائے تو اس آیت سے جو بات واضح

ہوگی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں مرد کو تین طلاق کا مالک قرار دیتے ہوئے یہ فہمائش کی ہے کہ ان تین طلاقوں کے حق کو استعمال کرنے کا یہ احسن طریقہ ہے - اس سے یہ سمجھنا کہ اس احسن طریقے کے خلاف اس شخص کو اپنی ملکیت تعداد طلاق میں تصرّف کرنا طلاق کو عدم سے وجود میں نہ لائے گا یا صرف ایک ہی طلاق وجود میں آئے گی ، صحیح نہ ہوگا - اگرچہ تین طلاق کا ایک ساتھ واقع کرنا ممنوع ہے لیکن یہ ممانعت اس طلاق کے معتبر یا نافذ ہونے سے منع نہیں کرتی -

۳- (الف) حافظ ابن قیم کی یہ دلیل کہ ابن عباس کا فتویٰ روایت کے مقابلے میں رد کیا جائے گا کیونکہ صحابی غیر معصوم ہوتا ہے ' کسی قاعدۂ کلیہ پر مبنی نہیں ہے کہ ہر صورت اور ہر حالت میں قابل عمل ہو - کیونکہ تمام محدثین کے نزدیک مسلمّہ ہے کہ جب صحابی کا کوئی قول ایسا ہو کہ شارع علیہ السلام کے علاوہ دوسرا کوئی فرد نہیں کہہ سکتا یا بتلا سکتا خواہ صحابی اس کو رسول اللہ کی طرف منسوب نہ کرے مگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور کیا جائے گا - یہ مسئلہ شوہر پر بیوی کے حرام یا حلال قرار دینے کی صورت ہے جس کا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے شخص کو نہیں پہنچتا -

(ب) حافظ ابن قیم کے بیان کردہ اصول کا اطلاق اس وقت ہوگا جب کہ راوی روایت کرنے کے بعد روایت کے خلاف رائے رکھنے میں یا اس کے خلاف عمل کرنے میں منفرد ہو یا معدودے چند افراد نے اس کا ساتھ دیا ہو لیکن جب تمام فقہاء صحابہ اس کے ساتھ ہوں تو یہ ایسی صورت میں روایت متروک قرار پائے گی کیونکہ جمہور صحابہ کا

روایت کے خلاف عمل اس امر کی دلیل ہوگا کہ وہ روایت ان کی نظر میں ضعیف یا ناقابل حجّت قرار پا گئی اور اس کے مقابلے میں دوسری روایت یا اسی روایت کی حقیقت اس طرح واضح ہوگئی جس طرح ان حضرات نے عمل کیا۔

۴۔ حافظ ابن قیّم کی یہ دلیل کہ حضرت طاؤس والی روایت کا جس روایت سے منسوخ ہونا بیان کیا جاتا ہے، وہ روایت کہاں ہے۔ حافظ ابن قیم کا یہ اعتراض کلیتہً صحیح نہیں ہے۔ بے شک صریحاً کوئی دوسری حدیث ہمارے علم میں نہیں جو طاؤس والی حدیث کو منسوخ کرتی ہو۔ لیکن اس کے مقابلے میں حضرت عویمر اور حضرت ابن عمر والی احادیث (معہ اضافہ) پیش کی جا سکتی ہیں۔ البتہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ حدیث خود کسی واقعہ پر مبنی نہیں ہے بلکہ کسی ایسے واقعہ یا واقعات کا وجود فرض کرتی ہے جو حضرت ابن عباس کے علم میں ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ جس غیر مذکورہ واقعہ کی بنیاد پر حضرت ابن عباس کی تائید حاصل کی جا رہی ہو وہ واقعہ بجائے خود صحیح طور پر حضرت ابن عباس کے علم میں نہ ہو یا یہ کہ وہ واقعہ دوسرے طریقے پر اس روایت کے بعد حضرت ابن عباس تک پہونچا ہو جس کی بناء پر حضرت ابن عباس نے تین طلاق کے تین واقع ہونے کا فتویٰ دیا ہو (واضح رہے کہ حضرت ابن عباس نے تین طلاق کو اس وقت تین قرار دیا جبکہ ابھی حضرت طاؤس زندہ تھے)۔ عین ممکن ہے کہ رکانہ والی حدیث حضرت ابن عباس کو ''ثلاثہ'' کے لفظ سے پہونچی ہو اور بعد کو آپ کو یہ علم ہوا ہو کہ رکانہ نے ''بتّہ'' کے لفظ سے طلاق دی تھی اس لیے رکانہ والی حدیث جس کو عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا تھا خود حضرت ابن عباس نے اس موقع پر اپنی موجودگی یا سماعت کا ذکر نہیں کیا (واضح رہے کہ رسول اللہ کی

وفات کے وقت حضرت ابن عباس کی عمر تقریباً ۱۳ سال بیان کی جاتی ھے) ۔

۵۔ (الف) حافظ ابن قیّم کی اس دلیل سے ھم اتفاق نہیں کر سکتے کہ اس حدیث کے یہ معنی نہیں لیے جا سکتے کہ رسول اللہ اور حضرت ابوبکر کے زمانے اور حضرت عمر کے ابتدائی عہد میں لوگ ایک طلاق دیا کرتے تھے پھر تین طلاقیں ایک ساتھ دینے لگے ۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ھو ''نتیجہ فکر'' دفعہ ھذا) ۔

(ب) مذکورہ بالا احادیث پر غور و فکر کے بعد ایک نتیجہ یہ اخذ کیا جا سکتا ھے کہ ابوالصہباء کی روایت کو ایسے معنی پر محمول کیا جائے جس سے اس حدیث اور صحابہ کے اجماع میں تضاد نہ رھے چنانچہ رزین کی روایت میں ھے کہ یہ حدیث اس واقعہ کی غمازی کرتی ھے کہ ''اول زمانے میں کسی شخص کا تین مرتبہ انت طالق، انت طالق، انت طالق کہنا ایک طلاق اس لیے قرار دیا جاتا تھا کیوں کہ ان کا مقصد آخر کے الفاظ کی تکرار سے اول لفظ کی تاکید تھا ۔'' چونکہ ان کی نیت صاف اور قلوب نور ایمان سے منور تھے لہذا ان کے قول اور نیت کو تسلیم کر لیا جاتا تھا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ صورت نہ رھی اور لوگ ھر لفظ سے ایک مستقل طلاق مراد لینے لگے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے قول اور نیت کی روشنی میں ان کو نافذ تصور فرمایا ۔ اس تاویل کی تائید حضرت ابن مسعود کی حدیث سے بھی ھوتی ھے ۔ ابن قیّم کا یہ کہنا کہ حدیث کے الفاظ اس معنی کی تائید نہیں کرتے ، درست ھو سکتا ھے ، مگر اس کے سواء کوئی اور چارۂ کار نہیں کیونکہ یہ حدیث بجائے خود کوئی واقعہ نہیں بلکہ ایک واقعہ یا واقعات کے تسلسل کو بلا نشان دھی بیان کرتی ھے کہ ایسا ایسا ھوتا تھا بنابریں ھم کو اس حدیث (واقعاتی تسلسل) کا تاریخی تجزیہ کرنا ھوگا اور اس تاریخی تجزیے کے بعد جو تاویل اس واقعاتی تسلسل سے

زیادہ ہم آہنگ اور قریب تر نظر آئے گی وہی اس حدیث کی صحیح تر تعبیر متصور ہوگی۔

۶- حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعتراض کا کہ اس حدیث سے حضور صلعم کا قول یا فعل ثابت نہیں ہوتا جو جواب دیا ہے وہ ناکافی اور کمزور ہے بلکہ اس جواب میں اعتراض کا براہ راست حواب دینے سے گریز کیا گیا ہے۔ اس ضمن مین ہم امام ابومحمد بن حزم کے اس استدلال کو زیادہ وقیع پاتے ہیں کہ طاؤس والی حدیث سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ اس فعل کے کرنے والے یا اس قول کے کہنے والے خود حضور صلعم تھے (یا حضرت ابوبکر یا صحابہ کی کوئی جماعت)۔

۷- (الف) جہاں تک ابن قیّم کی اس دلیل کا تعلق ہے کہ صحابہ کی اکثریت تین طلاق کو ایک قرار دینے کی طرف ہے، مغالطہ پر مبنی ہے۔ انہوں نے اجماع صحابہ کے جس دعوے کو اپنے مسلک کی تائید میں پیش کیا ہے اس کو کسی طرح ثابت بھی نہیں کر سکے ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ حضرت ابوبکر کے دور خلافت اور حضرت عمر کے ابتدائی دو سالوں میں اس مسئلہ پر صحابہ کا اجماع قائم ہو چکا تھا، دعویٰ بلا دلیل سے زیادہ نہیں۔ ان کا یہ دعویٰ ان واقعات کے ذکر سے بالکل خالی ہے جن سے اس وقت اس مسئلہ پر صحابہ کا اجماع ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برخلاف حضرت عمر کے عہد خلافت سے تمام اکابر صحابہ و تابعین، ائمہ اربعہ اور فقہاء نیز مجتہدین و محدثین مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عمران ابن حصین، حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ ابن شعبہ، حضرت عبداللہ بن زبیر و حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہم وغیرہ اور

تابعین و تبع تابعین میں مجاھد، سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، عمر بن دینار، مالک بن حارث، محمد بن ایاس بن بکیر، معاویہ بن ابی عیاش، مالک بن انس، ابو حنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل، ابن ابی لیلی، جعفر محمد، حبیب بن ثابت، علقمہ بن قیس، نافع، قیس بن ابی عاصم، سویدی بن عفلہ، ابن شہاب زھری و عاصم سے اس مسئلہ مین تین طلاق واقع ھونے کا مذھب مروی ھے۔

(ب) حافظ ابن قیم کا کثرت صحابہ یا اجماع کا دعوی اس بناء پر بھی ساقط ھو جاتا ھے کہ کسی ایک صحابی سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت منقول نہیں بلکہ یہ امر واقعہ بجائے خود صحابہ کے اجماع سکوتی کو ثابت کرتا ھے۔ دوسرے یہ کہ اجماع نقل کرنے میں اس نقل کا اعتبار کیا جائے گا جو صحابہ حضرات میں مجتہدین فقہاء صحابہ کہلاتے ھیں نہ کہ عام صحابہ کا۔ عام صحابہ احکام دریافت کرنے کے لیے ان کی طرف رجوع فرماتے تھے اور ان حضرات ھی سے فتوے طلب کرتے تھے۔ ان فقہاء صحابہ نے وقت واحد میں تین طلاق کو تین ھی قرار دیا ھے۔[۸۳]

(ج) علاوہ ازیں جتنے صحابہ کرام کے اقوال تین طلاق کے نافذ ھونے کے سلسلے میں کتب احادیث میں منقول ھیں، اس کے مقابلے میں ابن قیم نے اپنی تصنیفات ''زادالمعاد'' اور ''اغاثۃ اللھفان'' میں حضرت ابن عباس کی ایک روایت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول پیش کیا ھے (حضرت عمر کے اس قول کا ضعف خود ان کے تین طلاق کے نفاذ کے فعل سے ظاھر ھے) اور وہ حدیث جو عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ھے اس کے ناقابل حجت ھونے کے سلسلے میں تفصیلی دلائل پیش کیے جا چکے ھیں۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو ابن قیم نے جن آثار سے اپنا مسلک ثابت کرنے کی کوشش

۸۳- ماخوذاز فتح القدیر، ابن ہمام مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ جلد ۳ صفحہ ۲۶ -

کی ہے وہ متقدمین صحابہ کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتے، خصوصاً جب کہ ان آثار میں اضطراب اور ضعف بھی موجود ہو ۔

۸- حافظ ابن قیّم کی یہ دلیل کہ حضرت صدیق اکبر کے عہد میں اس مسئلہ میں اجماع ہو چکا تھا، اول تو اجماع ثابت نہیں اور اگر بالفرض محال ثابت تصور کر لیا جائے تو کیا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو اجماع منعقد ہوا تھا اس نے حضرت صدیق اکبر کے زمانے کے اجماع کو منسوخ کر دیا ؟ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے جو اجماع ثابت ہے وہ آج بھی اسی طرح قائم ہے جس طرح آپ کے زمانے میں تھا ۔ بنابریں امت مسلمہ کے لیے یہ حکم شرعی آج بھی واجب الاتباع ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے سے ایک نہیں بلکہ تین ہی طلاقیں واقع ہوں گی ۔

۹- (الف) ابن قیّم کے اعتراضات اور ان کے جوابات کے ضمن میں آخری دلیل جو تین طلاق کے سلسلے میں پیش کی گئی ہے یہ ہے کہ حضرت عمر نے تین طلاق کو بطور سزا لازم کر دیا تھا، متقدین اور اجماع کے خلاف تین طلاق نافذ کرنے کا قول اختیار نہیں کیا تھا ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سال میں تین طلاق ایک قرار دی جاتی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تین طلاق کو تین ہی قرار دینا اور ''فلاتحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ'' کے حکم میں داخل کرنا کیوں کر جائز اور درست ہو سکتا ہے؟ کیوں کہ ایک طلاق رجعی سے جو عورت اس مرد کے لیے حلال تھی وہ اس مرد کے لیے تین طلاق (مغلّظہ) قرار دے کر حرام کر دی گئی اور ظاہر ہے کہ جو فعل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی عہد میں

حلال تھا اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کس طرح حرام قرار دے سکتے ھیں ؟ حیرت کی بات یہ ھے کہ حافظ ابن قیّم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو ان کی رائے (یا فعل) قرار دینے کے باوجود نہ صرف جائز بلکہ شرع اسلام کے عین موافق قرار دیتے ھیں اور چونکہ ان کے لیے اس واقعہ کی صحت سے کسی طرح انکار ممکن نہیں ھے اس لیے ایک ایسی تاویل کرتے ھیں جو متضاد اور مبہم ھے۔

نتیجۂ فکر:

ھمارے نزدیک تین طلاق کے وقوع کے اثبات کے لیے صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنہا ذات ھی کافی ھوتی کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کون مسلمان یہ توقع کر سکتا ھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجموعی تین طلاق کا ایک ھی طلاق ھونا ثابت ھو اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو طلاق مغلّظہ قرار دیں یعنی جو عورت اپنے شوھر کے لیے حلال ھو اس کو حرام کردیا جائے۔ بالفرض ابن عباس جن سے طاؤس والی حدیث مروی ھے اگر وہ حدیث صحیح ھوتی تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت اختیار نہ کرتے۔ ھم رسول اللہ کی شریعت کے پابند ھیں اور یہ حضرات شریعت رسول اللہ کے سب سے زیادہ عالم تھے۔ لہذا اگر شریعت محمدی میں یہ قرار پا چکا تھا کہ وقت واحد میں تین طلاقیں ایک شمار ھوں گی اور اسی حکم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو ان حضرات پر پوشیدہ نہ رھتا۔ یہ کیسے ممکن ھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو شریعت محمدی کی پیروی میں سب سے زیادہ سخت گیر تھے حضور کی شریعت کے خلاف اپنی رائے سے فیصلہ کریں اور حضرت ابن عباس جو عالم امت کہلائے حضور صلعم سے روایت کے خلاف فتویٰ دیں ؟

مندرجہ بالا بحث و نظائر سے یہ بات واضح ھو جاتی ھے کہ دفعۃً تین طلاقیں دیے جانے کی صورت میں ان کے وقوع کے متعلق اختلاف تابعین

کے دور میں شروع ہوا لیکن چونکہ وہ دور روایت کا تھا ' اس لیے یہ اختلاف کسی فقہی مذہب کی حیثیت اختیار نہ کر سکا۔ بالخصوص ائمہ اربعہ کے اجماع کے بعد امت مسلمہ کے نزدیک راجح اور مفتی بہ یہی مذہب قرار پایا کہ دفعۃً تین طلاق دئے جانے کی صورت میں تین طلاقیں ہی واقع ہوں گی۔ البتہ آٹھویں صدی ہجری میں امام ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ) نے انتہائی تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر بحث کی اور اپنے موقف کی تائید میں دلائل پیش کیے لیکن اس مسئلہ میں تمام دنیا کے اہل سنت والجماعت میں ائمہ اربعہ کا اجماعی نقطہ نظر معمول بہ رہا۔

البتہ بیسویں صدی کے نصف اول میں مختلف مسلم ممالک میں عائلی قوانین کی ضابطہ بندی کی تحریک کے تحت اس مسئلہ سے متعلق قانون سازی کے نتیجے میں دفعۃ تین طلاقوں کو صرف ایک طلاق رجعی قرار دیا گیا۔ برصغیر ہند و پاکستان میں بھی ایک طبقہ ایسا پایا جاتا ہے جو اس کا قائل ہے جس کو بالعموم ''غیر مقلد'' کہا جاتا ہے۔

بہر کیف ' تاریخی تجزیے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حضور صلعم اور صحابہ کرام کے دور میں تین طلاق یک دم واقع کرنے کی صورت میں تین طلاق ہی قرار دی جاتی تھیں اور ایسی صورت میں مرد نہ رجوع کر سکتا تھا اور نہ اسی عورت سے بغیر حلالہ نکاح جدید کر سکتا تھا۔

۱۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی مرفوع حدیث حضرت عویمر عجلانی کی لعان والی حدیث ہے جس میں حضور صلعم نے عویمر کے تین طلاق کے فعل پر کسی قسم کی تنقید نہ فرمائی۔ قطع نہ نظر اس بات کے کہ عورت طلاق کا محل تھی یا نہ تھی اس موقع پر حضور کی خاموشی تین طلاق کے وقوع پر حجّت ہے کیونکہ اگر عورت طلاق کا محل نہ تھی اور طلاق واقع

نہ ہوتی تو حضور اس کی بھی توضیح فرما کر حکم کی نوعیت کو واضح فرما دیتے ، لہذا حضور صلعم کی خاموشی طلاق ثلاث کے یک دم وقوع کی صحت کی دلیل ہے ۔

۲۔ دوسری مرفوع حدیث حضرت عبداللہ ابن عمر کی ہے جس کو بیہقی نے روایت کیا ہے ۔ اس کے متن میں واقعہ کے ساتھ یہ عبارت بھی مروی ہے ۔ ''فقلت یا رسول اللہ صلعم ارایت لو انی طلقتہا ثلاثا کان یحل لی ان اراجعہا ، قال لا کانت تبین منک و تکون معصیۃ ۔'' یعنی میں نے (ابن عمر نے) کہا اے رسول اللہ! اگر میں نے اس کو تین بار طلاقیں دی ہوتیں تو کیا میرے لیے حلال ہوتا کہ میں اس سے رجوع کرتا ، آپ نے فرمایا نہیں ، وہ تجھ سے بائن ہو جاتی اور (رجوع کرنا) گناہ ہوتا ۔ اس روایت کی عبارت میں اس اضافے کی تائید دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے ۔

۳۔ تیسری مرفوع حدیث حضرت ابو رکانہ کی ہے جس کو ابن عجیر بن عبد یزید نے اور دوسری سند سے امام شافعی نے صحیح سندوں سے روایت کیا ہے کہ ابو رکانہ نے درحقیقت بتہ کے لفظ سے طلاق دی تھی ۔ اس بناء پر حضور صلعم نے ان کو قسم دے کر ان کی نیت معلوم کی تھی اس کے جواب میں انھوں نے ایک طلاق کی نیت کا اظہار کیا تھا ۔ اگر ''البتۃ'' کے لفظ سے تین طلاق کی نیت اور وقوع کا احتمال نہ ہوتا تو پھر قسم دے کر معلوم کرنے کی ضرورت نہ تھی یہ امر اس بات کی دلیل ہے کہ اگر وہ اس لفظ سے تین کی نیت کر لیتے تو تین طلاقیں واقع ہو جاتیں ۔

۴۔ چوتھی مرفوع حدیث محمود ابن لبید کی ہے جس میں آنحضرت کے سامنے ایک ایسے شخص کے متعلق تذکرہ کیا گیا جس نے تین طلاقیں

جمع کرکے دی تھیں اور حضور صلعم نے غضب کی حالت میں فرمایا ''ایلعب بکتاب اللہ و انا بین اظہر کم'' یعنی کتاب اللہ کے ساتھ مذاق کیا جاتا ہے جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں ''لیکن یہ سننے کے بعد کہ اس شخص نے ایک ساتھ تین طلاقیں دی ہیں حضور نے اس شخص کے عمل کو نہ رد فرمایا اور نہ رجوع کرنے کا حکم دیا۔ یہ سکوت تین طلاق یکدم واقع ہونے کی دلیل ہے۔

۵- پانچویں حدیث حضرت عائشہ کی ہے جس کو مسلم نے روایت کیا ہے اس میں غیر مدخولہ عورت کو تین طلاق دینے کا ذکر ہے جو دفعۃً تین طلاق کے وقوع پر نص ہے۔

ان احادیث کے علاوہ صحابہ کرام کے آثار بھی اس کی دلیل ہیں کہ دفعۃً تین طلاقیں دیے جانے کی صورت میں تین ہی طلاقیں واقع ہوں گی۔ چنانچہ اس مسئلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تین آثار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارہ ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پانچ ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے چھ ، حضرت ابو ہریرہ کے تین ، حضرت عبداللہ بن مسعود کے چھ ، حضرت مغیرہ ابن شعبہ کا ایک ، حضرت عمران بن الحصین کا ایک ، حضرت ابوموسیٰ اشعری کا ایک ، حضرت عمرو بن عاص کے دو ، حضرت حسن ابن علی کے دو ، حضرت معاذ بن جبل کا ایک قول مروی ہے۔ یہ اقوال جن کو بیہقی ، دارقطنی اور ابوداؤد وغیرہ نے صحیح سندوں سے روایت کیا ہے ، اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ صحابہ کے دور میں یک دم تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی تھیں۔

صحابہ کے بعد تین طلاق کے وقوع کے سلسلے میں اکثر و بیشتر

تابعین و تبع تابعین کے اقوال بھی ملتے ھیں جن میں حضرت مجاھد ، سعید ابن جبیر ، عطا ابن ابی رباح ، عمرو ابن دینار ، مالک ابن حارث ، محمد ابن ایاس بن بکیر ، معاویہ ابن ابی عیاش ، مالک ابن انس ، ابوحنیفہ ، محمد بن ادریس الشافعی ، احمد بن حنبل ، ابن ابی لیلیٰ ، جعفر ابن محمد حبیب ابن ثابت ، علقمہ ابن قیس ، نافع ، قیس بن عاصم ، سوید بن عقلہ ، ابن شہاب زھری وغیرہ شامل ھیں -

جنانچہ آنحضرت صلعم کے اور صحابہ کے عہد میں ایسی تین طلاقوں کو تین ھی قرار دیا جانا صحیح ھے - اس کے برخلاف صرف حضرت ابن عباس سے ایک روایت ملتی ھے جس کو مسلم نے روایت کیا ھے - یہ روایت اپنے الفاظ کے اعتبار سے کئی معنی کی متحمل ھے :

(۱) ایک یہ کہ حضرت ابوالصہباء کی حدیث سے ''مطلق طور پر'' یہ بات ظاھر ھوتی ھے کہ حضور صلعم کے دور مبارک اور حضرت ابوبکر صدیق کے دور خلافت اور حضرت عمر فاروق کے ابتدائی دور میں لوگ تین طلاق دیا کرتے تھے اور یہ طلاقیں ایک طلاق کے حکم میں شمار ھوتی تھیں - الفاظ حدیث سے یہ امر واضح نہیں ھوتا کہ تین طلاق کو ایک قرار دینے کا حکم مدخول بہا کے سلسلے میں تھا یا غیر مدخول بہا کے سلسلے میں - جہاں تک غیر مدخول بہا کا تعلق ھے بلا شبہ ایک طلاق اس کے لیے کافی ھے اگر لفظ ''طلاق''- ''طلاق''- ''طلاق'' کے ساتھ طلاق دی گئی ھو ، چونکہ اس پر عدت واجب نہیں ھے لہذا باقی دو طلاقوں کا محل نہ رھی - دوسری صورت میں یعنی جب کہ عورت مدخول بہا ھو اور اس کو ''انت طالق''- ''انت طالق''

''انت طالق'' کے الفاظ سے طلاق دی گئی ہو تو حضور کے زمانے میں پہلی طلاق سے طلاق اور دوسری اور تیسری طلاقوں سے طلاق کی تاکید مقصود تھی اس کو ایک طلاق کے حکم میں داخل کیا جاتا تھا۔ اور اگر الفاظ یعنی ''تین طلاق'' کے ساتھ طلاق دی جاتی تو چاہے مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا ، تین طلاقیں قرار دی جاتیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ اس میں ''تجعل الثلاث واحدۃً'' آیا ہے جس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ تین طلاقیں ایک کر دی جاتی تھیں۔ اس سے مفہوم یہ نکالا گیا کہ تین طلاقیں (یک دم) تین نہ ہوں گی بلکہ ایک ہوگی (یعنی یہ کہ تین طلاق ایک لفظ سے ایک وقت میں یا تین لفظوں سے)۔ یہ مفہوم مخالف ہے کیونکہ اس میں تاکید کا احتمال اور غیر تاکید دونوں موجود ہیں لیکن چونکہ آنحضرت صلعم اور ابوبکر صدیق اور اوائل خلافت عمر میں تاکید زیادہ رائج تھی اس لیے اس پر عمل کیا گیا اور حضرت عمر کے اوائل دور کے بعد تاکید کا رواج ختم ہو گیا تھا اور عرف بدل گیا یعنی لوگ تاکید نہیں سمجھتے تھے بلکہ تاسیس گویا جدید معنی سمجھتے تھے یعنی تین طلاق تین ہی سمجھتے تھے تاکید نہیں۔ اس واسطے جب حضرت عمر نے جدید معنی میں تین کو تین ہی رکھا تو کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ بخلاف اس کے ایک لفظ سے ایک وقت میں ایک مجلس میں تین طلاق میں تاکید کا احتمال ہی نہیں ہے لہٰذا مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا ایک لفظ سے تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔

(۳) تیسرے یہ کہ ''تجعل الثلاث واحدۃ'' کے معنی یہ ہیں کہ تین کی بجائے ایک ہوتی تھی یعنی لوگ اس زمانے میں صرف ایک طلاق دیا کرتے تھے، اس معنی کی تائید حدیث کے آئندہ الفاظ ''فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی امر قد کانت لھم فیہ اناۃ'' سے ہوتی ہے ۔ کیونکہ حضرت عمر کا یہ فرمانا کہ لوگ اس امر میں ''عجلت'' کرنے لگے جس میں ان کے لیے تاخیر تھی، اس معنی پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے لوگ طلاق میں تاخیر سے کام لیتے تھے یعنی ایک ساتھ تین نہیں دیتے تھے، اس معنی کی تائید دوسری روایت میں لفظ ''تتابع الناس فی الطلاق'' سے بھی ہوتی ہے کہ لوگ طلاق پے در پے (یعنی ایک ہی مجلس میں بعد یکے دیگرے) دینے لگے ۔ لہذا چوں کہ ''عرف'' بدل گیا اس لیے حضرت عمر نے تین طلاقیں نافذ کر دیں ۔

حدیث کے اس معنی کی تائید میں قرآن پاک کی ایک آیت کا ایک جزو ''أجعل الآلھۃ الھاًواحداً'' یعنی کیا اس نے تمام خداؤں کے بجائے ایک خدا کر دیا، بھی پیش کیا جا سکتا ہے ؟ چنانچہ اس آیت سے یہ مفہوم لیا جائے گا کہ سب خداؤں کے بجائے ایک خدا، نہ کہ سب خدا مل کر ایک خدا کر دیے گئے ۔ اسی طرح حدیث میں ''تجعل الثلاث واحدۃً'' کے قریب ترین معنی یہ لیے جائیں گے کہ ''تین طلاق'' کی بجائے ''ایک'' دی جاتی تھی نہ کہ تین طلاقیں ملا کر دی جاتی تھیں اور وہ ایک کر دی جاتی تھیں ۔ جس سے یہ نتیجہ بآسانی نکالا جا سکتا ہے کہ حضور صلعم کے دور مبارک میں لوگ (بالعموم) ایک طلاق دیا کرتے تھے اور حضرت ابوبکر کے دور میں بھی، البتہ

حضرت عمر کے ابتدائی دور خلافت کے بعد لوگوں میں (بالعموم) تین طلاق پے در پے دینے کا طریقہ رائج ہو گیا تھا۔

مسلم کی اس روایت کے خلاف کتب احادیث میں حضرت ابن عباس کے کم و بیش بارہ اقوال ملتے ہیں جن میں انھوں نے تین طلاق کے واقع ہو جانے کا فتویٰ دیا ہے جب راوی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دیتا ہے اور خلاف عمل کرتا ہے تو یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ روایت قابل اعتبار نہیں ، کیونکہ خبر احاد کا ظنی ہونا غیر راوی کے لیے ہوتا ہے جب کہ راوی کے حق میں یقینی ہے کیونکہ وہ خود حضور سے سن چکا ہے پھر اس راوی کی مخالفت کرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ روایت درست نہیں کیونکہ حضور سے سماعت پھر مخالفت یعنی یقینی خبر کو ترک کرنا اور خلاف فتویٰ دینا اس امر کی بین دلیل ہے وہ روایت ثابت نہیں۔

یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ طلاق مغلظہ کے خلاف نقطہ نظر کیوں پیدا ہوا ؟ اس کا پہلا سبب روایت کے لحاظ سے طاؤس کا ابو رکانہ والے واقعہ پر مبنی غلط فہمی اور اپنے ذہن میں اس کی غلط تعبیر کے ساتھ عبارت بنا کر حضرت ابن عباس سے سوال کرنا ہے اور دوسرا سبب (شاید) اس دور میں طلاق کی کثرت اور اس کے نتیجے میں اہل و عیال کی پریشانی کے سبب جذبۂ ترحم کا پیدا ہونا خیال کیا جا سکتا ہے۔

معترضین کے چند قیاسی دلائل :

بعض حضرات ''طلاق الثلاث'' کے واقع قرار نہ دیے جانے کے لیے بر بنائے قیاس یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ امر قرین عقل نہیں ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں تین طلاق مغلظہ دے کر اس رشتۂ زوجیت

کو یکسر ختم کر دے جو بطور مثال ۱۸ سال سے قائم ہو اور اس کے نتیجے میں چند بچے بھی ہوں ۔ ان کے نزدیک یہ بات اسلام کے بنیادی اخلاقی اصولوں کے خلاف ہے ۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ایک ''فعل'' ہوتا ہے اور دوسرے اس ''فعل کا کرنا'' ۔ یک وقت تین طلاقیں دینا اللہ اور اس کے رسول (صلعم) کے نزدیک غیر مستحسن اور اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی ایک برا فعل ہے لیکن اس فعل کے کر لینے یعنی تین طلاق دینے سے وہ طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کا وہ فعل اپنے اثر و نتیجے کے اعتبار سے لازم ہو جائے گا ۔ بطور مثال :

(۱) اگر ایک شخص ۲۰ سال سے بیوی بچوں کے ساتھ زندگی گذار رہا ہے اور پھر کچھ اسباب کی بناء پر خود کشی کر کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دے اور اس طرح اهل و عیال کو مصیبت میں ڈال دے تو کیا اس کا یہ فعل جائز ہوگا اور کیا وہ یہ فعل کر سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر باوجود ناجائز ہونے کے وہ یہ فعل کر سکتا ہے اور کر لیتا ہے تو پھر تین طلاق یک دم دے کر بیوی کو بھی علیحدہ کر سکتا ہے ۔ اور اس کا یہ فعل اس کے ذمہ لازم قرار دیا جائے گا ۔

(۲) ایک شخص اپنی زوجہ اور بچوں کو ننگا ، بھوکا رکھتا ہے اور خود جو کماتا ہے اس کو شراب و کباب اور عیاشی میں اڑا دیتا ہے ، زوجہ کے شکوے و شکایات پر اس کو زد و کوب کرتا ہے تو کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے ؟ اگر عدم اجازت کے باوجود وہ ایسا کر رہا ہے تو کیا اس کا یہ ناجائز فعل ظہور پذیر نہیں ہوا ؟

جہاں تک تین طلاقوں کے نتیجے میں عورت کی بیوگی اور اولاد کی

محرومی کے سبب طلاق الثلاث کو طلاق رجعی قرار دینے کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ :

(۱) اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے اور اس جرم میں حکومت اسے پھانسی کی سزا دے، بلا لحاظ اس امر کے کہ اس کی ایک جوان بیوی مع چند بچوں کے موجود ہے جو یتیم اور بےسہارا ہو جائیں گے تو کیا حکومت کا یہ فعل درست ہوگا ؟ یا

(۲) یہ کہ ایک شخص جس کی بیوی موجود ہے اور صاحب اولاد ہے کسی غیر عورت سے ارتکاب زنا کرے یا اسی طرح کوئی مسلمان عورت جس کا شوہر موجود ہے کسی غیر مرد سے زنا کرائے اور زنا شرعاً ثابت ہو جانے پر اسلام دونوں کو سنگ سار کرنے کا حکم دے اور بچے یتیم رہ جائیں ، تو کیا یہ بے رحمی نہ ہوگی ؟

ایک اور اعتراض :

معترضین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اگر حضور علیہ السلام کے دور مبارک میں دفعۃً تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں واقع قرار دی جاتی ہیں تو پھر ''تین طلاق بلفظ واحد یا بوقت واحد'' کو بھی ''طلاق سنت'' شمار کیا جانا چاہئے اور اگر یہ طلاق سنت ہے تو پھر گناہ کا موجب اور لائق سزا کیوں ؟ اور اگر طلاق الثلاث بلفظ واحد یا بوقت واحد ''بدعت'' ہے تو بدعت کا حضور کے زمانہ سے کیا تعلق ؟

لیکن یہ اعتراض ایک واهمہ پر مبنی ہے۔ طلاق الثلاث بلفظ واحد یا بوقت واحد کے سلسلے میں دو امور قابل غور ہیں۔ ایک ایقاع (واقع کرنا) اور دوسرے وقوع (واقع ہونا) ـــــ اس بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ اس طرح طلاق دینا بدعت ہے کیونکہ رسول اللہ اور

صحابۂ کرام نے اس طرح طلاق واقع کرنے (دینے) کو ناپسند فرمایا ھے لیکن جہاں تک ایسی طلاق کا وقوع (واقع ھوجانے) کا تعلق ھے وہ ''سنت'' ھے کیونکہ پچھلے صفحات میں بیان کردہ احادیث کے پیش نظر ایسی طلاق کا وقوع ''ثابت'' ھے۔ بالفاظ دیگر ''طلاق الثلاث بلفظ واحد یا بوقت واحد'' صدور فعل کے اعتبار سے ''طلاق بدعت'' ھے اور باعتبار وقوع کے ''طلاق سنت'' ھے۔ اسی بناء پر امام شافعی کا ایک قول (بحوالہ ابن رشد) طلاق الثلاث سنت ھونے کے بارے میں ملتا ھے نیز امام بن حزم بھی اسے طلاق سنت کہتے ھیں۔ البتہ احناف نے اس ضمن میں دقّت نظری کا ثبوت دیا ھے اور ایسی طلاق کا دو پہلوؤں سے تجزیہ کرکے باعتبار صدور فعل ''طلاق بدعت'' باعتبار ثبوت یعنی وقوع ان کے نزدیک بھی سنت ھے یعنی حضور علیہ السلام سے ثابت ھے۔ اس تصریح کے بعد سزا کا اعتراض بھی خود بخود دور ھو جاتا ھے چونکہ حضور صلعم نے اس طرح طلاق دینے کو منع فرمایا ھے اور ایسا کرنے والا خلاف سنت فعل کا ارتکاب کرتا ھے اس لیے گنہگار ھوگا اور زجراً (بطور تہدید) لایق سزا قرار پائے گا۔

تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کے قائلین قیاس کی بناء یہ دلیل بھی پیش کرتے ھیں کہ اسلام رشتہ ازدواج کے قیام و بقا کا خواھشمند ھے۔ یکدم تین طلاق کو تین طلاق واقع قرار دیا جانا رشتہ ازدواج کے قیام و بقا اور اسلام کی منشاء کے منافی ھے۔ اس لیے یک دم تین طلاقیں دیے جانے کی صورت میں صرف ایک طلاق رجعی قرار دی جانی چاھئے :

(۱) اولا تو یہ قیاس خلاف سنت ھونے کے سبب حجت نہیں بن سکتا۔ کیونکہ رسول اکرم اور صحابہ کرام کے دور میں تین طلاقیں تین ھی قرار دینے کی شہادتیں موجود ھیں۔

(۲) دوسرے، قرآن بہترین طریقہ طلاق کی تعلیم دیتا ہے یعنی صاف کہتا ہے کہ طلاق دو مرتبہ ہیں پھر معروف طریقے سے روک لینا یا خوش اسلوبی کے ساتھ چھوڑ دینا۔ اس سے تین امور واضح ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ مرد کو صرف تین طلاقوں کا حق ہے، دوسرے یہ کہ دو طلاقوں پر ہر طلاق کے بعد دوران عدت مرد کو رجوع کا حق حاصل ہے اور تیسرے یہ کہ بعد ازاں روک لینا ہے یا چھوڑ دینا ہے۔

یہ آیت طلاق کی تعداد اور حق رجوع پر دلالت کرتی ہے اس سے اللہ کا مقصود یہ تعلیم دینا ہے کہ تطلیق رجعی دو ہیں۔ اس میں طلاق کے وقوع کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے یہ مفہوم نکالنا کہ اگر دو یا تین طلاقیں ایک ساتھ دی جائیں تو وہ غیر نافذ ہوں گی یا صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، آیت میں ایسے معنی پیدا کرنا ہے جس کی وہ آیت متحمل نہیں۔

بلا شبہ اسلام رشتہ زوجیت کی بقا اور قیام کا خواھشمند ہے اور اسی لیے طلاق رجعی دینے پر زور دیتا ہے لیکن اگر کوئی شخص طلاق رجعی کے بجائے طلاق بائن یا مغلظہ دیتا ہے تو اس کے نفاد کو نہیں روکا جا سکتا۔ کیونکہ شرع نے جو سہولت مرد کو دی ہے اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا تو اس میں شرع کا کوئی قصور نہیں۔ سابقہ صفحات میں بیان کردہ احادیث و آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

مسئلہ کا حل:

البتہ اس کی ایک صورت ممکن ہے جس سے منشاء قرآن بھی پورا ہوسکتا ہے اور سنت (قاعدہ شرعی) کی بھی خلاف ورزی سے بچا جا سکتا ہے نیز بقدر امکان عامۃ المسلمین کو بھی معصیت سے بچایا جا سکتا

ہے ، اور وہ یہ کہ اسلامی حکومت مسلمانوں کے لیے (علاوہ چند خاص صورتوں کے) احسن طلاق سنت کی بنیاد پر (جس کی تفصیل صفحات ۳۶۳ ، ۳۶۴ اور ۳۶۵ کتاب ھذا میں موجود ہے) ایک طلاق رجعی دینے کا قانون بنائے - جس میں یہ صراحت بھی کر دی جائے کہ اگر کوئی شخص مذکورہ طریقہ سنت کے خلاف طلاق دے گا (مثال کے طور پر تین طلاقیں بیک وقت دے گا) تو اگرچہ ایسی طلاقوں کو نافذ قرار دیا جائے گا مگر ایسا شخص سزا کا مستوجب ہوگا (جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے) لیکن ضروری ہوگا کہ اس طور پر قانون سازی سے پہلے اسلامی احکام طلاق اور بالخصوص اس مسئلے سے متعلق عوام الناس کو مناسب طریقے پر ضروری واقفیت بہم پہونچائی جائے ، کیونکہ برصغیر ہند و پاکستان میں عرصہ دراز سے یہ طریقہ رائج ہے کہ لوگ تین طلاقیں (بوقت واحد) سے کم کو طلاق ھی تصور نہیں کرتے نیز اس ''عرف'' کے سبب تین طلاق یکدم دینے والے سے بہ حلف خاص یہ بھی دریافت کیا جائے کہ تین طلاق دینے سے اس کی مراد کیا تھی ؟ البتہ ''عرف'' بدل جانے پر اس کی ضرورت نہ رہے گی اور تعداد طلاق کے صریح ہونے کی بناء پر فیصلہ کیاجا سکے گا -

ممالک اسلامی میں دفعۃً تین طلاق کا رائج الوقت قانون :

ممالک اسلامیہ میں فریقین کے سنی العقیدہ ہونے کی صورت میں موجودہ صدی کے ربع اول تک اسی پر عمل کیا جاتا تھا کہ بیک وقت تین طلاقیں تین ہوں گی - لیکن ۱۹۲۹ع میں مصر نے ایک قانون منظور کیا جس کے تحت سوائے طلاق قبل دخول اور خلع بالمال اور ایسی تین طلاقوں کے جن کی تکمیل تین طہروں میں کی گئی ہو ، ہر طلاق کو طلاق رجعی قرار دیا گیا -[۸۰] سوڈان میں بھی ۱۹۳۵ع میں

طلاق الثلاث کو ایک طلاق رجعی قرار دیا گیا۔[۸۵] شام میں بھی ۱۹۵۳ء میں تین طلاق کے احکام مصری قانون کے مطابق مدون کیے گئے۔ چنانچہ ایک وقت میں تین یا اس سے زائد مرتبہ دینے کی صورت میں ایک ہی طلاق تسلیم کی گئی۔[۸۶] عراق میں قانون مجریہ ۱۹۵۹ء کے ذریعہ طلاق بلفظ الثلاث کو ایک طلاق کے حکم میں داخل کیا گیا۔[۸۷] مراکش[۸۸] اور اردن[۸۹] میں بھی اسی طرز پر قانون سازی کی گئی ہے۔ تیونس میں وقوع طلاق کو قاضی کے حکم پر منحصر کر دیا گیا ہے۔ یہی صورت سنگا پور میں ہے البتہ لبنان اور انڈونیشیا میں تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

پاکستان میں رائج الوقت طلاق کا قانون:

پاکستان میں بھی مسلم عائلی قوانین آرڈی نینس نمبر ۸ مجریہ ۱۹۶۱ء کے ذریعہ نتیجتاً ہر قسم کی طلاق کو طلاق رجعی کے حکم میں داخل کر دیا گیا ہے۔ طلاق رجعی قرار دینے کے سلسلے میں بظاہر عائلی قوانین کمیشن کی سفارشات پر عمل کیا گیا ہے۔ مولانا احتشام الحق تھانوی کے علاوہ تمام ارکان کمیشن نے طلاق بلفظ الثلاث کے مسئلے میں جو سفارش کی تھی وہ آیت قرآنی "الطلاق مرتان" اور حضرت محمود بن لبید و رکانہ والی احادیث کی روشنی میں کی تھی، لیکن اس رپورٹ میں مذکورہ آیت اور احادیث کے سلسلے میں محض ایک سرسری

---

(۸۴) قانون المصری، نمبر ۲۵، بابت ۱۹۲۹ء
(۸۵) عائلی قانون سوڈان، نمبر ۴۱، بابت ۱۹۳۵ء
(۸۶) قانون الاحوال الشخصیہ، شام، بابت ۱۹۵۳ء
(۸۷) قانون الاحوال الشخصیہ، عراق، ۱۸۸، مجریہ ۱۹۵۹ء
(۸۸) مدونۃ الاحوال الشخصیہ، مراکش
(۸۹) قانون حقوق العائلۃ، اردن

ذکر پر اکتفا کیا گیا اور ائمہ مجتہدین کے نقطہ ہائے نظر کو تفصیل کے ساتھ پیش نہیں کیا گیا البتہ زیر نظر کتاب کے ان صفحات میں تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کا جائزہ لیا گیا ہے جس سے حقیقت واضح ہو کر ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔

تنقید :

پاکستان میں رائج الوقت قانون طلاق کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ متعلقہ دفعہ ۷ کے مندرجہ احکام میں کچھ ایسی قیود و شرائط کا ذکر کیا گیا ہے جن کی طرف نہ تو کمیشن کی رپورٹ میں کوئی تفصیل ملتی ہے اور نہ ہی ان کی نظیر فقہ اسلام اور اسلامی ممالک کے رائج الوقت قوانین (ما سوائے تیونس و ترکی) میں ملتی ہے مثلاً :

(۱) زوجہ کو طلاق دینے کے بعد طلاق کی تحریری اطلاع متعلقہ یونین کمیٹی کے چیرمین کو دینا لازم قرار دیا گیا ہے۔

(۲) چیرمین کو تحریری اطلاع ملنے کے نوے دن تک طلاق کو غیر مؤثر قرار دیا گیا ہے۔ (جب کہ چیرمین کو اطلاع دینے کی کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی)۔

اس شرط کا اثر یہ ہے کہ طلاق کے نفاذ اور اس کے مؤثر ہونے کو چیرمین کو اطلاع نامہ حوالے کرنے کے بعد نوے یوم تک موقوف اور معلق کر دیا گیا ہے۔ فرض کیجیے کہ کوئی شخص اپنی زوجہ کو اس کی موجودگی اور گواہوں کے روبرو طلاق (رجعی) دیتا ہے مگر اس کا اطلاع نامہ حسب دفعہ مذکورہ بالا چیرمین کے حوالے نہیں کرتا اور قولاً یا فعلاً رجوع بھی نہیں کرتا تو اللہ اور سنت رسول اور بالاتفاق تمام صحابہ اور ائمہ کے نزدیک ایسی صورت میں طلاق واقع اور مکمل ہو جائے گی لیکن قانون مذکورہ کے تحت وہ طلاق غیر نافذ اور غیر مؤثر

قرار پائے گی جیسا کہ بمقدمہ سرکار بنام توقیر فاطمہ، جسٹس وحید الدین احمد جج عدالت عالیہ ، کراچی نے قرار دیا کہ مسماۃ توقیر فاطمہ کے شوہر شمس الحسن نے طلاق کی اطلاع حسب دفعہ ۷ عائلی قوانین آرڈی نینس چیرمین کو نہیں دی برین بناء طلاق نافذ نہیں ہو سکتی تھی ۔ اس مقدمے میں مسماۃ توقیر فاطمہ نے اپنے شوہر شمس الحسن کے خلاف زیر دفعہ ۴۸۸ ضابطہ فوجداری نفقہ کی درخواست دی جو ۱۴ نومبر، ۱۹۶۰ع کو مجسٹریٹ نے منظور کر لی اور شوہر کو ہر ماہ ۵۰ روپے نقد بطور نفقہ ادا کرنے کا حکم دیا ۔ بعد ازاں شوہر نے ۶ ستمبر ۱۹۶۲ع کو ایک درخواست دی کہ اس نے اپنی زوجہ کو تین طلاق بائنہ دے دی ہیں اور اس سلسلے میں ایک تحریر بھی اپنی زوجہ کے حوالے کرنا چاہی مگر اس نے وہ تحریر لینے سے انکار کیا ۔ شوہر نے اس تحریر کی ایک نقل عدالت میں بھی پیش کر دی اور کہا کہ آج اس نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی ہے اس لیے نفقے کے حکم مورخہ ۱۴ نومبر، ۱۹۶۰ع کو ترمیم کر دیا جائے (یعنی عدت کے بعد نفقہ دینے کا حکم ساقط کیا جائے) کیونکہ ۶ دسمبر، ۱۹۶۲ع کو اپنی زوجہ کو تین طلاق بائن دے دی ہیں۔ عدالت نے شوہر کے اس ادعا کو تسلیم کرتے ہوئے زمانہ عدت تک (یعنی ۵ مارچ، ۱۹۶۳ع) نفقہ ادا کرنے کا حکم دے دیا ۔ زوجہ کی اپیل اور مابعد ریفرینس (استصواب) پر عدالت اپیل اور عدالت عالیہ نے قرار دیا کہ چونکہ طلاق کا کوئی نوٹس حسب احکام دفعہ ۷ نہیں دیا گیا ہے اور طلاق نوٹس ملنے کے نوے یوم بعد مؤثر ہو سکتی ہے لہذا وہ طلاق جو بقول شوہر ۶ دسمبر کو دی گئی غیر مؤثر ہے[۹۰] (بلا لحاظ اس امر کے کہ شوہر نے اپنی زوجہ کو شریعت اسلام کے مطابق طلاق دے دی تھی عدالت عالیہ کے حکم مورخہ ۱۶ دسمبر، ۱۹۶۳ع کے

(۹۰) پی ایل ڈی ، ۱۹۶۴ع، کراچی ، صفحہ ۳۰۷

مطابق وہ طلاق غیر نافذ قرار پائی اور شوہر پر باوجود اس کے شرعی طور پر طلاق دینے کے زوجہ کے نفقہ کی ادائی کی ذمہ داری بحال رہی حالانکہ شرع اسلام کے بموجب شوہر کے عدالت میں اس ادعا کے بعد کہ اس نے آج طلاق دے دی ہے اس پر طلاق سے صرف عدت کے زمانے کا نفقہ واجب ہوتا اور طلاق اسی تاریخ سے نافذ قرار پاتی) ۔

(۳) اس دفعہ ۷ میں ہر قسم کی طلاق کو طلاق رجعی کے حکم میں داخل کیا گیا ہے اور باہمی طور پر تصفیہ نہ ہو سکنے کی صورت میں عدت گزر جانے کے بعد نکاح جدید کی اجازت دی گئی ہے البتہ تین مرتبہ نکاح ختم ہونے کے بعد بغیر حلالہ باہم نکاح کی اجازت نہیں ہے ۔ بالفرض ایک شخص دو طہروں میں یکے بعد دیگرے دو طلاقیں دے کر بعد عدت رجوع کر لیتا ہے اس کے لیے مزید دو مرتبہ نکاح ختم ہونے کے بعد بغیر حلالہ باہم نکاح کی اجازت دی گئی ہے حالانکہ اس کو صرف ایک طلاق کا حق باقی رہ گیا ہے اگر وہ تیسری طلاق دے دے تو چونکہ وہ دو طلاقیں یکے بعد دیگرے دو طہروں میں پہلے دے چکا ہے اس لیے شرع اسلام کے بموجب نہ ہی رجوع کر سکتا ہے اور نہ ہی بدون حلالہ نکاح جدید ۔ لیکن دفعہ ھذا کے بموجب نہ صرف وہ رجوع کر سکتا ہے بلکہ نکاح جدید کر سکتا ہے ۔ اس طرح وہ مرد چار طلاقوں کا مالک بن گیا ۔ (یہاں یہ اشارہ کرنا بے محل نہ ہوگا کہ ایک ساتھ تین طلاقیں واقع ہونے کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یکے بعد دیگرے دو طہروں میں دو طلاقیں دینے سے دو ہی طلاقیں واقع ہوں گی) ۔

(۴) دفعہ ھذا کے تحت طلاق رجعی دینے کی صورت میں مرد اپنے فعل یا قول سے بلا رضامندی زوجہ رجوع نہیں کر سکتا ۔ فرض کر

لیجیے کہ ایک عورت دل سے طلاق کی متمنی تھی شوہر نے اس کو ایک طلاق حسب احکام مندرجہ دفعہ ۷ دی اور بعد ازاں اس سے رجوع کرنا چاہا ۔ دفعہ ہذا کے تحت عورت بحیثیت فریق شوہر کے پاس جانے سے انکار کرتی ہے اور بالفرض محال چیرمین بھی اس کے استدلال سے مطمئن ہو تو رجوع کے سلسلے میں جو شرعی احکام متفق علیہ پائے جاتے ہیں دفعہ ہذا کے تحت ان کا لحاظ کیونکر کیا جا سکے گا ؟

(۵) اگر طلاق کا نفاذ چیرمین کو اطلاع دینے کے نوے دن بعد ہوگا تو عدت کب سے شمار ہوگی ؟ اگر عدت نوے دن کے بعد شمار ہوگی تو مرد کا حق رجوع بھی باقی رہتا ہے اس صورت میں نوے دن کے دوران رجوع کرنے کا کیا حکم ہوگا.؟

کیونکہ اگر طلاق نافذ نہیں ہوئی اور غیر مؤثر رہی تو پھر مرد رجوع کس امر یا فعل سے کرے گا ؟ اگر نوے دن گزرنے سے قبل رجوع کر لیا تو اس کی دی ہوئی طلاق کو ایک طلاق رجعی شمار کیا جائے گا یا نہیں اور اس کو صرف دو طلاقیں دینے کا حق باقی رہ جائے گا ؟ اور اگر طلاق نوے یوم تک غیر مؤثر ہے تو پھر مرد کا فعل رجوع تین طلاقوں کے حق کو کیوں کر متأثر کر سکتا ہے ؟

تجویز :

عائلی قوانین آرڈی ننس کی دفعہ ۷ کا غائر نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ ثالثی کونسل کا قیام مرد کے طلاق دینے سے پہلے ہونا چاہئے ۔ اس ضمن میں ناچاقی کے سبب تفریق کے ضمن میں دیگر اسلامی ممالک کے قوانین سے استفادہ کیا جا سکتا ہے ۔ اور اس طرز پر قانون سازی کی جا سکتی ہے ۔

جہاں تک طلاق کو نوے دن تک غیر موثر رکھنے اور اس نوے

دن کی ابتدا کو چیرمین کو نوٹس ملنے پر موقوف رکھنے کا تعلق ہے شیعہ و سنی تمام فرقوں کی فقہ کے خلاف ہے۔

ضرورت ہے کہ مندرجہ بالا معروضات کی روشنی میں دفعہ ھذا کا جائزہ لیا جائے اور اس میں احکام شرع کے بموجب جو صورتیں کثیرالوقوع اور متفق علیہ ہیں ان کا لحاظ کرتے ہوئے دفعہ ھذا کو ترمیم کیا جائے۔

غیر مدخولہ کو طلاق

۱۱۱۔ اگر زوجہ غیر مدخولہ ہو یعنی اس سے صحبت نہ ہوئی ہو اور اس کو ایک کلمہ سے تین طلاقیں دی جائیں تو تینوں طلاقیں ایک ساتھ واقع ہوں گی اور وہ عورت بدون حلالہ اس مرد سے دوبارہ نکاح نہ کر سکے گی:

البتہ اگر تین طلاقیں فرداً فرداً دی گئیں تو پہلی طلاق سے وہ زوجہ بائن ہو جائے گی باقی دو طلاقیں بے اثر رہیں گی۔ اس صورت میں حلالہ کے بغیر مرد و عورت باہم نکاح جدید کر سکتے ہیں۔

تشریح

یہ امر مسلّمہ ہے کہ غیر مدخولہ زوجہ ایک طلاق سے بائن ہو جاتی ہے۔ کیونکہ غیر مدخولہ عورت کے لیے کوئی عدت نہیں ہوتی۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر اس کو ایک کلمے سے تین طلاق دی جائیں تو اس پر تین طلاقیں ایک ساتھ واقع ہو جائیں گی یا صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے اور بعد صحبت طلاق حاصل کرنے یا اس مرد کے انتقال کے بعد پہلے شوہر سے، اگر دونوں رضامند ہوں، نکاح کرسکتی ہے یا نہیں۔ جو فقہاء تین طلاقوں کے ایک ساتھ واقع ہونے کے مخالف ہیں وہ صرف ایک طلاق بائن کے سبب دوبارہ نکاح میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے اور کسی دوسرے مرد سے نکاح کو ضروری قرار نہیں دیتے البتہ جن فقہاء کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہو جاتی

ہیں وہ حلالہ کی شرط لگاتے ہیں تاہم اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر تین طلاقیں فرداً فرداً دی گئی ہیں تو پہلی طلاق سے وہ غیر مدخولہ عورت بائن ہوگئی اور باقی دو طلاقیں بیکار جائیں گی اور اس صورت میں حلالہ کی کوئی ضرورت نہیں اور مرد و عورت باہم رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔

امام محمد نے اپنی کتاب موطا میں امام مالک سے بہ اسناد زہری، محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان، محمد بن ایاس بن بکیر سے روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو جماع کرنے سے پہلے تین طلاقیں دے دیں پھر اس سے نکاح کرنا چاہا وہ مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آیا ابن بکیر کہتے ہیں کہ میں بھی اس کے ساتھ گیا، اس عورت نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ نہیں وہ (عورت) اس سے نکاح نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ دوسرے مرد سے جماع نہ کرلے۔ سوال کرنے والے نے کہا کہ وہ عورت تو میری ایک ہی طلاق سے بائن ہو گئی حضرت ابن عباس نے فرمایا، تو نے اپنا اختیار اپنے ہاتھ سے کھودیا۔

امام محمد رحمۃاللہ علیہ اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃاللہ علیہ اور ہمارے اکثر فقہاء کا یہی مسلک ہے۔ چوں کہ اس نے تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں اس لیے تینوں ایک ساتھ واقع ہوں گی اگر متفرق طور پر دیتا تو صرف پہلی طلاق واقع ہوتی اس لیے کہ وہ عورت (غیر مدخولہ) پہلی ہی طلاق کے بعد بائن ہوگئی۔[۹۱]

---

(۹۱) موطاء، امام محمد (عربی)، مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب، صفحہ ۲۵۹

چودھواں باب

خُلع و مبارأت

خلع کی تعریف

۱۱۲۔ خلع زوجہ کی مرضی اور اس کی خواهش پر عقد نکاح سے آزاد کیے جانے کے معاوضے میں شوهر کو بدل دینے یا دینے کا وعدہ کرنے پر قید زوجیت سے بلفظ خلع یا جو لفظ اس کا هم معنی هو، رهائی کا نام هے۔

تشریح

خُلْعٌ کا لفظ خَلْعٌ سے ماخوذ هے۔ خلع کے لغوی معنی ایک شے سے دوسری شے نکالنے کے هیں۔ اصطلاحاً خَلَعَ کے معنی بروزن نَزَعَ باهر نکالنے یا اتارنے کے آتے هیں مثلاً خلع الثوب (اس نے کپڑے اتارے)۔ چونکہ خلع میں عورت مرد کے رشتۂ زوجیت سے باهر آ جاتی هے اس لیے شرعاً خلع کا مفہوم یہ هے کہ شوهر اپنی بیوی سے مال لے کر ملک نکاح سے دست بردار هو جائے۔

فقہاء کی بیان کردہ خلع کی تعریفات:

کمال الدین ابن همام نے اپنی کتاب فتح القدیر میں لکھا هے کہ بدل کے ذریعہ خلع کے لفظ کے ساتھ ملک نکاح زائل کرنے کو خلع کہتے هیں۔[1]

داماد آفندی نے اپنی کتاب مجمع الانہر میں بھی خلع کو ''ازالۃ ملک النکاح ببدل بلفظ الخلع'' لکھا هے۔[2]

---

(۱) فتح القدیر، ابن همام، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ هجری، جلد ۳، صفحہ ۱۹۹
بدائع الصنائع، امام کاسانی، مطبوعہ، ۱۳۲۸ هجری، جلد ۳، باب الخلع، صفحہ ۱۵۲

(۲) مجمع الانہر، داماد آفندی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ هجری، جلد ۱، صفحہ ۴۴۷

امام کاسانی نے اپنی کتاب بدائع الصنائع میں خلع کی دو قسمیں لکھی ہیں۔ ایک خلع بلا بدل اور دوسری بالبدل۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :
'' اگر شوہر نے خلع بلا بدل کی صورت میں لفظ ' خلع ' سے طلاق کی نیت کی ہو تو بلا کسی بدل کے طلاق واقع ہو جائے گی البتہ ' خلع بالبدل ' کی صورت میں بغیر بدل کے خلع نہ ہوگا۔''[۳]

خلع کا عام فہم :

اگرچہ لفظ '' خلع '' بلا بدل ہونے کی صورت میں طلاق کنایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن برصغیر پاکستان و ہند میں خلع کا ایک خاص مفہوم متعین ہوچکا ہے یہاں بالعموم عورت مہر سے دست برداری کے عوض مرد سے تفریق حاصل کرتی ہے۔ بالفاظ دیگر پاکستان اور ہندوستان میں خلع اپنے جوہر میں ''طلاق بالمال'' کی حیثیت رکھتا ہے۔

لیکن خلع کے لیے ضروری ہے کہ وہ بلا بدل ہو یا بالبدل ، لفظ '' طلاق کے بجائے '' خلع '' کا لفظ استعمال کیا جائے۔ ہندو پاکستان میں عام طور پر خلع بالبدل کی صورت میں بھی '' طلاق '' ہی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے یعنی شوہر یہ کہنے کے بجائے کہ میں اپنی زوجہ مسماۃ فلاں کو خلع کرتا ہوں ' کہتا ہے کہ میں ''طلاق'' دیتا ہوں ' حالانکہ اس کو لفظ '' طلاق '' کے بجائے '' خلع '' کا لفظ استعمال کرنا چاہئے۔

لہٰذا ہماری عدالتوں کو چاہیے کہ وہ '' خلع '' اور '' طلاق بالمال '' کے فرق کو پیش نظر رکھتے ہوئے زوجین میں خلع کراتے وقت شوہر سے '' خلع '' کا لفظ کہلوائیں نہ کہ '' طلاق '' کا۔ کیونکہ '' خلع ''

---

(۳) بدائع الصنائع ' امام کاسانی ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۲۸ ھجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۱۵۱

بحرالرائق ' ابن نجیم ' مطبوعہ مصر ' ۱۱۱۳ ھجری ' جلد ۴ ' صفحہ ۷۷

کا مفہوم یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے معاوضہ لے کر "خلع" کے لفظ سے ملک نکاح ختم کر دے، جب کہ "طلاق بالمال" کی صورت میں مال لے کر طلاق دینا اگرچہ خلع کے حکم میں ہے مگر فی الاصل خلع نہیں ہے۔

خلع کے معاوضے کی مقدار

۱۱۳۔ شوہر اس امر کا مجاز ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو مہر یا اس کی رقم سے کم یا زائد کے عوض خلع دے لیکن زوجہ کی اس معاوضے پر نارضامندی کی صورت میں عدالت حالات مقدمہ کے پیش نظر معاوضہ کا تعین کرنے کی مجاز ہوگی۔

تشریح

اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

" وان اردتم استبدال زوج مکان زوج و آتیتم احداهن قنطاراً فلا تاخذوا منه شیاً۔ (" یعنی اگر تم ایک بیوی کے بجائے دوسری بیوی کرنے کا ارادہ کرو اور تمہاری بیویوں میں سے کوئی ایک بیوی اس کے صلے میں بہت سا مال دے تو تم اس مال میں سے کچھ نہ لو۔) "[۴]

یہ حکم اس مصلحت کی بناء پر ہے کہ ایسے موقع پر ایک مصیبت تو عورت پر مرد کی جانب سے یہ ہوتی ہے کہ اس کے شوہر نے اسے چھوڑ دیا اور دوسری مصیبت یہ کہ شوہر اس سے خلع کے بدلے مال بھی لے۔

چنانچہ قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیت اپنے وسیع مفہوم میں شوہر کو اپنی بیوی سے خلع کے بدلے کسی بھی معاوضے لینے کو منع کرتی ہے جب کہ خلع کا سبب خود مرد ہو۔ بالفاظ دیگر اگر نااتفاق

(۴) سورۃ النساء، آیت ۲۰

شوهر کی جانب سے هو تو شوهر کے لیے اپنی بیوی سے خلع کا معاوضه لینا ممنوع ھے ۔

هدایه :

هدایه میں لکھا ھے که اگر نشوز (نافرمانی) شوهر کی جانب سے هو تو اس کا اپنی بیوی سے خلع کا معاوضه لینا مکروه ھے ۔ اور اگر نشوز بیوی کی طرف سے هو تو اس صورت میں شوهر بیوی سے صرف اپنا دیا هوا مال واپس لے سکتا ھے اس سے زیاده لینا مکروه ھے ۔[5]

حدیث نبوی سے استدلال :

شوهر کے لیے اپنے دئے هوئے مال سے زائد نه لینے کی دلیل رسول کریم کا وه قول ھے جو حضور نے ثابت بن قیس کی بیوی کے متعلق اس صورت میں فرمایا تھا جب که نااتفاقی عورت کی جانب سے تھی چنانچه جب ثابت بن قیس کی بیوی نے رسول کریم کو جواب دیا که جی هاں ! باغ بھی واپس کردوں گی اور اس کے علاوه کچھ مال بھی دوں گی تو رسول کریم نے ''اماالزیادة فلا '' کهه کر زیاده دینے سے منع فرمایا ۔[6] عطاء بن عازب سے بھی ایک روایت ھے که رسول الله صلی الله علیه وسلم نے فرمایا که اپنی خلع لینے والی بیوی سے صرف وهی مال واپس لو جو تم نے اپنی بیوی کو دیا ھے ۔ اس سے زیاده کچھ نه لو ۔[7]

مختلف اقوال :

خلع کے معاوضے کی مقدار کے سلسلے میں صحابه ' تابعین اور ائمه کے

---

(۵) هدایه (عربی) مرغینانی ' مطبوعه دیوبند ' ۱۳۸۰ هجری ' جلد ۲ ' صفحه ۳۸۴
فتح القدیر ' ابن همام ' مطبوعه مصر ' ۱۳۵۶ هجری ' جلد ۳ ' صفحه ۲۰۳
مجمع الانهر ' داماد آفندی ' مطبوعه مصر ' ۱۳۲۸ هجری ' جلد ۱ ' صفحه ۴۴۷

(۶) السنن الکبری ' بیهقی ' مطبوعه دکن ' ۱۳۵۳ هجری ' جلد ۷ ' صفحه ۳۱۴

(۷) فتح القدیر ' ابن همام ' مطبوعه مصر ' ۱۳۵۶ هجری ' جلد ۳ ' صفحه ۲۰۴
السنن الکبری ' مطبوعه دکن ' ۱۳۵۳ هجری ' جلد ۷ ' صفحه ۳۱۴

مختلف اقوال ملتے ہیں :

(الف) بعض کے نزدیک مرد نے عورت کو جتنا دیا ہے اس سے زائد لینا حرام ہے ،

(ب) بعض کے نزدیک زائد لینا مباح ہے، اور

(ج) بعض کے نزدیک مکروہ۔

طاؤس اور زہری (الف) میں مذکور قول کے حامی ہیں ان کے نزدیک شوہر کے لیے حلال نہیں ہے کہ جتنا اس نے اپنی بیوی کو دیا ہے اس سے زائد لے۔ عطاء کا قول ہے کہ اگر شوہر نے مہر سے زائد کچھ لیا تو عورت کو واپس دلایا جائے گا۔ امام اوزاعی نے بھی کہا ہے کہ قضاءً جائز نہیں ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے کچھ بھی لے الّا یہ کہ اس کو دیا جا چکا ہو۔[8]

متذکرہ جزو (ب) میں مذکور قول کے بارے میں عبدالرزاق نے معمر سے اور معمر نے عبداللہ بن محمد بن عقیل سے روایت بیان کی ہے کہ ربیع بنت معوذ بن عفراء نے ان سے بیان کیا ہے کہ اس نے اپنے شوہر سے ہر اس شے کے عوض جس کی وہ مالک تھی ، خلع حاصل کیا۔ جب معاملہ حضرت عثمان کی خدمت میں لے جایا گیا تو آپ نے اس کو جائز قرار دیا۔[9]

اسی طرح جزو (ج) میں مذکور قول کے سلسلے میں حضرت علی ابن ابی طالب سے بروایت حکم بن عیینتہ منقول ہے کہ آپ نے شوہر کو اپنے دئے ہوئے سے زائد لینے سے منع فرمایا۔[10]

امام ابوحنیفہ کے نزدیک زائد لینا مکروہ ہے۔[11]

---

(۸) زادالمعاد ، ابن القیم ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۶۹ ہجری ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۵
(۹) زادالمعاد ، ابن القیم ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۶۹ ہجری ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۵
(۱۰) زادالمعاد ، ابن القیم ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۹۶ ہجری ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۵
(۱۱) زادالمعاد ، ابن القیم ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۶۹ ہجری ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۵

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مرد کا مہر سے زائد ۔ جائز ہے۔[۱۲]

امام احمد بن حنبل کا قول امام ابوحنیفہ کے مطابق ہے لیکن ان کے اصحاب میں ابوبکر زائد کو حرام خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اس عورت کو واپس دلایا جائے گا۔[۱۳]

امام محمد الشیبانی نے اپنی کتاب موطاء میں لکھا ہے کہ عورت اپنے شوہر سے جس کسی چیز کے عوض خلع کرائے قضاءً جائز ہے۔ لیکن ہمیں پسند نہیں کہ شوہر نے اپنی زوجہ کو جتنا دیا ہے اس سے زیادہ لے، خواہ نزاع عورت کی جانب سے ہو۔ اور اگر اختلاف و نزاع مرد کی طرف سے ہو تو ہمیں پسند نہیں کہ شوہر کچھ بھی لے خواہ کم ہو یا زیادہ۔ اگر کچھ لے لیا تو قضاءً درست ہوگا لیکن دیانتاً (یعنی بندہ اور خدا کے درمیان) مکروہ ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے۔[۱۴]

اسی طرح کتاب الآثار میں امام محمد نے امام ابوحنیفہ کا ایک قول بواسطۂ حماد و ابراہیم نقل کیا ہے کہ "جب ظلم مرد کی طرف سے ہو تو خلع کا معاوضہ لینا حلال نہیں"۔[۱۵]

امام کاسانی نے اپنی کتاب بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ اگر ظلم و زیادتی مرد کی طرف سے ہو تو اس کے لیے خلع کے معاوضے میں

---

(۱۲) بدایۃالمجتہد، ابن رشد، مطبوعہ مصر ۱۳۷۹ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۶۷

(۱۳) زادالمعاد، ابن‌القیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۹ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۳۵

(۱۴) موطاء امام محمد (عربی) کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی، صفحہ ۱۱۰ و مکتبہ رحیمیہ دیوبند، صفحہ ۲۵۷
احکام القرآن، جصاص، مطبوعہ مصر، جلد ۱، صفحہ ۳۹۵
عین‌الہدایہ (اردو ترجمہ ہدایہ)، مطبوعہ نول کشور لکھنو، جلد ۲، صفحہ ۲۷۰

(۱۵) کتاب الاثار، امام محمد (عربی - اردو) قرآن محل کراچی، صفحہ ۲۳۴

عورت سے کچھ بھی لینا حلال نہیں'' ۔ (یہ حکم دیانتاً ہے) ۔ لیکن اگر مرد نے معاوضہ لے لیا تو قضاءً درست ہوگا ۔[16]

وجۂ اختلاف:

خلع میں معاوضہ کی مقدار کے سلسلے میں جو مختلف آثار و اقوال ملتے ہیں اس کی بنیاد یہ ہے کہ جو اصحاب خلع کے معاوضے میں اس سے زائد لینے کو جو شوہر نے دیا ہے، جائز قرار دیتے ہیں ۔ وہ آیت قرآنی '' فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ'' سے استدلال کرتے ہوئے اس کے ظاہری معنی مراد لیتے ہیں کہ قرآن نے اس سلسلے میں کمی و بیشی کی کوئی قید نہیں لگائی نیز بر بنائے قیاس وہ خلع کو ان معاملات سے مشابہ قرار دیتے ہیں جن میں معاوضہ ادا کیا جاتا ہے ۔ لہذا ان کے نزدیک فریقین جس قدر معاوضہ پر رضا مند ہو جائیں ادا کیا جائے گا ۔ چنانچہ اگر مرد نے عورت کو جتنا دیا اس سے زائد کا مطالبہ کرے اور عورت اس پر راضی ہو تو یہ جائز ہوگا ۔ لیکن فقہاء زائد لینے سے منع کرتے ہیں ۔ وہ ابی الزبیر کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جب ثابت بن قیس بن شماس نے اپنی زوجہ کو خلع دینے کا ارادہ کیا اور رسول اللہ صلعم نے اس کی بیوی سے دریافت فرمایا کہ کیا تو اپنے شوہر کا باغ لوٹا دے گی ؟ تو اس نے جواب دیا '' ہاں اور کچھ زیادہ بھی'' تو رسول اللہ نے '' امّا الزیادۃ فلا'' کہہ کر زیادہ دینے سے منع فرمایا ۔[17]
دراصل معاوضہ کا تعین حالات مقدمہ کے تحت کیا جا سکتا ہے ۔

(۱۶) بدائع الصنائع، امام کاسانی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۱۵۰۔
موطاء امام محمد (عربی) کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی، صفحہ ۲۵۱ و مکتبہ رحیم دیوبند صفحہ ۲۵۷

(۱۷) دارقطنی نے لکھا ہے کہ ابوالزبیر نے اس حدیث کو متعدد اشخاص سے سنا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہیں ۔ (زادالمعاد، ابن القیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۹ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۳۵)

اور عدالت دفع ظلم کی غرض سے اس کی مناسب مقدار خود مقرر کر سکتی ہے ۔[18]

عوض خلع کی نوعیت

۱۱۴ ۔ ہر وہ شے جو شرعاً مہر ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے اور مہر میں دی جا سکتی ہے خلع کا معاوضہ ہونے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے ۔

تشریح

خلع کا معاوضہ ہر وہ شے ہو سکتی ہے جو مہر میں دی جا سکتی ہے کیونکہ جو مال ملک نکاح کا معاوضہ ہوتا ہے وہ اس چیز کا معاوضہ بدرجہ اولیٰ ہوسکتا ہے جو متقوم (قیمتی) نہ ہو جیسے زوال ملک نکاح ۔[19]

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ضروری ہے کہ معاوضہ خلع اپنی صفت اور وجوب کے اعتبار سے معلوم ہو ۔ لیکن امام مالک کے نزدیک مجہول اور معدوم شے بھی خلع کا عوضِ قرار پا سکتی ہے ۔[20] اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک معاوضۂ خلع عوض بیع کے مشابہ ہے اس لیے جو شرائط بیع اور عوض بیع کے سلسلے میں ہوتی ہیں ان کا لحاظ معاوضہ خلع کے سلسلے میں بھی کیا جائے گا لیکن امام مالک کے نزدیک معاوضہ خلع کی حیثیت شے ٔ موہوبہ یا موصی بہا کی ہے اس لیے اس کا موجود ہونا شرط نہیں ۔

امام مالک کے معاوضۂ خلع کو عوض بیع سے ممتاز کرنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ قرآن پاک نے معاوضہ خلع کے لیے فدیہ کا لفظ استعمال

---

(۱۸) سعیدہ خانم بنام محمد سمیع، پی ایل ڈی، لاہور، ۱۹۵۹ع، صفحات ۵۶۶-۸۲

(۱۹) فتح القدیر، ابن ہمام، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۲۰۷
مجمع الانہر، داماد آفندی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۱، صفحہ ۴۴۸
بحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۴، صفحہ ۸۲

(۲۰) بدایۃ المجتہد، ابن رشد، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۹ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۶۸-۶۷

کیا ہے جو عوض بیع کا قائم مقام نہیں ہو سکتا ۔ لیکن خلع کے مضمرات کا اندازہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ معاوضہ خلع کا موجود ہونا شرط ہونا چاہئے چنانچہ اس ضمن میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی علیہما الرحمۃ کا نقطۂ نظر قرین صواب معلوم ہوتا ہے ۔

اگر شوہر اپنی بیوی کو شراب یا خنزیر یا کسی اور حرام شے کے بالعوض ''خلع'' دے تو ایسی صورت میں عورت پر معاوضہ واجب ہوگا یا نہیں ؟ چنانچہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی[۲۱] ۔ قدوری[۲۲] ، ہدایہ[۲۳] ، فتح القدیر[۲۴] اور شرح وقایہ[۲۵] میں لکھا ہے کہ بیوی پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی ۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک عورت سے مہر مثل دلایا جائے گا ۔[۲۶] لیکن اگر شوہر حرام شے کے عوض اپنی بیوی کو طلاق دے تو ایسی صورت میں عورت کے ذمہ معاوضہ واجب نہ ہوگا اور طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ پہلی صورت میں خلع کا لفظ طلاق بالکنایہ کے سبب طلاق بائن کے حکم میں ہوگا جب کہ دوسری صورت میں طلاق کا لفظ صریح ہے، اس لیے طلاق رجعی واقع ہوگی ۔ اصول یہ ہے کہ اگر ''خلع بالعوض'' ہو اور کسی بناء پر عوض خلع باطل ہو جائے تو خلع باطل نہ ہوگا بلکہ طلاق بائن ہو جائے گی لیکن اگر ''طلاق بالمال'' ہو اور کسی بناء

---

(۲۱) بدایۃ المجتہد، ابن رشد ، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۹ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۶۸

(۲۲) المختصرالقدوری، مطبوعہ قرآن محل کراچی ، کتاب الخلع ، صفحہ ۱۶۴

(۲۳) عین الہدایہ ، (اردو ترجمہ ہدایہ) مطبوعہ نولکشور ، جلد ۲ ، کتاب الطلاق، صفحہ ۲۷۱

(۲۴) فتح القدیر ، ابن ہمام ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۳ ، صفحہ ۲۰۶

(۲۵) شرح وقایہ ، مطبوعہ دہلی ، ۱۹۲۷ع ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۴

(۲۶) بدایۃ المجتہد، ابن رشد ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۷۹ ہجری، جلد ۲ ، صفحہ ۱۲۴

پر معاوضہ طلاق باطل ہو جانے تو طلاق رجعی واقع ہوگی[۲۷] ۔ اور ایسی صورت میں مرد کو دوران عدت رجوع کا حق حاصل ہوگا ۔ اسی طرح فاسد شرطیں لگانے سے بھی خلع باطل نہیں ہوتا ۔[۲۸]

طلاق بالخلع بلا ذکر عوض

۱۱۵ ۔ اگر کوئی شوہر بلا ذکر عوض طلاق بالخلع دے تو زوجہ کا حق مہر ساقط نہ ہوگا ۔

تشریح

اگر شوہر نے اپنی زوجہ سے کہا ''میں نے تجھے خلع دیا'' مگر معاوضے کا کوئی ذکر نہ کیا اور عورت نے قبول کیا تو ظاہر الروایت میں ہے کہ عورت کا حق مہر ساقط نہ ہوگا لیکن محیط میں ہے کہ (اس وقت تک) جو کچھ مہر عورت نے وصول کر لیا ہے وہ اس کا رہے گا ' لیکن جو مہر شوہر کے ذمہ باقی تھا وہ ساقط ہو جائے گا ۔[۲۹]

البتہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ اگر مرد نے عورت سے عوض کا ذکر کیے بغیر خلع کیا تو زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کے حقوق سے بری الذمہ ہو جائے گا ۔ اگر عورت مہر لے چکی ہے تو وہ مہر شوہر کو واپس کرنا ہوگا کیونکہ خلع کا ذکر ہی عرفاً مال کے ذکر کے ساتھ تصور کیا جاتا ہے ۔[۳۰]

---

(۲۷) فتح القدیر ' ابن ہمام ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۵۶ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۲۰۶ -
مجمع الانہر ' داماد آفندی ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۲۸ ہجری ' جلد اول '
صفحہ ۴۴۸

(۲۸) عین الہدایہ (اردو ترجمہ ہدایہ) مطبوعہ نول کشور ' لکھنو ' جلد ۲ ' صفحہ ۲۷۳
بحرالرائق ' ابن نجیم ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۱۱ ہجری ' جلد ۴ ' صفحہ ۸۷

(۲۹) عین الہدایہ (اردو ترجمہ ہدایہ) مطبوعہ نول کشور ' لکھنو ' جلد دوم '
صفحہ ۲۷۸
بحرالرائق ' ابن نجیم ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۱۱ ہجری ' جلد ۴ ' صفحات ۸۴-۹۸
فتح القدیر ' ابن ہمام ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۵۶ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۲۱۹

(۳۰) فتاوی عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کان پور ' جلد ۲ ' صفحہ ۱۲۱

مگر خلع کے لفظ سے بلا ذکر عوض طلاق دینا طلاق کنایہ کا حکم رکھتا ہے اس لیے زوجہ کے ذمہ بلا رضا مندی عوض کیوں کر واجب ہو سکتا ہے ؟ اور نہ ہی اس کا حق ساقط ہونا چاہئے۔

خلع کا جواز

۱۱۶۔ اگر عدالت کو اس امر کا اطمینان ہوگیا ہو کہ زوجین شدید ناچاقی کے سبب باہمی معاشرت میں احکام خداوندی کی پابندی نہ کر سکیں گے تو شوہر کو خلع کا حکم دے گی؛

مگر شرط یہ ہے کہ اگر قصور مرد کا پایا جائے گا تو عدالت بلا معاوضہ تفریق کرا دے گی:

مزید شرط یہ ہے کہ اگر قصور عورت کا ہو یا دونوں میں سے کسی کا نہ ہو مگر حالات خلع کے متقاضی ہوں تو شوہر کو عورت سے مناسب معاوضہ دلوایا جائے گا۔

تشریح

خلع کے جواز کے سلسلے میں پانچ اقوال ملتے ہیں :

(۱) یہ کہ خلع اصلاً جائز نہیں۔

(۲) یہ کہ خلع ہر حال میں جائز ہے خواہ ضرر کے ساتھ ہو۔

(۳) یہ کہ خلع جائز نہیں الا یہ کہ مرد عورت کو زناکار پائے۔

(۴) یہ کہ خلع جائز نہیں الا یہ کہ یہ خوف دامن گیر ہو کہ زوجین حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔

(۵) یہ کہ خلع ہر حال میں جائز ہے الا اس صورت میں جب کہ خلع سے ضرر ہو۔ آخری قول مشہور ہے۔[۳۱]

خلع کی بنیاد اور اس کے جواز کی دلیل قرآن پاک کی آیت ''فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلاجناح علیہما فیما افتدت بہ'' ہے یعنی اگر تم ڈرو

(۳۱) بدایۃالمجتہد، ابن رشد، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۹ ھجری، جلد ۲، صفحہ ۶۸

کہ وہ دونوں (زوجین) اللہ کی حدود کو قایم نہ رکھ سکیں گے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اس میں کہ عورت بدلہ دے کر چھوٹ جائے ۔[۳۲]

اس آیت میں بیان کردہ حدود اللہ سے مراد باہمی معاشرت کے احکام ہیں ۔ طاؤس کا بھی یہی قول ہے ۔[۳۳]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر شوہر اور بیوی میں ایسی بے زاری ہو کہ باہمی الفت اور موافقت کے ساتھ ان کی گزر مشکل ہو تو عورت مرد کو معاوضہ دے کر خلع حاصل کر سکتی ہے مگر مرد کے لیے معاوضہ صرف اسی صورت میں روا ہے جب کہ کسی طرح دونوں میں موافقت ممکن نہ ہو اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ زوجین باہمی معاشرت میں شدت مخالفت کے سبب احکام خداوندی کی پابندی نہ کر سکیں گے لیکن اگر مرد کی طرف سے زوجہ کے حقوق کی ادائی میں قصور پایا جائے تو مرد کے لیے معاوضہ لینا ممنوع ہے ۔

اس آیت سے ایسی حالت میں خلع کا جواز ثابت ہے جب زوجین میں ایسی نااتفاقی پائی جائے کہ باہمی معاشرت محال ہو ۔ چنانچہ داؤد بن علی الظاہری کے نزدیک خلع صرف اس صورت میں جائز ہے جب شوہر اور بیوی دونوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے ۔[۳۴] اور یہی مسلک ظاہریہ فرقے کا ہے ۔[۳۵] لیکن نعمان کا خیال ہے کہ

---

(۳۲) قرآن پاک ، سورۃ البقرۃ آیت ، ۲۲۹ ۔

(۳۳) ''وقال طاؤس الا ان یخافا ان لا یقیما حدود اللہ فیما افترض لکل واحد منہما علی صاحبہ فی العشرۃ والصحبۃ'' (صحیح بخاری (عربی) کارخانہ تجارت کتب ، جلد ۲ ، صفحہ ۷۹۴

احکام القرآن ، جصاص ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۳۵ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۹۱

فتح القدیر ، ابن ہمام ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۹۹

(۳۴) ''وقال داؤد : لا یجوز الا بشرط الخوف ان لا یقیما حدود اللہ'' (بدایۃ المجتہد ، ابن رشد ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۷۹ ہجری ، جلد ۲ ، صفحہ ۶۸)

(۳۵) فتح القدیر ، ابن ہمام ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۹۹

خلع بوجہ ضرر پہنچانے کے جائز ہو گا۔[36] ابن رشد لکھتے ہیں کہ خلع کا فلسفہ یہ ہے کہ خلع عورت کے اختیار میں اس لیے رکھا گیا ہے کہ مرد کے اختیار میں طلاق ہے۔ چنانچہ جب عورت کو مرد کی طرف سے کوئی تکلیف ہو تو اس کے اختیار میں خلع ہے اور جب مرد کو عورت کی طرف سے تکلیف ہو تو شرع نے اسے طلاق کا اختیار دیا ہے۔[37]

مفسرین قرآن کی تشریحات

تفسیر قرطبی :

علامہ قرطبی نے اپنی مشہور تفسیر ''الجامع الاحکام القرآن'' میں لکھا ہے کہ قرآن پاک میں ''الا ان یخافا الا یقیما حدوداللہ'' کے ذکر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا کہ شوہر عورت سے حق کا کچھ بھی معاوضہ لے الا یہ کہ اس امر کا خوف ہو کہ وہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔'' اور تحریم کو اس شخص کے واسطے جو حد سے تجاوز کرے، وعید (خوف سزا) کے ذریعہ سخت بنا دیا ہے اور (اس آیت کے) یہ معنی ہیں کہ زوجین میں سے ہر ایک اپنے دل میں یہ غور کرے کہ کیا وہ عورت اپنے شوہر کے حقوق زوجیت کو اس طور پر قائم رکھ سکے گی جو وہ اس پر (بر بنائے نکاح) واجب ہوتے ہیں اور جس کو وہ عورت اپنے خیال میں نا خوشگوار سمجھتی ہے؟ (پس اگر ایسا ہے تو عورت کے لیے کوئی قباحت نہیں کہ وہ شوہر کو فدیہ دے اور نہ ہی شوہر کے لیے اس میں کوئی قباحت ہے کہ عورت سے (معاوضۂ خلع) لے۔ اس آیت میں خطاب زوجین سے ہے اور

---

(۳۶) ''یجوز الخلع مع الاضرار'' (بدایۃ المجتہد، ابن رشد، مطبوعہ مصر، ۱۳۴۹ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۶۸)

(۳۷) بدایۃ المجتہد، ابن رشد، مطبوعہ مصر، ۱۳۴۹ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۶۸

''ان یخافا'' میں ضمیر ان دونوں کے لیے ہے ''الا یقیما'' مفعول ہے اور ''خفت'' مفعول واحد کی طرف متعدی ہے یعنی ایک مفعول کو چاہتا ہے۔ پھر کہا گیا ہے کہ یہ خوف علم کے معنی میں ہے یعنی وہ دونوں یہ جانتے ہوں (یا سمجھتے ہوں) کہ وہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکیں گے اور یہ حقوق خوف کے ذریعے ہوتا ہے جو ناخوشگوار امر کے وقوع کا خوف دلاتا ہے اور یہ خوف ''ظن'' کے معنی کے قریب ہے پھر کہا گیا ''الا ان یخافا'' ی پیش کے ساتھ جس کے فاعل کا نام نہیں لیا گیا اور اس کا فاعل محذوف ہے اور وہ ''ولاۃ'' (ولی الامر) اور حکام ہیں اور اس تعبیر کو ابو عبیدہ نے اختیار کیا ہے (چنانچہ) ابو عبیدہ نے کہا کہ خدائے عزوجل کا قول ''فان خفتم'' زوجین کے علاوہ دوسرے لوگوں کو (اس) خوف میں مبتلا کر دیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ زوجین کا ارادہ کرتا یعنی اس سے زوجین کا ذاتی خوف مقصود ہوتا تو اللہ تعالیٰ ''فان خافا'' فرماتا ، اور یہ امر اس کی دلیل ہے کہ خلع سلطان کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول ''فان خفتم الایقیما'' یا علی ان لایقیما حدود اللہ جس میں کہ دونوں پر حسن معاشرت واجب ہے اور اس آیت میں خطاب حکام اور متوسطین (درمیان کے لوگ) مثلاً حکم وغیرہ سے ہے مثلاً اس معاملہ میں جو لوگ پڑے ہوئے ہوں خواہ وہ حاکم نہ ہوں۔ حدود اللہ قائم رکھنے کو ترک کرنا عورت کا اپنے شوہر کے حقوق (کی ادائی) میں کمی کرنا ہے اور یا اس کی عدم اطاعت ہے . . . . . اس قول کو ابن عباس مالک ابن انس اور جمہور فقہاء نے بیان کیا ہے اور جس میں ابی الحسن اور ان کے ساتھ ایک جماعت کا قول ہے کہ ''کہ جب عورت (شوہر سے) یہ کہے کہ میں تیرے حکم کی پیروی نہیں کرتی اور میں تیرے واسطے

غسل جنابت نہیں کروں گی اور میں تیری کسی بات کو بھی پورا نہ کروں گی تو خلع جائز ہو جائے گا اور امام شعبی نے کہا ہے کہ ''الا یقیما حدود اللہ'' کے معنی ''الالیطیعا اللہ'' نہیں ہیں اور یہ باہمی بغض، عداوت اور ترک طاعت کی طرف دعوت دیتی ہے اور عطاء ابن ابی رباح نے کہا کہ خلع اس وقت جائز ہوجائے گا جب کہ عورت اپنے شوہر سے یہ کہے کہ میں تجھ سے نفرت کرتی ہوں، تجھ سے محبت نہیں کرتی اور مثل اس کے، تو ان پر کوئی گناہ نہیں اگر عورت اس (خلع) کے معاوضے میں (شوہر کو) فدیہ دے۔''[۳۸]

تفسیر بیضاوی :

''اور نہیں ہے حلال تمہارے واسطے کہ تم لو کچھ بھی اس چیز میں سے جو دیا ہو تم نے اپنی عورتوں کو یعنی مہروں میں سے۔ روایت کی گئی ہے کہ جمیلہ اپنے شوہر ثابت بن قیس سے بغض رکھتی تھی۔ پس وہ رسول اللہ کے پاس آئی اور کہا کہ نہ میں ہوں اور نہ ثابت (یعنی یا میں نہیں یا ثابت نہیں) میرا اور اس کا سر باہم کوئی شے جمع نہیں کر سکتی۔ قسم خدا کی میں عیب نہیں لگاتی ہوں اس کی دین داری میں اور نہ اخلاق میں لیکن میں اسلام میں کفر کو مکروہ جانتی ہوں۔ میں بغض کی وجہ سے اس کو برداشت نہیں کر سکتی۔ میں نے خیمے کے پردے کا ایک کونہ اٹھایا۔ میں نے اس کو دیکھا آتے ہوئے چند آدمیوں کے ساتھ، وہ سب سے زیادہ کالا تھا ان لوگوں میں سے اور سب سے زیادہ کوتاہ قد تھا اور سب سے زیادہ بد صورت تھا۔ پس (یہ آیت) نازل ہوئی۔ چنانچہ (جمیلہ نے) اپنے اس شوہر سے اس باغ کے عوض خلع کیا، جو

---

(۳۸) الجامع الاحکام القرآن، لابی عبداللہ محمد الانصاری القرطبی، الجزء الثالث القاہرہ، مطبوعہ ۱۹۳۶ع، صفحہ ۱۳۷

ثابت نے اس کو مہر میں دیا تھا ۔ یہ خطاب حکام سے ہے اور (معاوضہ) لینے دینے کی نسبت ان حکّام کی طرف اس لیے ہے کہ وہ اس لین دین کا حکم دینے والے ہیں جب کہ معاملہ ان کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور ایک قول ہے کہ خطاب ازواج سے ہے اور اس کے بعد حکّام سے۔ تو یہ (قرآن کی) قرأت مشہور پر نظم (و ترتیب) میں گڑبڑ پیدا کرتا ہے ''الا ان یخافا الزوجان'' (اگر وہ دونوں زوجین خوف کریں) اور (اس کو) بڑھا گیا ''یظنا'' اور یہ خوف بالظن کی تفسیر کو مدد پہونچاتا ہے کہ اگر وہ (زوجین) بوجہ ان احکّام کے چھوڑ دینے کے جو زوجیت نے (ان پر) واجب کیے ہیں . . . حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں بس اگر تم (یعنی حکام) اندیشہ کرو کہ وہ زوجین حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت فدیہ دے کر چھٹکارہ حاصل کرلے (یعنی مرد پر اس فدیہ کے لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے جو عورت اپنے نفس کے چھٹکارے کے لیے دے اور خلع چاہے یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ حد کا لفظ احکام کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ ان سے تجاوز نہ کرو (یعنی) ان حدوں سے مخالفت کے ذریعہ تجاوز نہ کرو اور جنھوں نے اللہ کی حدوں سے تجاوز کیا وہ ظالم ہیں۔ مخالفت کے ساتھ سزا کا خوف دلانا تھدید میں مبالغہ کے طور پر (آیا) ہے اور جاننا چاہئے کہ ظاہر آیت (اس امر پر) دلالت کرتی ہے کہ خلع زوجین کے درمیان بغیر ناخوش‌گواری اور ناچاق کے جائز نہیں''۔

تفسیر کشاف:

امام زمخشری نے بھی تفسیر الکشاف میں ''فان خفتم الا یقیما

(۳۹) انوار التنزیل و اسرار التاویل المعروف بالتفسیر البیضاوی، مطبع مجتبائی، دھلی، مطبوعہ ۱۳۲۶ ھجری، صفحہ ۱۵۰۔

حدود اللہ'' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ''کہ اگر آپ کہیں کہ یہ خطاب ائمہ اور حکّام کے لیے ہے تو وہ نہ (فدیہ) ان عورتوں سے لینے والے ہیں اور نہ دینے والے ہیں (لیکن میں کہتا ہوں) کہ دونوں امر جائز ہیں پہلا خطاب ازواج سے اور دوسرا ائمہ اور حکام سے۔''[۳۰]

تفسیر نسفی:

امام نسفی نے اپنی تفسیر میں ''فان خفتم'' والی آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اس سے ایہا الولاۃ'' یعنی اے حکام مراد ہے اور پہلا خطاب زوجین سے ہے اور دوسرا حکام سے''۔[۳۱]

ائمہ اور فقہاء کی آراء

امام ابوحنیفہ اور شافعی کی رائے:

امام ابوحنیفہ کی نزدیک زوجین میں ایسی ناچاقی کی صورت میں کہ حدود اللہ پر قائم نہ رہ سکنے کا خوف پیدا ہوگیا ہو خلع کرانا جائز ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں چنانچہ امام شافعی ''کتاب الام'' میں لکھتے ہیں کہ ''اگر شوہر نے کہا کہ میں اپنی زوجہ کو جدا نہیں کروں گا اور نہ اس کے ساتھ عدل کروں گا تو اس کو زوجہ کے ساتھ عدل کرنے پر مجبور کیا جائے گا لیکن زوجہ کو جدا کرنے کے لیے اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔[۳۲]

---

(۳۰) ''فان خفتم الا یقیما حدوداللہ و ان قلت لائمۃ والحکام فھولاء لیسوا بآخذین منھن ولا بمؤتیھن (قلت) یجوز الامران جمیعا ان یکون الاول الخطاب لازواج و آخرہ لائمۃ والحکام'' (الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، امام محمود بن عمر الزمخشری (متوفی ۵۲۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۵۴ ہجری، صفحہ ۱۳۹)

(۳۱) ''فان خفتم'' ایھا الولاۃ: وجاز ان یکون اول الخطاب لازواج و آخرہ للحکام (مدارک التنزیل و حقائق التاویل المعروف بہ تفسیر نسفی، امام حافظ الدین عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی، (متوفی ۷۰۱ھ) مطبوعہ قاہرہ (مصر) ۱۹۳۶ع، جلد اول، صفحہ ۱۳۸)

(۳۲) ''وان قال لا افارقھا ولا اعدل اعدل لھا اجبر علی القسم لھا ولا یجبر علی فراقھا'' (کتاب الام، الجزالخامس، باب الخلع و النشوز، صفحہ ۱۷۲)

امام ابومحمد ابن حزم کی رائے :

ابن حزم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے '' کہ اگر زوجہ کو اپنے شوہر سے نشوز یا بے توجہی کا اندیشہ ہو تو ان پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ دونوں آپس میں صلح کر لیں اور صلح نیکی ہے۔ ''اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ '' اگر تم کو اندیشہ ہو کہ وہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اگر عورت فدیہ دے کر اپنے کو آزاد کرا لے۔ یہ دونوں آیتیں خلع کے بارے میں حکم قطعی رکھتی ہیں اور وہ جو خلع کو بلا اجازت سلطان منع کیا گیا ہے تو ہم نے وکیع کے طرق سے یزید بن ابراهیم التستری اور ربیع (اور وہ ابن صبیح ہے) سے روایت کی اور وہ حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ حسن بصری نے کہا کہ خلع سلطان کی موجودگی کے سوائے نہیں ہوتا۔ اور حجاج بن منہال کی سند سے حماد بن زید نے یحییٰ (اور وہ ابن عتیق ہے) سے حدیث بیان کی کہ اس نے محمد بن سیرین کو کہتے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ خلع سوائے سلطان کی موجودگی کے جائز نہیں۔ پس خلع جائز نہ ہوگا یہاں تک کہ مرد پہلے عورت کو وعظ و نصیحت کرے اگر مان جائے تو خیر ورنہ زد و کوب کرے، اس سے مان جائے تو خیر ورنہ دونوں اپنا معاملہ سلطان کے پاس لے جائیں پس چاہئے کہ وہ ایک حکم زوجہ کے خاندان سے اور ایک حکم شوہر کے خاندان سے مقرر کرے۔ اور ان میں سے ہر ایک معاملہ سلطان کے سامنے پیش کریں جو کچھ وہ حکم اپنے صاحب سے سنیں۔ اور اگر وہ حاکم مناسب سمجھے تو تفریق کر دے اور اگر مناسب سمجھے تو (زوجین کو) اکٹھا کر دے۔[۴۳] خلع کے جواز

---

(۴۳) المحلی، ابن حزم، (۴۵۶ھ) الجزالعاشر، مطبوعہ ادارہ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۵۲ ہجری، احکام الخلع، صفحہ ۲۳۷

کے سلسلہ میں ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی کے خلع کا واقعہ ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس واقعہ کو خلع کے جواز میں اکثر محدثین نے بیان کیا ہے چنانچہ امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ ثابت بن قیس کی زوجہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: ” یا رسول اللہ! میں ثابت بن قیس کے نیک برتاؤ اور خوبی دین میں کچھ عیب نہیں لگاتی لیکن حالت اسلام میں کفر (ناشکری) کو برا جانتی ہوں“۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ” کیا تو اس کا باغ واپس کر دے گی؟ “ اس نے کہا ” ہاں! “ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس سے فرمایا ” کہ باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دے دو “۔[۳۴]

امام بخاری نے اس حدیث میں دوسری جگہ ” طلقہا تطلیقۃ “ کے بجائے ”امرہ ففارقہا“ کے الفاظ بیان کیے ہیں۔ نیز ثابت بن قیس کی بیوی کے بھی دو نام آتے ہیں۔ عکرمہ نے بیان کیا کہ اس کا نام جمیلہ تھا۔[۳۵] حضرت عائشہ کی روایت میں حبیبۃ بنت سہل لکھا ہے جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔[۳۶] بعض حدیثوں میں ” حدیقتین “ یعنی دو باغوں کا ذکر آیا ہے۔ اور ابو الزبیر کی حدیث میں یہ بھی آیا

---

(۳۴) ”حدثنا از ہربن جمیل حدثنا عبدالوہاب الثقفی و حدثنا خالد عن عکرمۃ عن ابن عباس امرأۃ ثابت بن قیس اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت: یا رسول اللہ ثابت بن قیس ما اعتب علیہ فی خلق ولا دین ولکنی اکرہ الکفر فی الاسلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اتردین علیہ حدیقتہ؟ قالت نعم، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل الحدیقۃ و طلقہا تطلیقۃ“ (صحیح بخاری کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱۳۵۷ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۹۵ - ۹۳

(۳۵) صحیح بخاری، (عربی) کارخانہ تجارث کتب کراچی، جلد ۲، صفحات ۹۵-۹۴

(۳۶) سنن ابوداؤد، (عربی) کارخانۂ تجارت کتب کراچی، کتاب الطلاق، صفحہ ۳۰۳

ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی نے باغ کی واپسی پر آمادگی کے ساتھ کچھ زیادہ دینے کو کہا تو حضور صلعم نے ''اما الزیادۃ فلا'' کہہ کر صرف باغ ہی لوٹانے کو فرمایا اور زیادہ دینے سے منع فرما دیا۔

ابو داؤد نے اپنی سنن میں حضرت عائشہ کی روایت سے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ حبیبہ بنت سہل، ثابت بن قیس بن شماس کے نکاح میں تھی۔ ثابت نے حبیبہ کو مارا اور اس کا کوئی عضو ٹوٹ گیا۔ حبیبہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور زید کی اس بارے میں شکایت کی۔ آپ نے ثابت کو بلایا اور فرمایا ''کہ حبیبہ کے مال میں سے کچھ لے کر اس کو چھوڑ دے''۔ ثابت بن قیس نے دریافت کیا ''یا رسول اللہ کیا یہ درست ہوگا؟'' ''آپ نے فرمایا'' ہاں! ''اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے اس کو دو باغ دیے ہیں اور وہ اس کے قبضے میں ہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا '' ان باغوں کو لے لو اور حبیبہ کو چھوڑ دو '' چنانچہ ثابت نے ایسا ہی کیا۔[۴۷]

اس حدیث کو نسائی نے ربیع بنت معوذ بن عفرا کی روایت سے بیان کیا کہ ثابت بن قیس کی بیوی کا نام جمیلہ بنت عبداللہ تھا اور اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا اور رسول اللہ صلعم کے پاس شکایت کرنے اس کا

(۴۷) ''حدثنا محمد بن معمر نا ابو عامر عبدالملک بن عمر و نا ابو عمرو السدوسی المدینی عن عبداللہ بن ابی بکر بن حزم عن عمرۃ عن عائشۃ ان حبیبۃ بنت سہل کانت عند ثابت بن قیس بن شماس فضربہا فکسر بعضہا فاتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الصبح فاشتکتہ الیہ فدعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابتا فقال خذ بعض مالہا وفارقہا فقال و یصلح ذلک یا رسول اللہ قال نعم قال اصدقتہا حدیقتین و ہما بیدہا فقال رسول اللہ صلی اللہ وسلم خذہما فارقہا ففعل۔'' سنن ابو داؤد (عربی)، مطبوعہ ولی محمد اینڈ سنز (کارخانہ تجارت کتب، کراچی کتاب الطلاق، صفحہ ۳۰۳

بھائی گیا تھا۔ اس روایت میں باغ کی واپسی کا ذکر نہیں بلکہ خلع پانے والی عورت کے لیے (نکاح ثانی کے لیے) ایک حیض تک ٹھہرنے کا حکم پایا جاتا ہے اور غالباً اسی لیے نسائی نے اس حدیث کو ''عدۃ المختلعۃ'' کے باب میں بیان کیا ہے۔[۴۸]

ابن ماجہ کی بیان کردہ ایک حدیث میں عورت کا نام جمیلہ بنت سلول درج ہے۔ اور دوسری حدیث میں حبیبہ بنت سہل کا نام بھی ملتا ہے اور اس حدیث میں صاف الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی حبیبہ بنت سہل نے اپنی کراہت کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ خدا کی قسم اگر مجھے خدا کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کے منہ پر تھوک دیتی۔[۴۹]

اس واقعہ سے متعلق کتب احادیث میں بعض دیگر روایتیں بھی ملتی ہیں اور محدثین نے ان پر اظہار خیال کیا ہے، جن کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی کو فی الاصل اپنے شوہر کے ظلم یا بدسلوکی کی شکایت نہ تھی اور نہ کسی ضرر کا اندیشہ تھا اور نہ ہی اس سے کسی قسم کی اخلاقی پستی کی شکایت تھی بلکہ اس کی بیوی (جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ بہت خوب صورت تھی) کے دل میں اپنے شوہر کی بدصورتی یا کوتاہ قامتی کے سبب اس سے فوری شدید نفرت پیدا ہوگئی۔ ہوسکتا ہے کہ جب رات کو ثابت اس

---

(۴۸) ''ابو علی محمد بن یحیی المروزی قال اخبرنی شاذ ان بن عثمان اخو عبدان قال ثنا ابی قال ثنا علی بن المبارک عن یحیی بن ابی کثیر قال اخبرنی محمد بن عبدالرحمٰن ان الربیع بنت معوذ بن عفراء اخبرته ان ثابت بن قیس بن شماس ضرب امرأته فکسر یدها وھی جمیلة بنت عبداللہ بن ابی فاتی اخوھا یشتکیه الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فارسل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الی ثابت فقال له خذالذی لها علیک وخل سبیلها قال نعم فامرها رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان تتربص حیضة واحدةفتلحق باھلها۔'' (نسائی (عربی)، کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی، کتاب الطلاق، صفحہ ۹۳)

(۴۹) ''واللہ لولا مخافة اللہ اذا دخل علیَّ لبسقت فی وجھه۔''

کے پاس آیا ہو دو اس کی بیوی نے انکار یا مزاحمت سے کام لیا ہو اور اس بناء پر ثابت نے اس کو زد و کوب بھی کیا ہو اور اس کا کوئی عضو ٹوٹ گیا ہو کیونکہ " بعدالصبح " کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رات میں پیش آیا ۔ کیونکہ ابن ماجہ نے ثابت کے منہ پر تھوکنے والی روایت میں " اذا دخل علیّ " کے الفاظ استعمال کیے ہیں ۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ "علی الصبح رسول اللہ اپنے گھر سے نکلے تو حبیبہ کو باہر کھڑا پایا ۔

بہر کیف ثابت بن قیس کی بیوی اس کے نکاح میں رہنے کے لیے آمادہ نہ تھی اور حضور صلعم کو اس امر کا اطمینان ہوگیا تھا کہ عورت اپنے شوہر سے اس قدر متنفر اور بے زار ہے کہ اگر ان میں خلع نہ کرایا گیا تو وہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے ۔ اور یہی وہ صورت ہے جو قرآن میں مذکور ہے ۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن کی مذکورہ بالا آیت "فان خفتم الایقیما حدود اللہ الخ"[50] اسی سلسلے میں نازل ہوئی اور نہ اسلام میں سب سے پہلا خلع تھا ۔

عام حالات میں خلع کی ممانعت :

ترمذی نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جس عورت نے بھی اپنے شوہر سے بغیر کسی معقول عذر اور مجبوری کے خلع حاصل کیا اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے ۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ بہشت کی خوشبو نہ پائے گی ۔[51]

ان روایات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ خلع کی اجازت اور جواز شدت ضرورت کے وقت ہے ۔

(۵۰) سورۃ البقر ، آیت ۲۲۹

(۵۱) "عن رسول‌اللہ صلی علیہ وسلم قال ایما امرأۃ سالت زوجھا طلاقاً من غیر باس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ ۔" (لم ترح رائحۃ الجنۃ) ، ترمذی (عربی) کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی ، کتاب‌الطلاق ، صفحہ ۱۹۱

خلع اور حکم عدالت :

امام بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلع کو جائز کہا ہے اگرچہ وہ سلطان کے سامنے نہ ہو عام علماء کے نزدیک بھی خلع کے جائز ہونے کے لیے سلطان (حاکم وقت) کا موجود ہوتا شرط نہیں۔ امام کاسانی نے بھی اسی نظریہ کو صحیح لکھا ہے۔[۵۲] احناف، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عثمان کا بھی یہی مسلک بیان کیا جاتا ہے۔ قاضی شریح، زہری اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ ابن قدامہ مقدسی نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ چونکہ خلع عقد معاوضہ ہے لہذا جس طرح نکاح اور قطع عقد باہمی رضا مندی سے ہوتا ہے اور جس طرح ایسے دوسرے عقود میں حاکم کی موجودگی شرط نہیں ہے اسی طرح خلع میں بھی شرط نہیں ہے۔[۵۳]

لیکن فقہاء کے نزدیک خلع کے لیے حاکم وقت کی موجودگی ضروری نہ ہونے کا صرف یہ مطلب لیا جائے گا کہ فریقین باہمی خلع کرنا چاہیں تو اس کے جواز کے لیے حکم حاکم یا قاضی کی شرط نہیں۔ چنانچہ اگر فریقین باہمی رضا مندی سے علیحدگی اختیار کرنا چاہیں تو اس کو فقہی اصطلاح میں ''مبارات'' کہا گیا ہے جو خلع کے حکم میں ہے۔ لیکن اگر فریقین میں ناچاقی ہو تو اس کا فیصلہ کہ وہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے اور خلع کرنا چاہئے کوئی تیسرا شخص ہی کر سکتا ہے اور ایسی صورت میں خلع عدالت کے ذریعہ کرایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اگر عورت رشتہ زوجیت کو منقطع کرنا چاہے اور مرد کو اس کا بدل دینے کے لیے آمادہ ہو تو اسلام مذکورہ شرائط کے ساتھ

---

(۵۲) بدائع الصنائع، امام کاسانی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۱۴۵

(۵۳) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۷، صفحہ ۵۷

عورت کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ حاکم وقت یا اس کی قائم کردہ عدالت میں حاضر ہو کر استغاثہ پیش کرے اور بذریعہ عدالت شوہر سے خلع حاصل کرے ۔ قرآن کی آیت ''فان خفتم الا یقیما حدود اللہ'' اور ثابت بن قیس کو رسول کریم کا حکم دینا کہ تم اپنا باغ (یا دو باغ) واپس لے لو اور زوجہ کو طلاق دے دو ، اس امر کا بین ثبوت ہے کہ زوجین میں ناچاق کی صورت میں عورت کی درخواست پر خلع کرانا عدالت کا فرض ہے جبکہ وہ اس پر مطمئن ہو جائے کہ فریقین کے لیے باہمی معاشرت میں احکام خداوندی کی پابندی کرنا ممکن نہیں ہے ۔ ثابت بن قیس کے معاملے میں رسول کریم کا فیصلہ یقیناً اسلام کے سب سے پہلے قاضی کی حیثیت میں تھا ۔

بلاد اسلامیہ میں خلع کے متعلق قوانین

متحدہ عرب جمہوریہ (مصر) کا قانون :

مصر میں خلع کے موضوع پر کوئی قانون موضوعہ موجود نہیں ہے ۔ البتہ حسب احکام دفعہ ۲۸۰ قانون نمبر ۳۱ بابت ۱۹۱۰ع اس کے لیے عام حنفی قانون کے مطابق عمل درآمد کیا جاتا ہے چنانچہ، مجموعۃ الاحکام الشرعیہ کی حسب ذیل دفعات ۲۷۳ تا ۲۷۸ اس موضوع پر ملتی ہیں :

۲۷۳- اگر زوجین میں نا اتفاق ہو اور وہ خوف کریں کہ یہ حقوق زوجیت اور اس کے موجبات ادا کرنے سے قاصر رہیں تو نکاح صحیح میں طلاق اور خلع جائز ہوگا ۔

۲۷۴- خلع کی صحت کے لیے شرط ہے کہ خلع دینے والا شوہر طلاق واقع کرنے کا اہل ہو اور خلع لینے والی عورت اس کی محل ہو ۔

۲۷۵- خلع میں عوض شرط نہیں ہے لہٰذا اس کے ساتھ یا بغیر خلع

واقع ہو جائے گا خواہ عورت سے صحبت ہوئی ہو یا نہیں۔

۲۷۶- شوہر کے واسطے قضاءً جائز ہوگی کہ وہ اپنی زوجہ کو اس معاوضے سے زائد پر خلع کرے جو اس نے اپنی زوجہ کو دیا ہو۔

۲۷۷- خلع سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے خواہ بعوض مال ہو یا بلا عوض مال ۔ اس میں تین طلاق کی نیت بھی درست ہوگی۔ خلع قضائے قاضی پر موقوف نہ ہوگا ۔

شام کا قانون :

شام میں خلع سے متعلق حسب ذیل قانون نافذ ہے :

۹۴- ہر طلاق رجعی واقع ہوتی ہے سوائے طلاق مکمل لثلاث ، طلاق قبل دخول اور طلاق علی المال کے ۔

۹۵- (الف) خلع کی صحت کے لیے شرط ہے کہ خلع دینے والا شوہر طلاق واقع کرنے کا اہل اور خلع لینے والی عورت اس کی محل ہو ۔

(ب) اگر عورت سن رشد کو نہ پہونچی ہو پس جب وہ خلع کی جائے تو اس پر بدل خلع لازم نہیں آتا مگر ولی مال کی موافقت سے ۔

۹۶- طرفین میں سے ہر ایک کو دوسرے کے قبول کرنے سے پہلے ایجاب سے رجوع کرنا جائز ہوگا ۔

۹۷- ہر وہ شے جس کا لزوم شرعاً صحیح ہو خلع کا معاوضہ ہو سکتی ہے ۔

۹۸- جب مہر کے علاوہ کسی اور شے پر خلع کیا جائے تو عورت پر اس کی ادائی لازم ہوگی اور خلع کرنے والے فریقین تمام حقوق سے جو مہر اور نفقہ سے متعلق ہوں بری ہو جائیں گے ۔

۹۹- جب خلع کرنے والے فریقین خلع کے وقت کسی شے کا ذکر نہ کریں تو وہ دونوں ایک دوسرے کے حق مہر اور نفقہ سے بری ہو جائیں گے۔

۱۰۰- جب خلع کرنے والے فریق صراحت کے ساتھ بالمعاوضہ خلع کی نفی کریں تو خلع پانے والی عورت طلاق محض کے حکم میں داخل ہوگی اور اس سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

عراق کا قانون خلع :

عراق میں خلع کے موضوع پر حسب ذیل قانون نافذ ہے :

۴۲- (۱) خلع قید زوجیت کے ' لفظ" خلع" یا جو اس کے ہم معنی لفظ ہو ' کے ساتھ ازالہ کا نام ہے جو ایجاب و قبول کے ذریعہ قاضی کے روبرو منعقد ہوتا ہے۔

(۲) خلع کی صحت کے لیے شرط ہے کہ خلع دینے والا شوہر طلاق واقع کرنے کا اہل اور زوجہ اس کی محل ہو۔ اور خلع سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

(۳) شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ مہر سے زائد یا کم پر اپنی زوجہ کو خلع دے۔

تیونس کا قانون خلع :

تیونس میں عام طلاق کے لیے یہ قانون ہے کہ وہ قاضی کے حکم کے بغیر نہیں ہوتی لیکن اگر فریقین راضی ہوں تو اس صورت کو حکم قاضی سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔

مراکش کا قانون خلع :

مراکش میں خلع کے موضوع پر حسب ذیل قانون نافذ ہے :

۶۱۔ زوجین کے لیے جائز ہے کہ وہ خلع کے ذریعہ طلاق پر راضی ہو جائیں ۔

۶۲۔ ایک عورت جو سن رشد کو پہونچ چکی ہو خلع لے سکتی ہے۔ اگر وہ سن رشد کو نہ پہونچی ہو اور ایسی عورت کو خلع کیا جائے تو طلاق واقع ہوگی مگر اس کے ذمہ خلع کا معاوضہ ولی مال کی رضا مندی کے بغیر لازمی نہ ہوگا۔

پاکستان میں قانون خلع :

پاکستان میں خلع پر کوئی قانون موضوعہ (enacted law) موجود نہیں ۔ بنابریں عدالتوں کو اس کی تعبیر میں خاصی دشواری پیش آئی ۔

چنانچہ بمقدمہ عمر بی بی بنام محمد دین[۵۴] بہ اجلاس متفقہ جسٹس عبدالرحمن (جو بعد کو سر کے خطاب کے ساتھ مشہور ہوئے) اور جسٹس ہارنس نے قرار دیا کہ یہ نظریہ عدالت کے لیے قابل قبول نہیں کہ وہ شوہر کی مرضی کے بغیر خلع کرائے ، ساتھ ہی فاضل ججوں نے یہ بھی قرار دیا کہ تباین مزاج ، ناپسندیدگی یا نفرت کی بناء پر عدالتیں نکاح کو فسخ نہیں کر سکتیں ۔ اس مقدمہ میں عدالت ابتدائی نے اس بناء پر کہ عورت اپنے شوہر سے اس درجہ متنفر ہے کہ اس کا اپنے شوہر کے ساتھ کسی طور پر بھی سکون اور آرام کے ساتھ رہنا ممکن نہ تھا ، تنسیخ نکاح کا حکم جاری کر دیا تھا ۔

ایک اور مقدمہ سعیدہ خانم بنام محمد سمیع[۵۵] میں عدالت عالیہ لاہور نے بہ اجلاس کاملہ قائم مقام چیف جسٹس ہائی کورٹ جسٹس اے ۔ آر

---

(۵۴) Umar Bibi Vs. Mohammad Din, AIR, 1945, Lahore 51 -

(۵۵) Sayeeda Khanam Vs. Muhammad Sami, PLD 1952 Lahore 113. -

کارنیلیس (موجودہ چیف جسٹس، پاکستان) و جسٹس محمد جان اور جسٹس خورشید زمان صاحبان نے بھی اسی نقطۂ نظر کو اختیار کیا کہ تباین مزاج (incompatibility of temperament) ناپسندیدگی (dislike) بلکہ بیوی کی اپنے شوہر سے نفرت (hatred) اسلامی قانون کے تحت طلاق کے لیے جائز وجہ نہیں بن سکتی الّا یہ کہ شوہر اس پر راضی ہو۔

بعد ازاں ایک مشہور مقدمہ بلقیس فاطمہ بنام نجم الاکرام،[۵۶] میں فاضل ججان جسٹس شبیر احمد، جسٹس بی۔زیڈ۔کیکاؤس اور جسٹس مسعود احمد صاحبان نے یہ قرار دیا کہ اگر عدالت اس نتیجے پر پہنچ جائے کہ زوجین حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں تو شوہر کی رضامندی کے بغیر عدالت (بیوی سے مناسب معاوضہ شوہر کو دلوا کر) خلع کرا سکتی ہے۔ یہ نقطۂ نظر صحت پر مبنی ہے اور اسی نقطۂ نظر کو سپریم کورٹ (پاکستان) نے بمقدمہ خورشید بیگم اختیار کیا ہے۔ (پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۶۷ع سپریم کورٹ صفحہ ۹۷)۔

اہمیت خلع

۱۱۷۔ خلع کے جواز کے لیے یہ امر شرط ہے کہ شوہر طلاق واقع کرنے کا اہل اور زوجہ طلاق کی محل ہو۔

خلع کی نوعیت بہ اعتبار حکم

۱۱۸۔ خلع ایک طلاق بائن کے حکم میں داخل ہے۔

تشریح

خلع فسخ نکاح ہے یا طلاق، اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک خلع طلاق بائن کے حکم میں داخل ہے۔[۵۷] چنانچہ برہان الدین مرغینانی مصنف ہدایہ نے لکھا ہے کہ خلع کی وجہ سے عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور عورت کے

---

(۵۶) Balqis Fatima Vs. Najmul Ikram, PLD, 1959 Lahore 566 -

(۵۷) تبیین بحوالہ، فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی، کان پور، جلد دوم، کتاب الطلاق، باب فی الخلع و حکمہ، صفحہ ۱۱۸
شرح وقایہ (عربی) باب الخلع، صفحہ ۱۲۳

ذمہ مال واجب ہوگا۔[۵۸] امام شافعی کے قدیم قول کے مطابق خلع میاں بیوی میں تفریق کا موجب ہوتا ہے مگر اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (امام شافعی کے آخری قول کے مطابق خلع طلاق بائن ہے) امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی خلع سے طلاق واقع نہیں ہوتی، بشرطیکہ خلع دیتے وقت مرد طلاق کی نیت نہ کرے۔[۵۹]

طاؤس اور دارقطنی بھی یہی روایت بیان کرتے ہیں۔ عبدالرزاق سے روایت ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے اور پھر وہ اپنی بیوی کو خلع دے تو چونکہ خلع سے طلاق واقع نہیں ہوتی لہٰذا وہ خلع تیسری طلاق نہ ہوگا اور مرد اپنی سابق بیوی سے (بغیر حلالہ) دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔[۶۰]

حافظ ابن القیم نے اپنی کتاب "زادالمعاد" میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن عباس حضرت عثمان، ابن عمر اور ربیع کے نزدیک خلع فسخ ہے طلاق نہیں۔ چنانچہ امام احمد نے یحیی بن سعید، سفیان، عمرو، طاؤس سے بہ سلسلہ اسناد ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا "الخلع تفریق و لیس بہ طلاق"

(۵۸) عین‌الہدایہ، (اردو ترجمہ ہدایہ) مطبوعہ نول کشور، باب‌الخلع، صفحہ ۲۶۹
(۵۹) فتح‌القدیر، ابن ہمام، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۱۹۹
(۶۰) فتح‌القدیر، ابن ہمام، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۲۰۰
ایسی صورت میں حلالہ کے بغیر اپنی بیوی سے نکاح جدید کا نقطہ نظر بادی‌النظر میں غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس طرح چار طلاقیں ہو جائیں گی حالانکہ چار طلاقیں کسی مذہب فکر سے ثابت نہیں۔ یہ دلیل کہ خلع طلاق نہیں فسخ ہے اور قرآن پاک میں تین طلاقوں کے بعد حلالہ کی پابندی یا شرط عائد کی گئی ہے خلع اور طلاق کے لفظی فرق کے پیش نظر شاید درست ہو مگر حقیقت معنی اور مقصود کے اعتبار سے غلط قیاس پر مبنی ہے۔ قواعد فقہ کے تحت عقود میں حقائق اور معانی کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ ظاہری صورت اور الفاظ کا۔ (مؤلف)

نیز یہ کہ عبدالرزاق نے سفیان، عمرو، طاؤس کی روایت سے بیان کیا کہ ابراھیم بن سعید نے ایک شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیں اور پھر اس عورت نے اس مرد سے خلع حاصل کر لیا، سوال کیا کہ ''کیا وہ اس بیوی سے نکاح کر سکتا ھے''، ابن عباس نے جواب دیا ''ھاں!''

حافظ ابن قیم نے آگے چل کر طلاق اور خلع کے مابین فرق واضح کرتے ہوئے لکھا ھے کہ طلاق اور خلع میں تین فرق ھیں۔ ایک یہ کہ طلاق میں مرد رجوع کرنے کا زیادہ حقدار ھے جب کہ خلع میں رجوع کا کوئی ذکر نہیں۔ دوسرے یہ کہ طلاق تین کی تعداد میں شمار ہوتی ھے جب کہ خلع تعداد طلاق میں شامل نہیں اور تیسرے یہ کہ طلاق کی عدت تین حیض ھے جیسا کہ نص اور اجماع سے ثابت ھے جب کہ خلع کی عدت ایک حیض ھے جو سنت نبوی اور اقوال صحابہ سے ثابت ھے۔ . . . حافظ ابن قیم نے صحابہ اور تابعین کے چند اقوال کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ھے کہ ابن جریج نے کہا کہ مجھے عمرو بن دینار نے خبر دی کہ اس نے عکرمہ سے سنا جو ابن عباس کا غلام ھے کہ اس نے ابن عباس کو ''ما اجازہ المال فلیس بطلاق'' کہتے ہوئے سنا۔ نیز ابن جریج نے طاؤس سے روایت بیان کی کہ ''تیرا باپ نہیں دیکھتا تھا فدیہ میں طلاق کو'' یعنی مال کے عوض تفریق کو طلاق نہیں خیال کرتا تھا''۔[61]

بحرالرائق میں لکھا ھے کہ حنبلیہ کے نزدیک تفریق بالخلع فسخ ھے طلاق نہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک خلع سے مرد کے اختیار طلاق کی تعداد کے لحاظ سے کمی واقع نہ ہوگی۔[62]

---

(۶۱) زادالمعاد، ابن قیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۹۶ ھجری، جلد ۲، صفحات ۳۶-۳۵
(۶۲) بحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ دارالکتب مصر، جلد ۴، صفحہ ۷۱

بعض علماء کے نزدیک خلع سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے ان کے نزدیک شوہر اپنی بیوی کو خلع دینے کے بعد عدت کے اندر اس سے رجوع کرسکتا ہے البتہ اگر رجوع کرے گا تو اسے وہ معاوضہ واپس کرنا ہوگا جو وہ خلع کے عوض اپنی بیوی سے لے چکا ہے۔[٦٣]

لیکن صحیح نقطۂ نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلع اپنے اثر میں طلاق بائنہ کا حکم رکھتا ہے کیونکہ طلاق رجعی میں عدت کا زمانہ ختم ہونے تک نکاح باقی رہتا ہے اور مرد دوران عدت رجوع کرسکتا ہے جب کہ خلع بالبدل کا مقصد شوہر سے بالکل علیحدگی حاصل کرنا ہوتا ہے اور قطعی علیحدگی اسی وقت ممکن ہے جب خلع بالبدل اپنے حکم میں طلاق بائنہ کا اثر رکھتا ہو۔ درحقیقت ''عورت اپنے ذمہ مال کو محض اس لیے قبول کرتی ہے کہ اس کو اپنے نفس پر (کامل) قدرت حاصل ہو جائے اور یہ جب ہی ہوگا کہ وہ بائنہ ہو جائے۔[٦٤]

اس نقطۂ نظر کی تائید امام مالک کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ام بکر اسلمیة نے اپنے شوہر سے خلع کیا اور وہ دونوں اپنا معاملہ حضرت عثمان کے پاس لے گئے تو حضرت عثمان نے اسے طلاق بائن قرار دیا۔[٦٥] نیز ابن مسعود کے قول ''لا تکون تطلیقة بائنة الّا فی فدیة او ایلا''

---

(٦٣) فتح القدیر ' ابن ہمام ' مطبوعہ مصر ' ١٣٥٦ ہجری ' جلد ٣ ' صفحہ ٢٠٠

(٦٤) عین الهدایہ ' (اردو ترجمہ ہدایہ) ' طبوعہ نول کشور ' لکھنؤ ' کتاب الطلاق ' باب الخلع ' جلد ٢ ' صفحہ ٢٧٠

بدائع الصنائع ' امام کاسانی ' مطبوعہ مصر ' ١٣٢٨ ہجری ' جلد ٣ ' صفحہ ١٣٥

(٦٥) ''اخبرنا مالک اخبرنا ہشام بن عروة عن ابیه عن جمہان مولی الاسلمین عن ام الاسلمیة انها اختلعت من زوجها عبدالله بن اسید ثم اتنا عثمان بن عفان فی ذالک فقال ہی تطلیقة '' (موطاء امام محمد (عربی) ' کارخانہ تجارت کتب نور محمد ' باب الخلع ' کم یکون من الطلاق ' صفحہ ٣٥٣ و مطبوعہ دیوبند ' صفحہ ٢٥٧)

فتح القدیر ' ابن ہمام ' مطبوعہ مصر ' ١٣٥٦ ہجری ' جلد ٣ ' صفحہ ٢٠١

السنن الکبری ' بیہقی ' مطبوعہ حیدرآباد دکن ' جلد ٧ ' صفحہ ٣١٦

یعنی طلاق بائن صرف دو صورتوں میں ہوتی ہے ایک معاوضہ لے کر اور دوسرے ایلاء کی صورت میں ۔ حضرت علی سے بھی یہی مروی ہے نیز سعید ابن المسیب سے روایت ہے کہ رسول کریم (صلعم) نے خلع کو طلاق قرار دیا ہے ۔[۶۶]

امام محمد نے اپنی کتاب موطاء میں لکھا ہے کہ : ''خلع ایک طلاق بائنہ کے حکم میں ہے الآ یہ کہ اس کی نیت تین طلاقیں دینا ہو یا تین طلاق کا نام لے ۔''[۶۷] یہی قول حضرت عثمان، علی، ابن مسعود ، ابن عباس، حسن بصری ، سعید ابن المسیب ، عطاء ، شریح ، عامر ، شعبی، مجاهد ، ابو سلمه ، ابراهیم نخعی ، زهری ، اوزاعی ، سفیان ثوری ، امام ابوحنیفه ، امام مالک اور امام شافعی کا ہے ۔[۶۸]

اس ضمن میں مصنف ہدایہ نے لکھا ہے کہ : ''اس مسئلہ میں سب سے بہتر دلیل ثابت بن قیس والی حدیث ہے جس میں حضور نے 'خل سبیلها' فرما کر عورت کا راستہ چھوڑ دینے کا حکم دیا جو طلاق بائنہ کی دلیل ہے ۔''[۶۹]

چنانچہ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ خلع ایک طلاق بائن کے حکم میں داخل ہے ۔[۷۰]

---

(۶۶) فتح القدیر، ابن ہمام، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، جلد ۳، صفحہ ۲۰۱

(۶۷) موطاء ، امام محمد (عربی) مطبوعہ دیو بند، صفحہ ۲۵۷ اور مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد ، کراچی ، باب الخلع لم یکون من الطلاق ، صفحہ ۲۵۳

(۶۸) عین الهدایہ (اردو ترجمہ ہدایہ) مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ، جلد دوم ، صفحہ ۲۷۰

(۶۹) عین الهدایہ (اردو ترجمہ ہدایہ) مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ، جلد دوم ، صفحہ ۲۷۰

(۷۰) بحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ دارالکتب العربیہ ، جلد ۴ ، صفحہ ۷۱

مبارات

۱۱۹۔ مبارات ایسی طلاق کہلاتی ہے جو زوجین کی باہمی رضامندی سے ہوتی ہے ۔ خلع کی طرح اس کا اثر طلاق بائن کا ہوتا ہے ۔

تشریح

مبارات کے لفظی معنی ایک دوسرے سے بری ہونے کے ہیں ۔ مبارات میں ایجاب زوج یا زوجہ دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے ہو سکتا ہے اور اس کے قبول ہو جانے کے ساتھ ہی نکاح کی کامل تنسیخ عمل میں آ جاتی ہے ۔ اس کے لئے کسی قاضی کے حکم کی ضرورت نہیں ۔

مبارات اپنے اثر کے لحاظ سے خلع کی طرح طلاق بائن کا حکم رکھتی ہے ۔[۱ے]

مبارات در اصل ایک باہمی معاہدہ ہے جو بہ تراضئی طرفین عمل میں آتا ہے ۔ چنانچہ زوجین کسی سبب سے عقد نکاح کو ختم کرنے کے لئے باہمی طور پر متفق ہو جائیں تو وہ بلا اجازت عدالت ایسا کرنے کے مجاز ہیں ۔

خلع و مبارات کا اثر مہر و نفقہ پر

۱۲۰۔ (۱) خلع سے زوجین کے ایک دوسرے پر جو غیر مالی حقوق بسبب نکاح اُسوقت قائم ہوں ساقط ہو جائیں گے ۔

(۲) مبارات سے زوجین کے ایک دوسرے پر جملہ حقوق جو اس وقت بسبب نکاح قائم ہوں ، ساقط ہو جائیں گے الاّ یہ کہ اس کے خلاف کوئی معاہدہ ہو گیا ہو ۔

توضیح : خلع سے زوجہ کا مہر (اگر ادا شدہ نہ ہو) اور زمانۂ عدت کا نفقہ ساقط نہ ہوگا الایہ کہ مابین زوجین اس کے خلاف کوئی معاہدہ ہو گیا ہو ۔

(۱ے) بحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ دارالکتب العربیہ ، جلد ۴ ، صفحہ ۷۱ ۔

مگر لازم ہے کہ بلا لحاظ کسی معاہدہ؛ مخالف کے بوقت خلع یا مبارات زوجہ جس مکان میں سکونت پذیر ہے زوجہ کا اُس مکان میں حق سکونت برقرار رہے گا۔

تشریح

خلع اور مبارات کا اثر یہ ہوتا ہے کہ زوجین کے ایک دوسرے پر جو حقوق نکاح کے سبب ہوتے ہیں وہ ساقط ہو جاتے ہیں اور زوجین ایک دوسرے کے حقوق اور ذمہ داریوں سے بری ہو جاتے ہیں۔[۷۲] خلاصہ میں لکھا ہے کہ اگر طلاق بالمال ہو تو وہ موجب برأت نہیں۔[۷۳] امام کاسانی نے لکھا ہے کہ خلع بالبدل طلاق بالمال کے مشابہ ہے اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ کسی انسان کا حق اس کے ساقط کیے بغیر ساقط نہیں ہوتا اس لیے خلع سے صرف وہی حقوق ساقط ہوں گے جن کا خلع میں ذکر کیا گیا ہے اس لیے وہ تمام دیون (قرضے) جن کو نکاح نے واجب نہیں کیا ساقط نہ ہوں گے۔[۷۴]

ابن نجیم نے بحرالرائق میں لکھا ہے :

''اگر مرد اپنی زوجہ سے کہے کہ میں نے تجھ سے خلع کیا اور کسی شے کا نام نہ لیا اور عورت نے قبول کرلیا تو یہ خلع ہوگا جو حقوق کو ساقط کرنے والا ہوگا جیسا کہ 'خلاصہ' میں ہے۔''[۷۵]

بحرالرائق کے مصنف نے آگے چل کر لکھا ہے :

''خلع مبارأت کی طرح زوجین کی جانب سے برأت کا مقتضی ہے کیونکہ

---

(۷۲) کنز الدقائق، عبداللہ نسفی، مکتبہ رحیمیہ دیوبند، صفحہ ۱۳۰
(۷۳) فتاوی عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۱۱۸
بحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ھجری، جلد ۴، صفحہ ۹۶
(۷۴) بدائع الصنائع، امام کاسانی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ھجری، جلد ۳، صفحہ ۱۵۱
(۷۵) بحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ دارالکتب العربیہ مصر، جلد ۴، صفحہ ۷۰

خلع جدائی ہے اور یہ جدائی متحقق (موجود) نہ ہوگی الّا یہ کہ ایک دوسرے کے ذمہ جو حقوق ہوں وہ باقی نہ رہیں ۔''[۷۶]

امام عینی نے لکھا ہے کہ اگر شوہر نے عورت سے کہا کہ میں نے تجھے خلع کیا اور معاوضے کا ذکر نہ کیا اور عورت نے قبول کیا تو ظاہرالروایة کے بموجب عورت کا مہر ساقط نہ ہوگا ۔

المختصر للقدوری میں لکھا ہے[۷۷] کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک خلع و مبارأت دونوں صورتوں میں شوہر و زوجہ ہر حق سے جو نکاح سے متعلق[۷۸] ہو بری ہو جاتے ہیں ۔ البتہ جو قرضہ نکاح کے سبب کے علاوہ کسی دوسرے سبب سے ایک دوسرے کے ذمہ واجب ہو ، وہ ساقط نہ ہوگا ۔

امام محمد اس مسئلہ پر امام ابو حنیفہ سے متفق نہیں ہیں ۔ ان کے نزدیک حقوق کا اسقاط بلا ذکر کئے نہیں ہو سکتا، چنانچہ ان کے نزدیک خلع یا مبارأت کسی بھی صورت میں ہر حق نکاح ساقط نہ ہوگا سوائے اس حق کے جس کا وہ دونوں ذکر کریں ۔

امام ابو یوسف خلع کی صورت میں امام محمد کے ساتھ ہیں یعنی ان کے نزدیک بھی خلع کی صورت میں حقوق کا اسقاط بلا ذکر کئے نہیں ہو سکتا ۔ لیکن مبارأت کی صورت میں وہ امام ابو حنیفہ سے متفق ہیں کہ

---

(۷۶) بحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعۂ دارالکتب العربیہ مصر ، جلد ۴ ، صفحہ ۸۷

(۷۷) '' والمبارأة کالخلع کلاهما یسقطان کل واحد من الزوجین علی الآخر فیما یتعلق بالنکاح عندابی حنیفة '' (المختصر للقدوری، مطبوعہ قرآن محل، کراچی ، باب الخلع)

(۷۸) یہاں حقوق متعلق بہ نکاح سے مراد حق مہر و گزشتہ زمانہ کا نفقہ (جو مقرر شدہ ہو) وغیرہ ہیں لیکن اس میں زمانۂ عدت کا نفقہ شامل نہیں ہے ۔ الّا یہ کہ خلع یا مبارأت نفقہ عدت کے معاوضے میں کیا گیا ہو ۔ اس استثناء کی وجہ یہ ہے کہ دوران عدت نفقہ کا حق بسبب نکاح قائم نہیں تھا بلکہ طلاق (یا خلع) کے بعد پیدا ہوا ۔ (مؤلف)

طلاق بالمبارات کی صورت میں زوجین کے ایک دوسرے پر جو حقوق بسبب نکاح قائم ہوتے ہیں وہ ساقط ہو جاتے ہیں۔

ائمہ کے دلائل :

امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ خلع اور مبارات ایک عقد معاوضہ ہے یعنی ایک معاہدہ بالبدل ہے۔ اور معاہدات میں اسی امر کا اعتبار کیا جائے گا جو شرط ہو۔ اس کے ماوراء اعتبار نہ کیا جائے گا۔ لہٰذا معاہدۂ خلع یا مبارأت میں جس حق کا ساقط ہونا شرط یا ثابت نہ ہو وہ ساقط نہیں ہو سکتا لیکن امام ابو یوسف یہ دلیل دیتے ہیں کہ مبارأت کے معنی یہ ہیں کہ جانبین بری ہوں اور جانبین کا ایک دوسرے سے بری ہونا اس بات کا مقتضی ہے کہ شوہر حقوق زوجہ سے اور زوجہ حقوق شوہر سے بری الذمہ ہو جائے۔ لیکن خلع کی صورت مبارأت سے مختلف ہے کیونکہ خلع بالکل الگ ہو جانے کا مقتضی ہے اس میں حقوق سے برأت نہیں ہے۔[۷۹] بالفاظ دیگر خلع میں الفاظ اس امر کے متقاضی ہیں کہ نکاح ٹوٹ جائے جب کہ مبارأت کا اقتضاء حقوق سے بری کرنا ہے۔

امام ابوحنیفہ کی طرف سے یہ دلیل بیان کی جاتی ہے کہ خلع کے معنی سے جدا کرنا نکلتا ہے اور وہ مبارأت کی طرح مطلق ہے اس لئے نکاح کے حقوق میں خلع و مبارأت دونوں صورتوں میں یکساں عمل کیا جائے گا۔[۸۰] یعنی مطلقاً ہر ایک حق اور حکم جو نکاح سے قائم ہو اُس سے خلع و بریت ہو جائے گی۔

تجزیہ :

خلع پر جو آثار مرتب ہوتے ہیں اُن کے متعلق آئمہ احناف کے مابین اختلاف ہے : امام ابوحنفیہ کے نزدیک خلع سے زوجین کے وہ تمام مالی

---

(۷۹) عین الهدایہ ' (اردو ترجمہ ہدایہ) جلد دوم ' صفحات ۷۷ - ۲۷۶
(۸۰) عین الهدایہ ' (اردو ترجمہ ہدایہ) جلد دوم ' صفحہ ۲۷۷

حقوق خود بخود ساقط ہو جاتے ہیں جو بوقت خلع ، تعلق ازدواج کی وجہ سے ان کے ایک دوسرے پر واجب الاداء ہوتے ہیں ، مثلاً اگر بیوی کا مہر یا نفقہ شوہر کے ذمے واجب الاداء ہوتا ہے تو خلع کے بعد وہ ساقط ہو جاتا ہے اور اب بیوی اس کا مطالبہ نہیں کر سکتی یا مثلاً شوہر نے بیوی کو پیشگی ایک سال کا نفقہ دے دیا تھا اور چھ ماہ گزرنے پر ان کے درمیان خلع واقع ہوگیا تو شوہر بقیہ چھ ماہ کا نفقہ بیوی سے واپس نہیں لے سکتا ۔ اور صاحبین کے نزدیک خلع سے زوجین کے مالی حقوق ساقط نہیں ہو جاتے جب تک کہ ان کے ساقط ہونے کا صراحت کے ساتھ ذکر نہ ہو ، اس اختلاف کی بنیاد نقلی دلائل پر نہیں بلکہ قیاسی اور عقلی دلائل پر قائم ہے ۔ یعنی فریقین میں سے کوئی بھی اپنی رائے کی تائید میں قرآن مجید کی کوئی آیت یا حدیث پیش نہیں کرتا بلکہ تمام تر قیاسی اور عقلی دلائل سے کام لیتا ہے ۔

امام ابوحنیفہ کی ایک دلیل یہ ہے کہ لغت میں لفظ خلع کے جو معنے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ جب زوجین خلع کا معاملہ کریں تو اس سے تعلق ازدواج اور اسی تعلق کی بناء پر پیدا شدہ جملہ حقوق و واجبات کا بالکل خاتمہ ہو جائے کیونکہ لغت میں خلع کے معنے ہیں کسی چیز کو دوسری چیز سے بالکل الگ اور جدا کر دینا ، لباس یا جوتے کو بدن سے الگ کر دینے کو خلع سے تعبیر کیا جاتا ہے ، جب کوئی شخص اپنی بیوی سے خلع کا معاملہ کرتا ہے تو وہ دراصل اس کو نکاح و زواج سے بالکل جدا اور الگ کرتا ہے اور یہ مفہوم کامل طور پر صرف اس وقت متحقق ہوتا ہے جب وہ تمام حقوق و واجبات ختم ہو جائیں جو نکاح کی وجہ سے ان میں سے ایک دوسرے پر عائد اور لازم ہوتے ہیں ۔

امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ خلع سے مقصود اس نزاع کا

خاتمہ ہے جو نشوز کی وجہ سے زوجین کے درمیان موجود ہوتا ہے اور یہ مقصود پوری طرح صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب تعلق ازدواج سے ساتھ ساتھ وہ تمام حقوق و واجبات بھی ختم ہو جائیں جو اس تعلق کی وجہ سے پیدا شدہ اور اس کی علامت ہیں، بالفاظ دیگر خلع سے جو مقصود ہے اس کا یہ تقاضا ہے کہ زوجین کے ایک دوسرے پر جو مالی حقوق بوجۂ ازدواج ہوں وہ سب ساقط اور ختم ہوجائیں کیونکہ اگر وہ باقی رہتے ہیں تو نزاع کی بنیاد باقی رہتی ہے لہذا مقصود حاصل نہیں ہوتا ۔

امام محمد کی ایک دلیل یہ ہے کہ خلع کا معاملہ دراصل طلاق بالمال کا سا معاملہ ہے اور یہ مسلم ہے کہ طلاق بالمال سے زوجین کے دوسرے حقوق ساقط نہیں ہوتے جن کی بنیاد تعلق ازدواج پر ہوتی ہے تو قیاس کا تقاضا ہے کہ خلع سے بھی وہ ساقط نہ ہوں ۔

اُن کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خلع دراصل زوجین کے درمیان فسخ نکاح کا معاہدہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ معاہدے میں صرف انہی امور کا اعتبار ہوتا ہے جن کا اس میں ذکر ہو ، اور خلع میں چونکہ صرف بدل خلع کا ذکر ہوتا ہے زوجین کے دوسرے حقوق کا ذکر نہیں ہوتا لہذا وہ ساقط نہیں ہونے چاہیں الاّ یہ کہ اُن کا بھی ذکر ہو۔ امام ابو حنیفہ کی طرف سے امام محمد کی پہلی دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ خلع اور طلاق بالمال میں اگرچہ بعض پہلوؤں سے مشابہت پائی جاتی ہے لیکن دوسرے کئی پہلوؤں سے ان کے درمیان فرق بھی موجود ہے لہذا تمام احکام میں ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ۔ حالانکہ خود امام محمد بھی بعض احکام میں ان کے درمیان فرق کو تسلیم کرتے ہیں ۔

دوسری دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ خلع کا معاملہ عام معاہدات کا سا نہیں اس لیے کہ اس میں شوہر کو جس کی حیثیت ایک فریق کی ہوتی ہے فسخ اور رجوع وغیرہ کا حق نہیں ہوتا جیسا کہ دوسرے معاہدوں میں ہر فریق کو حاصل ہوتا ہے لہذا اس پر معاہدہ کے تمام احکام جاری کرنا درست نہیں علاوہ ازیں اگر اس کو عام معاہدوں کی طرح کا ایک معاہدہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس میں زیر بحث حقوق کا ذکر گرچہ صراحتاً نہیں ہوتا لیکن دلالتاً ضرور موجود ہوتا ہے کیونکہ خلع سے جو مقصود ہے وہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نکاح و زواج کی بنیاد پر پیدا شدہ متنازع امور طے ہو چکے ہیں۔ لہذا ان حقوق کو ساقط سمجھنا احکام معاہدہ کے خلاف نہیں، خلاف جب ہوتا جب ان کا ذکر نہ صراحتاً ہوتا اور نہ دلالتاً اور یہاں اگر صراحتاً نہیں تو دلالتاً ضرور موجود ہے۔

ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ نے اپنی کتاب ''احکام الشخصیہ فی الفقہ الاسلامی'' (مطبوعہ مصر ۱۹۵۸ع صفحہ ۳۰۸) پر لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ ہے۔ یعنی خلع و مبارات دونوں میں بلا صراحت زوجین کے جملہ حقوق (خواہ مالی ہوں یا غیر مالی) جو نکاح کے سبب قائم ہوں خود بخود ساقط ہو جائیں گے۔ لیکن دلائل کا جائزہ لینے کے بعد ہم خلع کے مسئلہ میں صاحبین کی رائے کو زیادہ وزنی اور قابل قبول پاتے ہیں اور مبارات کے مسئلہ میں شیخین (امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف) کی رائے صحیح تر معلوم ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر خلع سے صرف غیر مالی حقوق جو بسبب نکاح قائم ہوں خود بخود ساقط ہو جائیں گے مثلاً حبس (زوجہ کو روک لینے کا حق) و حق استمتاع وغیرہ، لیکن مالی حقوق مثلاً مہر و نفقہ کی ذمہ داری سے شوہر بری نہ ہوگا الا یہ کہ

بوقت خلع زوجہ اس پر راضی ہو گئی ہو۔ البتہ مبارأت میں شوہر و زوجہ ایک دوسرے کے جملہ مالی و غیر مالی حقوق سے جو بسبب نکاح اس وقت قائم ہوں بری الذمہ متصور کیے جائیں گے، الّا یہ کہ اس کے خلاف کوئی معاہدہ ہو گیا ہو۔ فتاوی شامی میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں امام یوسف کے قول پر فتویٰ ہے اور یہی نقطۂ نظر قرین صواب معلوم ہوتا ہے۔

حق سکونت زوجہ :

البتہ جہاں تک دوران عدت زوجہ کے حق سکونت کا تعلق ہے اس حق کو باہمی معاہدے سے بھی ساقط نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ ایک ایسا شرعی حق ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ''ولا تخرجو ھن'' کہہ کر مطلّقہ عورتوں کو گھر سے نہ نکالنے کا حکم دیا ہے تاکہ مطلقہ عورت أحکام شرع کی پابندی کرتے ہوئے وہاں زمانۂ عدت گذار سکے۔

اولاد کے نفقے کے عوض خلع یا مبارأت :

عورت اولاد کے نفقے کے عوض تفریق حاصل نہیں کر سکتی، کیونکہ نفقہ اولاد کا حق ہے جو باپ کے ذمہ ہے۔ ماں کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ اپنے بچوں کا حق نفقہ واگزار کرنے کے عوض مرد سے خلع حاصل کرے۔[81]

---

(۸۱) ردالمحتار، ابن عابدین، مطبوعہ دارالکتب العربیہ، مصر، جلد ۲، صفحات ۸۱ - ۷۸۰،
منحۃ الخالق، برحاشیہ بحرالرائق، ابن عابدین، مطبوعہ دارالکتب العربیہ مصر، جلد ۴، صفحہ ۸۹

پندرھواں باب

تفریق بسبب امراض و عیوب

تفریق بسبب مرض یا عیب

۱۲۱۔ شوہر میں ایسے تناسلی یا متعدی مرض یا عیب کی بناء پر جو اتصال جنسی میں مانع ہو یا شوہر کی طرف سے زوجہ کی طبیعت میں ایسا تنفر پیدا کرنے کا موجب ہو جو باہمی معاشرت کو ناممکن بنا دے ، زوجہ کو حق ہوگا کہ بذریعہ عدالت تنسیخ نکاح کا حکم حاصل کر لے :

مگر لازم ہوگا کہ جہاں تک ممکن ہو مجموعۂ ہذا کے احکام مندرجہ باب ہذا کا اطلاق کیا جائے گا ۔

تشریح

شریعت اسلام میں عیوب اور امراض کی بناء پر زوجین کے درمیان حق تفریق کے سلسلے میں حسب ذیل تین مکاتیب فکر پائے جاتے ہیں :

۱۔ **ظاہریہ :** اس مکتب فکر کے نزدیک عیب کی بناء پر زوجین میں تفریق نہیں ہوتی خواہ وہ عیب کسی میں بھی ہو ۔ علامہ شوکانی بھی اسی نقطہ نظر سے متفق ہیں اور یہی قول عمر بن عبدالعزیز اور بعض تابعین کا بیان کیا جاتا ہے ۔

۲۔ **حنفیہ :** احناف کہتے ہیں کہ اگر عورت اپنے شوہر میں ایسا تناسلی عیب پائے جو اتصال جنسی میں مانع ہو تو اس کو نکاح رد کرنے کا حق ہوگا لیکن شوہر کو یہ حق حاصل نہیں ۔ الّا یہ کہ شوہر نے عورت سے ایسے عیوب و امراض سے مبّرا ہونے کی شرط

کے ساتھ نکاح کیا ہو ایسی صورت میں عورت میں مرض یا عیب پائے جانے کے سبب مرد نکاح کو رد کر سکتا ہے۔

۳۔ **ائمۂ ثلاثہ اور جمہور فقہاء :** ان حضرات کا خیال ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک کو طلب تفریق کا حق ہے جب کہ وہ ایک دوسرے میں عیب پائیں۔ البتہ ان ائمہ اور فقہاء میں ان عیوب کی اقسام و تعداد کے بارے میں اختلاف ہے کہ کن عیوب کی بناء پر زوجین کو طلب تفریق کا حق ہوگا۔

ظاہریہ مکتب فکر کا استدلال :

ظاہریہ کا کہنا ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کو بھی کسی عیب کی بناء پر نکاح رد کرنے کا حق نہیں ہے خواہ وہ مرض تناسلی ہو یا متعدی ہو یا متنفر کردینے والا ہو۔ چنانچہ امام ابن حزم ''المحلی'' میں لکھتے ہیں کہ مرد عورت سے ایک بار بھی وطی کرنے پر قادر نہ ہو تب بھی حاکم یا کسی بھی شخص کو یہ اختیار نہیں کہ ان کے درمیان تفریق کرائے۔[1]

امام ابن حزم کی دلیل :

امام ابومحمد ابن حزم اپنے اس دعوے کی دلیل میں ''رفاعۃ القرظی'' والی حدیثِ پیش کرتے ہیں جس کو امام زہری نے عروہ بن الزبیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ نے عروہ بن الزبیر کو خبر دی کہ رفاعۃ القرظی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پھر اس کی بیوی نے عبدالرحمن بن الزبیر سے نکاح کر لیا۔ بعد ازاں نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس آئی اور کہا ''اے رسول اللہ! میں رفاعۃ کے نکاح میں تھی اس نے مجھے طلاق دے دی۔ پس میں نے اس کے بعد عبدالرحمن بن الزبیر

---

(۱) المحلی، ابن حزم، (متوفی ۴۵۶ھ ہجری) مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۵۲ ہجری، جلد ۱۰، صفحہ ۱۰۹

سے نکاح کر لیا اور اس کے پاس کچھ نہیں سوائے مثل ھدبہ (کپڑے کی جھالر) کے اور اس نے اپنی چادر کا پلو اپنے ھاتھ میں لے لیا'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم کیا اور فرمایا ''شاید تو چاھتی ھے کہ رفاعۃ کے پاس لوٹ کر چلی جائے - لیکن ایسا نہیں ھو سکتا جب تک کہ تو اس (عبدالرحمن بن الزبیر) کا شھد نہ چکھ لے اور وہ تیرا شھد نہ چکھ لے - یعنی دونوں ایک دوسرے سے جنسی لذت نہ اٹھالیں (جماع نہ کرلیں) -

ابن حزم کہتے ھیں کہ حدیث اس امر کو واضح کرتی ھے کہ اس عورت کے شوھر نے اس سے جماع نہ کیا تھا اور اس کا عضو تناسل دھاگے کے مثل (بے اثر) تھا اور اس کی طرف ایستادگی نہ ھوتی تھی - اگرچہ اس بات کی شکایت اس عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے کی اور تفریق چاھی مگر حضور صلعم نے ان کے درمیان تفریق نہ فرمائی -

مغالطہ :

لیکن امام ابن حزم کو نامرد سے تفریق کے مسئلہ میں رفاعۃ القرظی والی روایت سے استخراج کرنے میں مغالطہ ھوا ھے کیونکہ اصل مسئلہ نامرد سے طلب تفریق کا نہ تھا بلکہ اس سے طلاق حاصل کر کے شوھر اول (رفاعۃ) کی جانب مراجعت کا تھا - چونکہ رفاعۃ نے اس عورت کو طلاق مغلظہ دی تھی اس لئے رسول اللہ صلعم کے فرمانے کا منشاء یہ تھا کہ جب تک دوسرے شوھر سے (بعد نکاح) ھم بستری نہ ھو جائے اس وقت تک وہ پہلے شوھر سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتی - دراصل یہ حدیث آیت قرآنی ''فلا تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ'' کی تفسیر ھے کہ جس عورت کو اس کے شوھر نے تین طلاقیں دی ھوں وہ اس وقت

تک اس شوہر کے لئے حلال نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے (یہاں نکاح بمعنی جماع ہے) یہ حدیث اس آیت کی یہ تفسیر کرتی ہے کہ محض نکاح ثانی مقصود نہیں بلکہ جماع بھی لازم ہے۔

اس تفسیر کی تائید امام مالک سے بھی ہوتی ہے۔ امام مالک نے موطا میں لکھا ہے کہ رفاعۃ نے اپنی بیوی تمیمہ بنت وھب کو رسول اللہ کے عہد میں تین طلاقیں دے دیں پھر اس نے عبدالرحمن ابن الزبیر سے نکاح کر لیا۔ عبدالرحمن نے اس عورت سے عدم توجہی کی اور اس سے صحبت پر قادر نہ ہوا پس اس کو علیحدہ کر دیا۔ رفاعۃ نے یہ ارادہ کیا کہ وہ تمیمہ سے پھر نکاح کر لے پس رسول اللہ صلعم نے تمیمہ بنت وھب سے فرمایا ''تم چاہتی ہو کہ رفاعۃ کی طرف مراجعت کرو، نہیں (تم ایسا نہیں کر سکتیں) جب تک کہ تم اس (شوہر ثانی) کا شہد نہ چکھ لو اور وہ تمہارا شہد نہ چکھ لے۔'' علاوہ ازیں دوسری روایت میں صراحت موجود ہے کہ عبدالرحمان بن الزبیر نے عورت کے اس قول کی تردید کی اور بالآخر یہ ثابت ہوا کہ وہ نامرد نہ تھا۔

حنفیہ مکتب فکر کا استدلال :

جمہور احناف کے نزدیک اگر عورت شوہر میں ایسا تناسلی مرض پائے جو اتصال جنسی میں مانع ہو تو حاکم عدالت کے ذریعہ عورت کو طلب تفریق کا حق ہوگا۔ تناسلی عیوب میں نامرد ہونا، عضو تناسل کا کٹا ہوا ہونا، خصّی ہونا، شامل ہیں۔

امام محمد کی رائے :

امام محمد الشیبانی نے ان امراض میں پاگل پن، جذام اور برص کے امراض کا اضافہ کیا ہے۔[2] چنانچہ امام کاسانی نے امام محمد کا قول

---

(۲) '' وان الامام محمداً خالف ابا حنیفۃ و ابا یوسف باالجذم و البرص و الجنون، اذا کانت بالزوج فتخیر المرأۃ —'' (بحرالرائق، ابن نجیم، مطبعۃ العلمیہ، قاہرہ، جلد ۳، صفحہ ۱۳۷)

نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس کا خالی ہونا ہر اس عیب سے جو اس عورت کا قیام اپنے مرد کے ساتھ بلا ضرر ناممکن بنا دے (مثلاً جنون، جذام، اور برص)، لزوم نکاح کے واسطے شرط ہے یہاں تک کہ نکاح اس بناء پر فسخ ہو جاتا ہے۔[۳]

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں بھی یہی لکھا ہے کہ شیخین یعنی امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف کے نزدیک شوہر میں جنون یا جذام یا برص پائے جانے کی بناء پر عورت کو تفریق کا اختیار نہیں ہے۔[۴]

البتہ الدار المنتقی فی شرح الملتقی میں قہستانی کا حوالہ دے کر امام محمد رحمۃاللہ علیہ سے منقول ہے کہ "عورت کے واسطے جنون اور جذام میں خیار ہے اور ہر اس عیب کی بناء پر جس کے سبب اس عورت کے لئے بلا ضرر باہمی معاشرت ممکن نہ ہو۔[۵]

تفریق کا حق صرف زوجہ کو ہے :

شیخین (امام ابو حنیفہ رحمۃاللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃاللہ علیہ) اور امام محمد رحمۃاللہ علیہ کے درمیان اس اختلاف کی بنیاد یہ بیان کی جاتی ہے کہ شیخین صرف ایسے تناسلی مرض میں تفریق کے قائل ہیں جو مانع جماع ہو چونکہ جنون یا برص فی‌الاصل جماع میں مانع نہیں ہیں اس لئے شیخین کے نزدیک ان عیوب کی بناء پر عورت کو حق تفریق

---

(۳) "خلوہ من کل عیب یمکنھا المقام معہ الابضرر کالجنون و الجذام و البرص شرط لزوم النکاح حتی یفسخ بہ النکاح —" (بدائع الصنائع، امام کاسانی، (متوفی ۵۸۷ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۳۲۷)

(۴) "ولا خیار لھا ان وجدت المراۃ بہ ای بالزوج جنوناً او جذاماً او برصاً عندالشیخین خلافاً لمحمد ولا خیار لہ ای للزوج لو وجدبھا ای بالمرأۃ ذلک —" (مجمع الانہر، شرح ملتقی الابحر، داماد آفندی، (متوفی ۱۰۸۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۶۹ ہجری، جلد ۱، صفحہ ۴۶۳)

(۵) "ولامراۃ الخیار فی الجنون و الجذام و کل عیب لا یمکنھا المقام معہ الا بضرر" (محیط من نفائس المخطوطات العربیہ فی مکتبۃ الازہر، رقم ۳۴۸۸

الدرالمنتقی فی شرح الملتقی برحاشیہ مجمع الانہر، محولا بالا (الدرالمنتقی میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام محمد کا قول مضطرب ہے۔ واللہ اعلم)

نہیں دیا جا سکتا - بہرحال احناف میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ھے که عیب کی بناء پر طلب تفریق کا حق صرف زوجه کو حاصل ھے -

امام کاسانی نے اس کی علّت بیان کرتے ہوئے بدائع الصنائع میں لکھا ھے که چونکه عورت کو طلاق کا مالک نہیں بنایا گیا اس لئے ضرر کو دور کرنے کے لئے فسخ کا طریقه مقرر کیا گیا - چنانچه اگر شوھر اپنی زوجه میں ایسے تناسلی عیب کو پائے جو اس سے جماع میں مانع ھو تو اس کے لئے تفریق جائز نہیں اگر وہ چاھے تو اس عورت کو روکے رکھے وہ اپنے فعل کا اجر پائے گا اور اگر چاھے تو اس کو معروف طریقے پر طلاق دے دے -[6]

امام سرخسی نے المبسوط میں لکھا ھے که مرد کو عورت میں عیب پائے جانے کی بناء پر فسخ نکاح کا اختیار نہیں خواہ وہ فاحشه ھی کیوں نه ھو ، کیونکه اس کو یه اختیار حاصل ھے که وہ چاھے تو اس کو طلاق دے دے یا نکاح میں روکے رکھے -[7]

امام زیلعی نے مرد کے ''مقطوع الذکر'' اور نامرد ہونے کی صورت میں عورت کے طلب تفریق کے اختیار سے بحث کرتے ہوئے لکھا ھے ان دونوں عیبوں پر صحابه کا اجماع ھے کیونکه یه دونوں نکاح کے مقصد (قضائے شہوت اور توالد و تناسل) کو معدوم کر دیتے ھیں ان کے علاوہ دوسرے عیوب مقصد نکاح کو معدوم نہیں کرتے بلکه صرف خلل انداز ہوتے ھیں -[8]

---

(۶) البدائع الصنائع ، امام کاسانی ، مطبوعه مصر ، ۱۳۲۸ ھجری ، جلد ۲ ، صفحه ۳۲۷

(۷) المبسوط ، امام سرخسی ، مطبوعه مصر ، ۱۳۲۴ ھجری ، جلد ۵ ، صفحه ۹۷

(۸) تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ، امام زیلعی (متوفی ۷۴۳ھ) ، مطبعة الامیریه قاھرہ ، جلد ۳ ، صفحه ۲۵

جیسا کہ رسول اللہ نے فرمایا "تناکحوا وتناسلوا" نکاح کا بنیادی مقصد اولاد پیدا کرنا اور شہوت دور کرنا ہے ۔ لہٰذا جب جنسی اتصال ممکن نہ ہو اور زوجہ تفریق طلب کرے تو مرد پر فرقت واجب ہو جاتی ہے ۔ اگر مرد طلاق دینے سے انکار کرے تو عورت کو شرع نے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ عدالت کے ذریعہ نکاح فسخ کراسکے ۔

ائمہ ثلاثہ اور جمہور کا مسلک :

مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ، زیدیہ اور جعفریہ کے نزدیک عیب کی بناء پر زوجین میں سے ہر ایک کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے ۔[۹]

مالکیہ :

امام مالک چار عیوب (جذام، جنون، برص اور نامردی) میں زوجین میں سے ہر ایک کے خیار تفریق کے قائل ہیں ۔ علامہ ابن رشد نے اپنی کتاب "بدایۃ المجتہد" میں لکھا ہے کہ مالکی اصحاب نے اس علّت میں اختلاف کیا ہے جس کے سبب ان چار عیوب پر حق تفریق کو محدود کردیا گیا ہے ۔[۱۰] چنانچہ بعض اصحاب مالک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک عیوب کا چار میں منحصر ہونا دراصل ایک مشروع حکم ہے جو کسی علّت پر مبنی نہیں ہے ۔ بالفاظ دیگر جو حضرات صرف چار عیوب (جذام، جنون، برص اور نامردی) کی بنا پر نکاح کو رد کرنے کے حق کے قائل ہیں اور کسی دیگر عیب کی بناء پر حق تفریق کے مخالف ہیں وہ اس مسئلے کو منصوص قرار دیتے ہیں ۔ جبکہ دوسرے حضرات عیوب کی تعداد کو چار تک رکھنے کے سلسلے میں ایک دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ عیوب مخفی ہیں اور دیگر عیوب ظاہر ہیں لہٰذا عیوب ظاہرہ کی بناء پر

---

(۹) الدرالمنتقی شرح الملتقی بر حاشیہ مجمع الانہر، جلد ۱، صفحہ ۳۲۷

(۱۰) بدایۃ المجتہد، علامہ ابن رشد، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۹ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۵۱-۵۰

حق تفریق نہیں دیا جاسکتا (بعض کے نزدیک جو مرض اولاد میں سرایت کرنے والا ہو تفریق کا موجب قرار دیا جانا چاہئے) لیکن اگر ان علتوں کو صحیح مان لیا جائے تو پھر ہر مرض مخفی تفریق کا موجب ہو سکتا ہے - چنانچہ اگر عیب یا مرض کے اولاد میں سرایت کرنے کو علت قرار دیا جائے تو پھر مرد کا بد صورت اور سیاہ رو ہونا بھی اولاد میں سرایت کر سکتا ہے - اور اس بناء پر بھی تفریق کا حق دیا جانا چاہئے حالانکہ جمہور فقہاء اس بنا پر حق تفریق کے قائل نہیں ہیں -

علامہ خرشی[11] نے لکھا ہے کہ عیوب حسب ذیل تین قسم کے ہوتے ہیں :

(الف) وہ عیوب جو مرد و عورت دونوں میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں ، مثلاً :

(۱) پاگل پن - (۲) جذام (کوڑھ) -

(۳) برص (سفید دھبے) -

(۴) غریطہ (جماع کے وقت مرد یا عورت کا پاخانہ خارج ہونا) -

(۵) خنوثت (زنخا پن) اس مرض میں ہم جنس پرستی کا جذبہ عود کر آتا ہے -

(ب) وہ عیوب جو صرف مردوں کے لیے مخصوص ہیں :

(۱) عضو تناسل کا کٹا ہوا ہونا - (۲) خصی ہونا -

(۳) نامرد ہونا - (۴) اعراض (تنضر) -

(ج) وہ عیوب جو عورتوں کے لیے خاص ہیں :

---

(۱۱) شرح الخرشی ، علی مختصر خلیل ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۷ ہجری ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۰۷ -

(۱) رتق (ایک پردہ عفلہ نما) یعنی پٹھا جو کبھی عورت کی اندام نہانی پر اور کبھی رحم کے اوپر لاحق ہو جاتا ہے۔ اگر یہ پردہ منہ کے اوپر ہو تو مرد عورت سے ہم بستری نہیں کر سکتا اور اگر رحم کے اوپر ہو تو مرد ہم بستری کر سکتا ہے مگر اولاد نہیں ہوگی۔

(۲) قرن (اس کے لفظی معنی سینگ کے آتے ہیں)۔ جو عورت کے اندام نہانی میں کبھی کبھی سینگ نما پٹھا چھوٹی سی ھڈی کی مانند پیدا ہو جاتا ہے۔

(۳) عفل (اندام نہانی پر زائد گوشت کا ابھر آنا) اس کو طبی اصطلاح میں بدگوشت کہتے ہیں، مانع جماع ہے جس کی بناء پر مرد کو بوجۂ تنگی جماع کرنے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے اور عورت بالعموم جماع سے منع کرتی ہے۔

(۴) افضاء (کثرت جماع کے سبب دونوں راستوں جماع اور پاخانہ کا مل جانا)۔

(۵) بخر (بدبو) بعض اوقات یہ بدبو منہ سے اور بعض اوقات بغلوں سے اس قدر زیادہ آ جاتی ہے کہ مرد عورت کے پاس تک نہیں جا سکتا۔

شافعیہ :

شافعیہ فرقے کے اصحاب جذام اور برص کے سبب حق تفریق کی بنیاد جس علت کو قرار دیتے ہیں وہ ان امراض کا متعدی ہونا ہے جو شوہر سے اس کی اولاد میں منتقل ہو جاتا ہے چنانچہ مغنی المحتاج کے مصنف شیخ محمد الشربینی الخطیب نے لکھا ہے کہ اہل علم و طب و تجربہ کے نزدیک جذام اور برص کثرت سے متعدی ہوتا ہے اور وہ مانع جماع ہے۔

کسی سلیم الطبع شخص کی طبیعت ایسے شخص سے جماع کی طرف راغب نہیں ہوتی جس کو یہ مرض لاحق ہو ۔[۱۲]

وجیز میں[۱۳] لکھا ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک میں برص، جذام اور پاگل پن پائے جانے کی صورت میں نکاح رد کرنے کا اختیار حاصل ہے ۔ اور عورت کو مرد کے مقطوع الذکر یا نامرد ہونے کی بناء پر طلب تفریق کا اختیار ہے اور مرد عورت میں رتق اور قرن پائے جانے کی بناء پر نکاح رد کرسکتا ہے ۔

ابن قدامہ مقدسی[۱۴] نے المغنی میں اور عبداللہ ابن مفتاح[۱۵] نے المنزع المختار میں بھی اسی قسم کے امراض بیان کئے ہیں اور زوجین کے فسخ نکاح کے اختیار کا ذکر کیا ہے ۔

حنبلیہ :

حنبلی فقہ کی مشہور کتاب المغنی میں ابن قدامہ مقدسی نے لکھا ہے کہ ان عیوب (چار) کی بناء پر نکاح فسخ کرنا خاص کیا گیا ہے کیونکہ جو کچھ نکاح سے مقصود ہے اس سے فائدہ اٹھانے میں یہ عیوب مانع ہوتے ہیں کیونکہ جذام اور برص نفس انسانی میں اثر کرتے ہیں اور ان کے ضرر کا خوف کیا جاتا ہے اور جُب اور رتق وطی سے معذور کرتے ہیں اور فتق لذت صحبت میں مانع ہوتا ہے ۔[۱۶]

---

(۱۲) مغنی المحتاج ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۰۳

(۱۳) الوجیز فی الفقہ الشافعی ، امام غزالی (۵۰۵ھ) مطبوعہ قاہرہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۸

(۱۴) المغنی ، ابن قدامہ مقدسی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۴۷ ہجری ، جلد ۷ ، صفحہ ۵۹۷

(۱۵) المنزع المختار ، شیخ عبداللہ بن مفتاح (۸۷۷ھ) مطبوعہ قاہرہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۹۵

(۱۶) المغنی ، ابن قدامہ مقدسی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۴۷ ہجری ، جلد ۷ ، صفحہ ۵۷۹

امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کا نقطۂ نظر :

امام ابن تیمیہ[17] اور حافظ ابن القیم اس امر کے قائل ہیں کہ وہ تمام عیوب جو منفرہ یعنی متنفر کرنے والے ہوں طلب تفریق کا سبب ہو سکتے ہیں ۔ چنانچہ ابن تیمیہ نے الاختیارات العلمیہ میں لکھا ہے کہ ہر وہ عیب جو کمال استمتاع سے نفرت پیدا کرے تفریق کا موجب ہو سکتا ہے ۔ اسی طرح ابن القیم نے زادالمعاد میں لکھا ہے کہ عیوب کے لئے دو یا چھ یا سات یا آٹھ کی حد مقرر کرنا درست نہیں ۔ اندھا ، گونگا ، لنگڑا اور اسی طرح ایک یا دونوں ہاتھوں اور ایک یا دونوں پیروں کا کٹا ہوا ہونا یا ایسا عیب جس کے سبب آدمی سے نفرت کی جائے ایسے عیوب ہیں جو قابل تفریق امراض میں شامل ہیں ۔ چنانچہ ان کے نزدیک ہر وہ عیب جس سے باہمی معاشرت ناممکن ہو جائے اور زوجین میں محبت و مودت حاصل نہ ہو ، موجب خیار ہے ۔

جمہور فقہاء کے دلائل :

۱۔ صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ عنت اور جُب (نامردی اور مقطوع الذکر ہونا) وہ امراض ہیں جن کے سبب عورت کو خیار تفریق حاصل ہے ، کیونکہ یہ امراض مقصد نکاح کے حصول میں آڑے آتے ہیں ۔

۲۔ شریعت کا ایک اصول ''لاضرر ولاضرار'' ہے لہٰذا عورت کو اس امر کے باوجود کہ مرد عورت کا حق شرعی (اتصال جنسی) اس کو دینے پر قادر نہ ہو ، روکے رکھنا اس کو ضرر پہونچانے کے مترادف ہے اور شریعت کا ظہور بندوں کی مصلحتوں کے حصول کی غرض سے ہوا ہے ، لہٰذا شریعت عورت کی مصلحت کے حصول کی خاطر اس امر کی

---

(۱۷) الاختیارات العلمیہ ، ابن تیمیہ ، (۷۲۸ ہجری) مطبوعہ مصر ، صفحہ ۱۳۱

(۱۸) زادالمعاد ، ابن قیم ، (۷۵۱ ہجری) مطبع محمد علی صبیح ، قاہرہ ، جلد ۴ ، صفحہ ۴۳

متقاضی ہے کہ عورت کو ایسی صورت میں طلب تفریق کا حق دیا جائے چنانچہ امام کاسانی نے لکھا ہے کہ ان دو عیوب (نامرد اور مقطوع الذکر ہونا) میں عورت کے لئے ضرر کو دور کرنے کی غرض سے اس کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔

۳- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی غفار قبیلہ کی ایک عورت سے نکاح کیا ' حضور علیہ السلام نے جب اس عورت سے جماع کا ارادہ کیا اور اپنے کپڑے اتار کر فرش پر بیٹھ گئے تو دیکھا کہ اس کے پہلو میں برص کے نشانات ہیں۔ آپ فرش سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا "اپنے کپڑے پہن لو۔" حضور نے جو کچھ اس عورت کو دیا تھا ' اس میں سے کچھ واپس نہ لیا۔ (یہ روایت امام احمد نے اپنی مسند میں بیان کی ہے۔ ایک دوسری روایت میں "اپنے کپڑے پہننے" کے بجائے "اس کو اس کے خاندان والوں کی طرف واپس فرمایا" آیا ہے)۔

یہ حضرات اس روایت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے جب اس عورت میں برص کا مرض دیکھا تو اس عورت کو اس کے اہل خاندان میں واپس کردیا۔ کیونکہ برص کا عیب ایسا عیب ہے جس سے لوگوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے جبکہ نکاح زوجین میں محبت و مودت کے واسطے ہوتا ہے۔ اس حدیث سے دوسرا استدلال یہ کرتے ہیں کہ جس طرح برص کی بناء پر حضور علیہ السلام نے نکاح کو رد کر دیا تھا اسی طرح ہر اس عیب کی بناء پر جس سے انسانی طبیعت میں نفرت اور شدید کراہت پیدا ہوتی ہو نکاح رد کیا جا سکتا ہے کیونکہ برص کی بناء پر حضور کے نکاح کو رد کرنے کی علت برص کے مثل عیوب میں بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً جذام و جنون وغیرہ۔

۴- حضور علیہ السلام نے فرمایا "مجذوم سے اسی طرح بھاگو جس

طرح شیر سے بھاگتے ہو'' لہذا جذام کے عیب کی بناء پر فسخ نکاح دراصل فرار ہے اگر جذام کے باوجود نکاح رد کرنے کا اختیار نہ ہو تو پھر ''فرار'' کے حکم کا اطلاق کیونکر ممکن ہوگا ۔ (اس حدیث کو امام بخاری نے بیان کیا ہے) ۔

٥۔ حضرت عمر رضی‌اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک مجذوم عورت کو بیت‌اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا آپ نے اس سے فرمایا ''اے اللہ کی بندی ! اگر تو اپنے گھر بیٹھی رہتی تو لوگوں کو ایذا نہ پہونچاتی ۔

٦۔ ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی (جلد ٣ صفحہ ١٠٦) میں لکھا ہے کہ آپ نے ایک مجذوم کو جو آپ سے لین دین کرتا تھا مدینے میں داخل ہونے سے منع فرمایا تھا اور شے مبیعہ اس کے پاس مدینہ سے باہر بھجوادی ۔

٧۔ امام ابن حزم نے اپنی کتاب المحلیٰ (جلد ١٠ صفحہ ١١٠) میں امام شعبی کا ایک قول نقل کیا ہے کہ وہ شخص جو اپنی زوجہ میں برص ، جنون یا جذام یا قرن پائے اگر اس کے ساتھ دخول ہوگیا تو اس عورت کا مہر واجب ہوگا اور اگر دخول سے قبل علم ہوگیا تو وہ چاہے تو اس عورت کو اپنے پاس روک لے اور چاہے تو بلا طلاق علیحدہ کردے۔

جائزہ :

مندرجہ بالا نقطہ ہائے نظر کا دقت نظر کے ساتھ مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ امام ابن حزم اور ظاہریہ فرقے کے فقہاء کا یہ نظریہ شرعاً درست قرار نہیں دیا جاسکتا کہ عیب کی بناء پر خیار تفریق نہیں ہے ۔ اس کے ساتھ ہی ہم ائمہ ثلاثہ اور زیدیہ و جعفریہ فرقے کے فقہاء اور امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن‌القیم کے اس نقطہ نظر کو درست تصور نہیں کرتے کہ بر بنائے عیب شوہر کو بھی خیار

حاصل ہے۔ (جب اس کو طلاق دینے کا غیر مشروط حق حاصل ہے تو خیار عیب کی بنیاد پر نکاح فسخ کرنے کا اختیار درست نہیں معلوم ہوتا الّا یہ کہ نکاح صراحتاً اس شرط کے ساتھ کیا گیا ہو کہ وہ عورت عیب سے پاک ہے) نیز خود کو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے اس نقطۂ نظر سے بھی متفق نہیں پاتے کہ عورت کو مرد کے صرف مقطوع الذکر اور نامرد ہونے کی صورت میں طلب تفریق کا اختیار حاصل ہے۔ ہم اس ضمن میں امام محمد اور امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم کی آراء کو شرعی مصالح پر مبنی اور قرین صواب اور بر بنائے قیاس صحیح پاتے ہیں کہ ہر وہ عیب جو باہمی معاشرت کو ناممکن بنادے اور مقاصد نکاح کے زائل ہونے کا سبب ہو طلب تفریق کا موجب ہونا چاہئے۔

جہاں تک امراض و عیوب کی تعداد معین کرنے کا تعلق ہے اس سلسلے میں ان علتوں کا لحاظ کرنا چاہئے، جن کے سبب عورت کو تفریق کا اختیار دیا جا رہا ہے اور چونکہ تعداد عیوب و امراض کے سلسلے میں مختلف مذاهب فقہ کی کتابوں میں کم یا زیادہ تعداد ملتی ہے لہٰذا اس مسئلے میں تعداد کا تعین کرنا درست نہ ہوگا بلکہ مرض یا عیب جس میں وہ علت پائی جائے جس کے سبب فقہاء متقدمین نے عورت کو طلب تفریق کا اختیار دیا ہے آج بھی موجب تفریق ہو سکتا ہے۔

مرد کا عنین ہونا یا مقطوع الذکر ہونا یا خصی ہونا (علاوہ ظاهریہ کے) بالاتفاق تمام فقہی مذاهب کے نزدیک عورت کے لیے طلب تفریق کا اختیار ثابت کرتا ہے۔ دراصل اس میں جو علت پائی جاتی ہے وہ مرد کا جماع پر قادر نہ ہونا ہے۔ اس علت کی بنیاد پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہر وہ مرض جو مانع جماع ہو موجب تفریق ہو سکتا ہے۔

اسی طرح جذام اور برص کے سبب تفریق کے اختیار کی ظاھرا علت ان امراض کا متعدی ھونا ھے جو نسلاً بعد نسلاً عادتاً سرایت کرتے ھیں لیکن ایک سلیم الطبع عورت کے لئے ایسے مریض کے ساتھ جماع کرنا موجب تنفر ھو سکتا ھے - لہٰذا ایسے متعدی مرض کی بناء پر عورت کو حق تفریق دیا جانا چاھئے جو اپنے اندر عادتاً نسلاً بعد نسلاً سرایت کرنے کی صلاحیت رکھتا ھو اور جس کے سبب جماع سے بیزاری اور نفرت پائی جاتی ھو اور مقصد نکاح کے حصول میں مانع ھو -

مختلف عربی ممالک میں تفریق بالعیب کے رائج الوقت قوانین

لبنان :

دفعہ ۱۹۹- جب ایک صحت مند عورت اپنے شوھر کے عیوب المقاربہ (جنسی عیوب) پر مطلع ھو کہ اس کا شوھر ان امراض میں سے کسی ایک مرض میں مبتلا ھے، تو اس کو اختیار ھے کہ وہ معاملے کو حاکم کے پاس لے جائے اور فرقت طلب کرے، لیکن اگر عورت خود ان امراض میں سے کسی مرض میں مبتلا ھو تو اس کی درخواست قبول نہ کی جائے گی اور جس زوجہ سے اس کے شوھر نے اس عیب کے باوجود صحبت کی ھو اس زوجہ کو تفریق کا حق نہیں ھے -

دفعہ ۱۲۰- جب کہ زوجہ نکاح سے قبل شوھر کے کسی عیب کے بارے میں، سوائے نامردی کے، مطلع ھوگئی یا کسی عیب پر نکاح کے بعد رضامند ھوگئی تو اس کا حق طلب تفریق ساقط ھو جائے گا - البتہ نکاح سے قبل مرد کے عنین ھونے کی اطلاع اس کے حق خیار کو ساقط نہ کرے گی -

دفعہ ۱۲۱- جب عورت دفعہ مذکور بالا کے مطابق اپنا معاملہ حاکم کے حضور پیش کرے تو دیکھا جائے گا اگر مرض ناقابل زوال ہوگا تو حاکم ان دونوں میں بلا تاخیر تفریق کرادے گا اور اگر وہ مرض قابل زوال ہوگا تو حاکم زوجہ کو ایک سال کی مہلت دے گا باعتبار مدت حادثہ یا وقت افاقہ کے ، اگر وہ شوہر مریض ہو۔

دفعہ ۱۲۲- جب عورت نکاح کے بعد مطلع ہو کہ اس کا شوہر ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہے کہ اس بیماری کے سبب اس کے ساتھ اقامت ممکن نہیں ہے، کہ وہ (اقامت) باعث ضرر ہے مثلاً جذام ، برص اور زہری (آتشک) کی بیماری پیدا ہو جائے۔ پس اس عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ حاکم کے پاس رجوع کرے اور تفریق چاہے اور حاکم دیکھے گا اگر وہ بیماری کے دور ہونے کی امید دیکھے تو تفریق کو ایک سال مؤخر کردے گا اور اگر اس مدت میں وہ بیماری دور نہ ہوئی اور شوہر عورت کو طلاق دینے پر راضی نہ ہوا اور زوجہ طلب تفریق پر مصر رہی تو حاکم تفریق کا حکم دے گا۔ شوہر کے اندھے یا لنگڑے ہونے کے سبب تفریق واجب نہ ہوگی۔

دفعہ ۱۲۳- جب کہ شوہر نکاح کے بعد پاگل ہو جائے اور زوجہ حاکم کے پاس رجوع کرے اور تفریق طلب کرے تو حاکم تفریق کو ایک سال کے لئے مؤخر کردے گا اور اگر اس مدت میں جنون دور نہ ہوا اور زوجہ نے اصرار کیا تو حاکم تفریق کا حکم دے گا۔

دفعہ ۱۲۴- زوجہ کا خیار اس مدت میں جس میں اس کے لیے خیار ہے ضروری نہیں کہ علی‌الفور ہو۔ پس اس کے لئے جائز ہے کہ دعوے کو ایک مدت تک مؤخر کردے۔ اور اس کے لئے جائز ہے کہ اپنے دعوے کو بعد اقامت کچھ مدت کے لئے ملتوی کردے۔

دفعہ ۱۳۹۔ دفعات مذکورہ بالا کے تحت تفریق کا حکم بمنزلہ طلاق بائن ہوگا۔

اردن :

عیوب اور امراض کی بناء پر تفریق کے موضوع پر اردن کا قانون لبنان کے قانون سے مختلف نہیں ہے چنانچہ اردن کے قانون الاحوال الشخصیہ کی دفعات ۸۳ تا ۸۸ لبنان کے قانون کے مطابق ہیں۔

تیونس :

تیونس کے قانون الاحوال الشخصیہ میں اس موضوع پر کوئی قانون سازی نہیں کی گئی۔

مراکش :

فصل ۵۴۔ جب کہ زوجہ اپنے شوہر میں ایسا عیب پائے جو مستحکم (قوی) ہو اور اس سے چھٹکارہ ممکن نہ ہو یا ایک سال سے زائد مدت میں ممکن ہو اور اس کے ساتھ اقامت (سکونت) بلا ضرر ممکن نہ ہو مثلاً جنون، برص اور سل، تو اس زوجہ کو اختیار ہے کہ قاضی کے ذریعہ اپنے شوہر سے طلاق طلب کرے خواہ شوہر میں وہ عیب نکاح سے پہلے ہو اور وہ اس عیب سے واقف نہ ہو یا نکاح کے بعد پیدا ہوا ہو اور وہ اس پر رضامند نہ ہوئی ہو۔ قاضی اس شوہر کو ایک سال کی مہلت دے گا پس اگر وہ مرض دور ہوگیا تو فبہا ورنہ حاکم عورت کو اس سے طلاق دلوائے گا۔

(۲) ان جنسی عیوب میں عورت کا مطالبۂ طلاق بلا تاخیر قبول کیا جائے گا جن میں اس مرض کے دور ہونے کی توقع نہ ہو۔

(۳) جب کہ عورت مرد کے عیب سے واقف تھی اور (اس علم کے باوجود) اس نے نکاح کرلیا، یا مرض عقد کے بعد پیدا ہوا اور وہ صراحتاً

یا دلالتاً علم کے بعد اس پر رضامند ہوگئی تو اس مرض کی بناء پر طلب طلاق کی مستحق نہ ہوگی۔

(۴) اگر زوجہ میں بیماری ہو مثلاً جنون، جذام، سل یا فتق (فرج کا پھٹا ہوا ہونا جو وطی یا حصول لذت میں مانع ہو) اور قبل دخول شوہر کو علم ہو تو اس شوہر کے واسطے خیار ہے۔ اگر چاہے تو طلاق دے دے اور اس پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر چاہے تو اس عورت سے صحبت کرے تب پورا مہر اس کے ذمہ واجب ہو جائے گا۔ اگر اس کو علم نہ تھا مگر دخول کے بعد علم ہوا اگر چاہے تو اس رشتہ کو قائم رکھے اور چاہے تو اس رشتہ کو رد کردے (اور ایسی صورت میں) کم سے کم مہر معروف (مہر مثل) سے جو رقم زیادہ ہوگی لوٹائی جائے گی اگر اس عورت نے دھوکہ دیا ہو۔ اور اگر اس کے ولی نے دھوکا دیا ہو تو جو کچھ (مہر) اس مرد نے عورت کو دیا ہے وہ اس سے واپس لیا جائے گا۔

(۵) بیماری کے پہچاننے میں اہل علم اطباء سے مدد لی جائے گی۔

فصل ۵۵۔ مذکورہ امراض کی بناء پر قاضی جو طلاق واقع کرائے گا وہ طلاق بائن ہوگی۔

عراق :

دفعہ ۴۴۔ (۱) جب کہ زوجہ اپنے شوہر کو نامرد پائے یا ایسے مرض میں مبتلا دیکھے جو جماع میں مانع ہو تو اس کو اختیار ہے کہ محکمہ سے تفریق کی درخواست کرے۔

(۲) جب کہ زوجہ نکاح کے بعد مطلع ہو کہ اس کا شوہر ایک ایسی علت میں مبتلا ہے کہ اس کا رھن سہن اس کے ساتھ بلا ضرر ممکن نہ ہو جیسے جذام، برص، سل، زھری (آتشک)، جنون، یا اس مرد کو ان

مرضوں میں سے بعد میں کوئی مرض ہو گیا ہو تو اس عورت کو اختیار ہے کہ وہ محکمہ سے رجوع کرے۔

(۳) جب محکمہ کو طبی معائنہ کے بعد بیماری مذکورہ فقرات ۱، ۲ دفعہ ھذا کے زائل ہونے کی توقع ہو تو محکمہ تفریق کو بیماری کے دور ہونے تک موخّر کردے گا اور زوجہ کو اختیار ہوگا کہ وہ اس مدت میں شوہر کے ساتھ میل جول کو منع کر دے۔

(۴) اگر محکمہ کو بیماری زائل ہونے کی توقع نہ ہو اور شوہر طلاق دینے سے انکاری ہو اور زوجہ طلب تفریق پر مصر ہو تو قاضی تفریق کا حکم دے گا۔

شام:

دفعہ ۱۰۵۔ زوجہ حسب ذیل صورتوں میں طلب تفریق کی مجاز ہے:

(۱) اگر شوہر میں کوئی ایسی بیماری ہے جو دخول میں مانع ہے بشرطیکہ عورت اس بیماری سے محفوظ ہے۔

(۲) جب کہ شوہر نکاح کے بعد پاگل ہو جائے۔

دفعہ ۱۰۶۔ (۱) دفعہ سابقہ میں مذکورہ بیماریوں کے سبب زوجہ کا طلب تفریق کا حق ساقط ہو جائے گا اگر اس کو نکاح سے قبل ان بیماریوں کا علم تھا اور نکاح کے بعد وہ راضی ہو گئی ہو۔

(۲) مگر لازم ہے کہ زوجہ کا (اپنے شوہر کی) نامردی کے سبب تفریق طلب کرنے کا حق کسی حالت میں ساقط نہیں ہوگا۔

دفعہ ۱۰۷۔ جب کہ بیماری دفعہ مذکورہ بالا ناقابل زوال ہو تو قاضی بلا تاخیر زوجین میں تفریق کرائے گا اور اگر اس کا زوال ممکن ہو تو دعوے کو مناسب مدت تک موّخر کر دے گا جو ایک سال سے زیادہ نہ ہو گی۔ پس اگر بیماری زائل نہ ہوئی ہو تو ان دونوں میں

تفریق کرا دے گا۔

دفعہ ۱۰۸- تفریق بسبب بیماری طلاق بائن ہے۔

مصر:

دفعہ ۹- زوجہ کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے اور شوہر کے درمیان تفریق کرے جب کہ وہ اپنے شوہر میں ایسا عیب پائے جو مستحکم ہے کہ اس سے اچھا ہونا ممکن نہ ہو یا اس سے اچھا ہونا ایک زمانۂ طویل کے بعد ممکن ہو اور اس عورت کا اپنا شوہر کے ساتھ رہن سہن بلا ضرر ممکن نہ ہو جیسے جنون، جذام، برص۔ برابر ہے کہ یہ عیب شوہر میں نکاح سے پہلے ہو اور عورت کو اس کا علم نہ ہو یا بعد نکاح پیدا ہوا ہو اور وہ عورت اس پر راضی نہ ہوئی ہو۔ پس اگر عورت نے اس مرد کے ساتھ درآنحالیکہ وہ مرد کی اس بیماری سے واقف تھی یا بیماری نکاح کے بعد پیدا ہوئی ہو، وہ اس بیماری پر صراحتاً یا دلالتاً بعد علم راضی ہو گئی تو تفریق جائز نہیں ہے۔

دفعہ ۱۰- تفریق بالعیب طلاق بائن ہے۔

دفعہ ۱۶- جن عیوب کے سبب نکاح فسخ کیا جاتا ہے ان کے بارے میں ان بیماریوں کا علم رکھنے والے اصحاب سے مدد لی جائے گی۔

پاکستان میں رائج الوقت قانون:

از روئے دفعہ ۲ ذیلی دفعات (۵) اور (۶) قانون انفساخ ازدواج مسلمانان، ۱۹۳۹ء عورت کو مرد کے نامرد ہونے کے سبب طلب تفریق کا اختیار دیا گیا ہے مرد کے دو سال سے پاگل ہونے کی بناء پر بھی عورت کو طلب تفریق کا اختیار حاصل ہے اسی طرح اگر مرد جذام، یا زہریلے تناسلی مرض میں مبتلا ہو تو اس صورت میں بھی عورت کو طلب تفریق کا اختیار دیا گیا ہے۔

تفریق بسبب نامردی

۱۲۲ - (۱) جس عورت کا نکاح شرع اسلام کے بموجب منعقد ہوا ہو برین بناء عدالت سے تنسیخ نکاح کا حکم حاصل کر سکتی ہے کہ اس کا شوہر بوقت نکاح نامرد تھا نیز یہ کہ اس کی وہ حالت برقرار ہے۔

(۲) شوہر کی درخواست پر عدالت پر لازم ہوگا کہ بربناء نامردی تنسیخ نکاح کا حکم جاری کرنے سے قبل شوہر کو ایک سال کی مہلت دے تاکہ شوہر اس ایک سال کی مدت میں عدالت کو مطمئن کر سکے کہ وہ نامرد نہیں رہا۔ اگر شوہر اس مدت میں عدالت کو مطمئن کرسکا تو عدالت نامردی کی بناء پر تنسیخ نکاح کا حکم دینے کی مجاز نہ ہوگی۔

تشریح

نامرد کی تعریف:

فقہی اصطلاح میں نامرد (عنین) اس شخص کو کہتے ہیں جو عضو تناسل رکھنے کے باوجود عورت سے جماع کرنے پر قادر نہ ہو، خواہ یہ حالت پیدائشی ہو یا کسی مرض کے سبب پیدا ہوئی ہو یا کمزوری یا بڑھاپے یا کسی اور وجہ سے پیدا ہوئی ہو۔ اگر کوئی ایسا شخص جو بعض عورتوں سے جماع کرنے پر قادر ہے مگر بعض عورتوں سے جماع کرنے پر قادر نہیں تو وہ شخص ان بعض عورتوں کے حق میں جن سے جماع کرنے پر قادر نہیں ہے نامرد سمجھا جائے گا یا جس مرد کو عورت کی مخالطت سے قبل ہی انزال ہو جاتا ہو، نامرد سمجھا جائے گا۔[۱۹]

ایسے مرد کی زوجہ کو جو اس سے جماع کرنے پر قادر نہ ہوا ہو شرع نے بذریعہ عدالت طلب تفریق کا اختیار دیا ہے اور یہ اختیار زوجہ کے

---

(۱۹) فتاوی عالمگیری، جلد ۲، صفحہ ۱۵۵
ردالمحتار مع درالمختار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۶۱۸

مطالبہ کی تاخیر سے خواہ کتنا عرصہ گزر جائے باطل نہیں ہوتا ۔[۲۰]

جب زوجہ اپنا معاملہ عدالت کے روبرو پیش کرے تو قاضی کے لئے لازم ہے کہ وہ شوہر سے حقیقت حال معلوم کرے ۔ اگر شوہر اس بات کا اقرار کرے کہ وہ اس عورت سے جماع کرنے پر قادر نہیں ہوا تو حاکم عدالت علاج کرنے کے لئے اس کو ایک سال کی مہلت دے گا ۔ لیکن اگر شوہر عورت سے جماع کرنے کا ادّعا کرے اور عورت کنواری ہونے کی مدعی نہ ہو تو شوہر سے حلف لیا جائے گا اگر اس نے قسم کھا لی کہ اس نے اس عورت سے جماع کیا ہے تو عدالت زوجہ کی درخواست مسترد کر دے گی لیکن اگر شوہر حلف لینے سے انکاری ہو تو عدالت اس کو علاج کرنے کے لیے ایک سال کی مہلت دے گی ۔ لیکن اگر عورت اس بات کی مدعی ہے کہ وہ کنواری ہے تو عدالت اس عورت کے طبی معائنہ کا حکم دے گی اگر طبی معائنہ کی رو سے عورت کا باکرہ ہونا ثابت نہ ہو تو شوہر سے حلف لیا جائے گا اگر اس نے قسم کھائی کہ اس نے اپنی زوجہ سے جماع کیا ہے تو عدالت تفریق کا حکم جاری نہ کرے گی لیکن اگر شوہر حلف لینے سے انکار کرے تو عدالت ایک سال کی مہلت دے گی ۔ لیکن اگر طبی معائنہ سے یہ ثابت ہو کہ عورت اس وقت تک کنواری ہے تو عدالت شوہر سے حلف لئے بغیر اس کو علاج کی غرض سے ایک سال کی مہلت دے گی ۔[۲۱] اسی طرح اگر عورت اپنے ثیبہ ہونے (کنوارے پن کے ازالہ) کے متعلق یہ کہے کہ شوہر نے اس کا

---

(۲۰) ”وھو ای ھنا الخیار علی التراخی لا الفور فلو وجدتہ عنیناً اور مجباً ولم تخاصم زمانا لم یبطل حقھا“ (ردالمحتار مع درالمختار ، ابن عابدین ، مطبوعہ مصر ، ۱۲۵٦ ھجری ، جلد ۲ ، صفحہ ٦۱۲)

(۲۱) فتاوی عالمگیری (عربی) ، مطبع مجیدی کان پور ، جلد ۲ ، صفحات ۵٦-۱۵۵ ردالمحتار مع درالمختار ، ابن عابدین ، مطبوعہ مصر ، ۱۲۵٦ ھجری ، جلد ۲ ، صفحہ ٦۱۲

ازالہ انگلی سے یا کسی دوسرے طریقے سے کیا ہے وطی سے نہیں اور شوہر وطی کرنے کا مدعی ہو تب بھی یہی حکم ہوگا۔[۲۲] حنفیہ کے نزدیک ڈاکٹری معائنہ کا نتیجہ کہ اس کی بکارت کس طرح زائل ہوئی معتبر ہوگا لیکن افضل یہ ہے کہ ڈاکٹرنیوں کی تعداد ۲ ہو۔[۲۳]

ایک سال کی مدت حاکم عدالت کے مہلت دینے کی تاریخ سے شمار ہوگی اس سے پہلے خواہ کتنی ہی مدت گزر چکی ہو اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔[۲۴]

اگر ایک سال کی مدت میں شوہر کسی طرح علاج کرکے تندرست ہوگیا اور ایک مرتبہ بھی عورت سے جماع کرنے پر قادر ہوگیا تو عورت کا اس بناء پر فسخ نکاح کا حق باطل ہو جائے گا۔

لیکن اگر اس ایک سال کی مدت میں شوہر ایک بار بھی عورت سے جماع پر قادر نہ ہو سکا تو عدالت عورت کی خواہش پر، شوہر کو طلاق دینے کا حکم دے گی۔ اگر شوہر طلاق دینے سے منکر ہو تو عدالت خود تفریق کردے گی۔[۲۵]

پاکستان میں رائج الوقت قانون:

از روئے دفعہ ۲ (۵) قانون انفساخ ازدواج مسلمانان، ۱۹۳۹ء

(۲۲) ردالمحتار مع درالمختار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۲۱۳

(۲۳) کتاب الفقہ فی مذاہب اربعہ، عبدالرحمٰن الجزیری، مطبوعہ مصر، جلد ۴، صفحہ ۱۹۷

(۲۴) المبسوط، امام سرخسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۵، صفحہ ۱۰۲

(۲۵) فتاوی عالمگیری، (عربی) مطبع مجیدی کانپور، جلد ۲، صفحہ ۱۵۶
ہدایہ (اولین) برہان الدین مرغینانی (۵۹۳ ہجری) قرآن محل کراچی، باب العنین، صفحہ ۴۲۱
ردالحتار مع حاشیہ درالمختار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ہجری، باب العنین، جلد ۲، صفحہ ۶۱۱

عورت کو مرد کی نامردی کے سبب طلب تفریق کا اختیار دیا گیا ہے اور عدالت شوہر کی درخواست پر ایک سال کی مہلت بھی دینے کی پابند ہے۔

کتب فقہ میں نامرد کو ایک سال کی مہلت بطور ایک قاعدہ کلیہ کے معلوم ہوتی ہے موجودہ قانون میں ''شوہر کی درخواست پر'' کی قید لگا کر قانون کو حقیقت سے قریب تر لایا گیا ہے جو تنازعہ کے جلد تصفیہ میں مدد پہنچانے کا موجب ہے۔

تفریق بسبب جُب یا قطع عضو

۱۲۳۔ اگر شوہر مقطوع الذکر یا خصی ہو یا اس کا عضو مخصوص بہت چھوٹا یا مثل نہ ہونے کے ہو تو زوجہ بذریعہ عدالت طلب تفریق کی مجاز ہوگی اور عدالت شوہر کے مجبوب یا مقطوع الذکر ہونے کی تحقیق کے بعد بلا مہلت شوہر کو طلاق دینے کا حکم دے گی اور اس کے انکار کرنے کی صورت میں خود تفریق کرنے کی مجاز ہوگی۔

تشریح

نامرد ہونے کی صورت میں ایک سال کی مہلت اس غرض سے رکھی گئی ہے کہ شاید علاج وغیرہ سے ٹھیک ہو جائے لیکن جس شخص کا عضو تناسل کٹا ہوا ہو یا اس قدر چھوٹا ہو کہ نہ ہونے کے برابر تو اس کو سال بھر مہلت دینے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی تحقیق کے بعد عدالت عورت کی خواہش پر تفریق کا حکم دے سکتی ہے۔[۲۶]

تفریق بسبب جنون

۱۲۴۔ زوجہ کو شرعاً حق حاصل ہے کہ شوہر کے جنون کے سبب بذریعہ عدالت تفریق حاصل کر لے۔

---

(۲۶) فتاوی عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، باب العنین، صفحہ ۱۵۷

ردالمحتار مع درالمختار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ ھجری، جلد ۲، صفحہ ۶۰۹

تشریح

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک زوجہ کو شوہر کے جنون کی بناء پر تفریق طلب کرنے کا حق نہیں ہے لیکن امام محمد کے نزدیک اس کو یہ حق حاصل ہے کہ قاضی کی عدالت میں درخواست دے کر تفریق کا مطالبہ کرے اور مجنون کی زوجیت سے علیحدگی حاصل کر لے بشرطیکہ جنون اس درجہ کا ہو کہ اس (مجنون) شوہر کے ساتھ رہن سہن ناممکن ہو۔

ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی جنون کی صورت میں عورت کو طلب تفریق کا اختیار حاصل ہے۔ جنون مطبق (مسلسل) کی صورت میں عدالت کو بلا مہلت تفریق کا حکم دے دینا چاہئے جب کہ جنون غیر مطبق (غیرمسلسل) کی صورت میں ایک سال کی مہلت دئے جانے کا ذکر کتب فقہ میں ملتا ہے۔ جنون مطبق اور غیر مطبق کی حد کیا ہے؟ اس کے متعلق صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ جو جنون عارضی ہو اور جس میں افاقہ ہوتا رہتا ہو وہ جنون غیر مطبق کہلائے گا۔ اس کی مخالف صورت جنون مطبق کی ہوگی جس میں جنون اپنی اصل حالت پر مسلسل قائم رہتا ہے اور مریض کو افاقہ نہیں ہوتا۔

تجویز:

زیر دفعہ ۲ (۶) قانون انفساخ ازدواج مسلمانان ایکٹ ۱۹۳۹ء کے تحت زوجہ کو اس صورت میں طلب تفریق کا اختیار دیا گیا ہے جب کہ شوہر دو سال سے جنون کے مرض میں مبتلا ہو، گویا عورت کو طلب تفریق کا حق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ شوہر کو جنون کے مرض میں

دو سال گزر چکے ہوں ۔ اس صورت میں شوہر کو علاج کے لئے مہلت دیے جانے کا کوئی ذکر نہیں اور نہ ہی جنون مطبق و غیر مطبق کے احکام کے درمیان کسی تخصیص و امتیاز کا لحاظ رکھا گیا ہے ۔ کتب فقہ کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنون غیر مطبق کی صورت میں فقہاء شوہر کو ایک سال کی مہلت بغرض علاج دئے جانے کے حق میں ہیں ۔ مناسب ہوگا اگر رائج الوقت قانون میں جنون کی مدت دو سال کے بجائے ایک سال کر دی جائے اور ایک سال کی مدت بغرض علاج مہلت کے لئے قرار دی جائے۔

اس ضمن میں اس طرف اشارہ کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مرد کا نامرد ہونا حق تفریق کے لئے اس وقت معتبر ہوگا جب کہ وہ نامردی نکاح کے وقت مرد میں موجود ہو اگر بعد میں نامرد ہوا ہو تو عورت کو طلب تفریق کا حق نہ ہوگا ۔ جنون کی صورت میں یہ قید نہیں بلکہ نکاح سے پہلے سے یا بعد جب بھی جنون ظاہر ہو عورت کو طلب تفریق کا حق حاصل ہوگا ۔

شرائط تفریق :

حنفیہ کے نزدیک جنون کے سبب تفریق حاصل کرنے کے اختیار پر بھی کم و بیش وہی پابندیاں یا شرائط عائد ہیں جو شوہر کے نامرد ہونے کی صورت میں بیان کی گئی ہیں ۔ چنانچہ نکاح سے پہلے عورت کو شوہر کے پاگل ہونے کا علم نہ ہو، نکاح کے بعد علم ہو جانے پر صراحتاً اس کے ساتھ رشتہ ازدواج برقرار رکھنے پر رضامندی کا اظہار نہ کیا ہو ۔

مہر اور عدت کا حکم :

اگر نکاح کی تنسیخ خلوت صحیحہ سے قبل عمل میں آئے تو شوہر کے ذمہ مہر ساقط ہو جائے گا اور اس صورت میں عدت کی بھی ضرورت نہ

ہوگی کیونکہ قبل دخول تفریق کی صورت میں عورت پر کوئی عدت واجب نہیں ہوتی ۔ لیکن اگر جنون کا علم خلوت صحیحہ کے بعد ہوا اور اس کے بعد نکاح کی تنسیخ عمل میں آئی تو اس صورت میں مرد کے ذمہ پورا مہر واجب ہوگا اور عورت پر عدت واجب ہوگی ۔[۲۷]

تفریق بسبب جذام و برص

۱۲۵ ۔ شوہر میں جذام یا برص یا اسی قسم کا کوئی مرض پائے جانے کی صورت میں زوجہ عدالت کے ذریعہ تنسیخ نکاح کا حکم حاصل کرنے کی مجاز ہوگی بشرطیکہ مرض کی نوعیت کے پیش نظر عدالت اس امر پر مطمئن ہوکہ باہمی معاشرت ممکن نہیں ہے اور مقاصد نکاح کے فوت ہو جانے کا غالب امکان موجود ہے ۔

تشریح

جیسا کہ سابقہ دفعات کی تشریحات سے واضح ہوگا کہ برص، جذام، سل وغیرہ متعدی امراض کے بارے میں عورت کو طلب تفریق کا اختیار دینے کے سلسلے میں اختلاف رہا ہے لیکن معاشرتی انصاف اس امر کا مقتضی ہے کہ زوجہ کو ان امراض کے سبب بھی حق تفریق ہونا چاہئے ۔ بالخصوص احناف میں امام محمد کے نزدیک اور دیگر مذاہب فقہ کے اکثر ائمہ کے نزدیک زوجہ کے اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے ۔

بلاد اسلامیہ میں بھی اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے اور خود پاکستان میں رائج الوقت قانون ''انفساخ ازدواج مسلمانان مجریہ' ۱۹۳۹ع'' کے تحت بھی ان امراض کی بناء پر زوجہ کے طلب تفریق کے اختیار کو قانونی حیثیت دے دی گئی ہے ۔

تفریق بسبب مرض یا عیب کی شرائط

۱۲۶ ۔ (الف) اگر زوجہ مرد کے عیب یا مرض سے بوقت نکاح واقف تھی اور اس علم کے باوجود اس سے نکاح کر لیا تو اس کا اس مرض یا عیب کی بناء پر طلب تفریق کا حق ساقط ہوجائے گا، ماسوائے نامردی کے ۔

(۲۷) فتاوی عالمگیری، (عربی) مطبع مجیدی، کان پور، جلد ۲، صفحہ ۱۳۳
مجمع الانہر، داماد آفندی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۷ ہجری، جلد ۱، صفحہ ۴۷۰

(ب) اگر مرض یا عیب مذکورہ دفعہ سابقہ نکاح کے بعد پیدا ہوا اور عورت اس پر راضی ہو گئی تو اس کا حق ساقط ہو جائے گا۔

(ج) مرض یا عیب کے علم میں آ جانے کے بعد زوجہ کی صریحی رضامندی کی غیر موجودگی میں اس کا اپنے شوہر کے ساتھ رہنا سہنا رضامندی یا اسقاط حق کے مترادف نہ سمجھا جائے گا۔

تشریح

فقہاء کے درمیان مرض یا عیب کی بناء پر طلب تفریق کے حق کے بارے میں حسب ذیل صورتوں میں مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آتے ہیں :

(۱) وہ مرض نکاح سے پہلے موجود تھا یا بعد کو پیدا ہوا ؟

(۲) مرض نکاح سے پہلے موجود ہونے کی صورت میں زوجہ کو اس کا علم تھا یا نہیں ؟

(۳) اگر علم تھا تو اس کا حق طلب تفریق ساقط ہوگا یا نہیں ؟

(۴) اگر مرض نکاح کے بعد پیدا ہوا تو وہ اس پر راضی ہو گئی یا نہیں ؟

(۵) رضامندی صریحی ہو یا معنوی ؟

(۶) علم میں آ جانے کے بعد علی‌الفور دعویٰ کیا جائے یا تاخیر جائز ہے ، اگر تاخیر جائز ہے تو کس قدر ؟

حنفیہ :

۱- حنفیہ کے نزدیک مرد کے نامرد ہونے کی بناء پر عورت کو طلب تفریق کا صرف اس صورت میں اختیار ہوگا جب کہ نکاح سے پہلے اس شخص کے نامرد ہونے کا علم نہ ہو۔ اگر بوقت نکاح اس کے نامرد ہونے کا علم ہو اور اس علم کے باوجود نکاح پر آمادگی ظاہر کی تو پھر اس

کو طلب تفریق کا حق نہ ہوگا۔[٢٨] لیکن فتاویٰ تاتار خانیہ میں لکھا ہے
کہ اس کو حق ہوگا۔[٢٩]

٢- اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی اس عورت سے جماع پر قادر نہ ہوا ہو۔ اگر ایک مرتبہ بھی جماع کر چکا ہے تو عورت کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہ ہوگا خواہ اس کے بعد وہ نامرد ہوگیا ہو۔[٣٠]

شیخ ابن ہمام نے اپنی مشہور تصنیف ''فتح القدیر''[٣١] میں لکھا ہے کہ اگر عورت نے نامرد یا خصی کے ساتھ نکاح کر لیا جو جماع میں مانع ہے اور وہ مرد کے اس عیب کو جانتی تھی تو اسے نکاح فسخ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے کیوں کہ اس نے اپنی رضامندی سے اپنے حق کو ساقط کر دیا۔ لیکن اگر اس نے نکاح کیا اور وہ اس مرد کے عیب سے واقف نہ تھی پس جب وہ عیب ظاہر ہو تو اس کو چاہئے کہ قاضی سے طلب تفریق کرے۔ اس کے سکوت کو رضامندی نہ سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر اس مرد نے ایک بار بھی جماع کر لیا تو اس عورت کا حق ساقط ہو جائے گا۔[٣٢]

---

(٢٨) فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی، کان پور، جلد ٢، صفحہ ٥٦-١٥٥
ردالمحتار مع درالمختار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ١٢٥٦ ھجری، جلد ٢، صفحہ ٦١٢
فتاوی قاضی خان، جلد اول، مطبع مصطفائی، دھلی، صفحہ ١٨٨

(٢٩) ردالمختار بر حاشیہ ردالمحتار، مطبوعہ مصر ١٢٧٢ ھجری، جلد ٢، صفحہ ٥٩٧

(٣٠) ردالمحتار مع درالمختار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ١٢٥٦ ھجری، جلد ٢، صفحہ ٦٠٩
فتاوی قاضی خان، مطبع مصطفائی، جلد اول، صفحات ٨٩-١٨٨

(٣١) فتح القدیر، ابن ہمام، مطبوعہ مصر، ١٢٥٦ ھجری، جلد ٣، صفحہ ٢٦٣

(٣٢) بحر الرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ١٣١١ ھجری، جلد ٣، صفحہ ١٣٥

مالکیہ :

مالکیہ کے نزدیک مرد کو جذام یا برص ہونے کی صورت میں خواہ نکاح سے پہلے ہو یا بعد میں عورت کو طلب تفریق کا حق ہوگا۔ جنون کے مسئلہ میں بھی یہی صورت ہے البتہ اشہب کے قول کے مطابق جنون بعد نکاح کی صورت میں طلب تفریق کا حق نہیں ہے۔ [۳۳]

نامردی کے باوجود دخول کے بعد عورت کا حق ساقط ہوجاتا ہے۔[۳۴]

شافعیہ :

مرض یا عیب کے دخول سے پہلے ہونے یا بعد میں ہونے کے سلسلے میں فقہاء شافعیہ نے کوئی فرق نہیں کیا لیکن ان کے نزدیک ماسوائے نامردی کے دیگر امراض و عیوب کا علم اگر زوجہ کو نکاح سے قبل ہو گیا تو اس کا حق طلب تفریق ساقط ہو جائے گا۔[۳۵] چنانچہ اگر اس عورت کو اس مرد سے نکاح کرنے سے قبل علم ہو کہ اس کا ہونے والا شوہر نامرد ہے اور پھر اس سے نکاح کرلینے پر راضی ہوگئی یا اس سے نکاح کر لینے کے بعد علم ہوا اور پھر اس کے ساتھ رہنے سہنے پر راضی ہوگئی تو (عورت کا یہ فعل) اس کے تفریق طلب کرنے کے اختیار کو منقطع نہیں کرتا۔ البتہ ماسوائے نامردی کے دیگر عیوب کی صورت میں علی الفور تفریق طلب کرنا شرط ہے[۳۶]۔ چنانچہ عورت طلب تفریق پر قادر ہو اور تفریق طلب نہ کرے تو یہ تصور کیا جائے گا کہ اس کا حق ساقط ہوگیا۔ نامردی کے سلسلے میں استثناء کا سبب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے نامردی ایک وقت پائی جائے اور دوسرے وقت نہ پائی جائے اسی طرح نامردی کے معاملے میں عورت، عورت میں بھی فرق ہوتا ہے۔

---

(۳۳) حاشیہ دسوقی، جلد ۲، صفحات ۳۲۵-۲۷
(۳۴) مواہب الجلیل، جلد ۳، صفحہ ۴۸۶
(۳۵) المغنی المحتاج، جلد ۳، صفحہ ۲۰۴
(۳۶) المیزان الکبریٰ، علامہ شعرانی، مطبوعہ مصر جلد صفحہ ۱۱۵

ہوسکتا ہے کہ ایک مرد کنواری کے لئے نامرد ہو اور شادی شدہ کے لئے نامرد نہ ہو یا اس کے بر عکس۔

حنبلیہ :

حنبلی فقہ کی رو سے بھی مرد کی نامردی کے سبب اس کا حق تفریق ساقط نہ ہوگا تا آنکہ وہ صراحت کے ساتھ اس پر اپنی رضامندی کا اظہار نہ کر دے خواہ عورت عقد کے وقت مرد کے عنین ہونے کو جانتی ہو۔ چنانچہ ابن قدامہ مقدسی نے اپنی کتاب المغنی میں لکھا ہے کہ اگر عورت عیب پر راضی ہوگئی اور عقد کر لیا یہ جانتے ہوئے کہ مرد میں (فلاں) عیب ہے تو اس کا حق طلب تفریق باقی نہ رہے گا۔ لیکن زوجہ کا حق طلب تفریق نامردی کے سبب ساقط نہ ہوگا الا یہ کہ وہ بہ صراحت کہے کہ میں اس کو نامردی کے باوجود قبول کرتی ہوں یا وہ نامردی پر راضی نہ ہو جائے۔ چنانچہ اگر وہ خاموش رہی تو اس کی خاموشی کو رضامندی پر محمول نہ کیا جائے گا۔ پس جب زبان سے کہتی ہے تو وہ اس کی رضامندی پر دلالت کرے گا اور جب اس پر وہ راضی ہو گئی تو اس کا خیار ساقط ہو جائے گا۔

جعفریہ :

جعفریہ فقہ کی رو سے اگر مرد پاگل ہے تو خواہ وہ نکاح سے پہلے ہو یا بعد، زوجہ سے صحبت ہوئی یا نہ، زوجہ کو طلب تفریق کا حق ہوگا۔ لیکن مرد کے نامرد ہونے کی صورت میں دخول شرط ہے اگر دخول ہوگیا تو عورت کا حق ساقط ہوگیا خواہ وہ نکاح سے پہلے نامرد ہو یا بعد کو ہوا ہو۔

دیگر عیوب کے بارے میں فقۂ جعفریہ میں دو اقوال ملتے ہیں ایک یہ کہ اگر وہ نکاح سے قبل موجود ہوں اور عورت کو ان کا علم نہ ہو

تو اس کو حق طلب تفریق حاصل ہوگا ۔ دوسرا یہ کہ اگر دخول ہو گیا تو حق ختم ہو جائے گا خواہ وہ مرض یا عیب نکاح کے وقت موجود ہو یا نہ ۔[۳۷] اسی طرح ان کے نزدیک بھی علم میں آ جانے کے فوراً بعد تفریق طلب کرنا چاہئے ۔[۳۸]

نتیجۂ فکر :

فقہاء کے متذکرہ بالا نقطہ ہائے نظر کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ عیوب و امراض کے باوجود عورت کا نکاح پر راضی ہو جانا اس کے حق طلب تفریق کے ساقط کر دینے گا موجب قرار دیا جانا چاہیئے البتہ اس قاعدہ سے مرد کے عنین ہونے کو مستثنیٰ قرار دیا جانا چاہیے اس سلسلہ میں احناف کے مقابلہ میں دیگر مکاتیب فکر کی رائے قرین صواب معلوم ہوتی ہے ۔

اس کی دو عقلی دلیلیں ہیں ۔ ایک یہ کہ کسی مرد کا ایک عورت کے حق میں نامرد پایا جانا دوسری عورت کے حق میں بھی نامرد پایا جانا شرعاً لازم قرار نہیں دیا جا سکتا اور دوسری یہ کہ اگر ایک عورت جس کے شوہر کی ایک سے زائد بیویاں ہوں ، اپنے حق استفراش (ہم بستری کے حق) سے دست بردار ہو جائے تو وہ اس حق کو واپس لے سکتی ہے ۔ اسی طرح باوجود علم کے اس کا حق استفراش ساقط نہ ہوگا اور جب مرد کی نامردی کے سبب اس کا حق استفراش مفقود یا ناممکن پایا جائے تو طلب تفریق کا حق بحال ہوگا ۔ کیونکہ اصل مقصود نکاح کے مقاصد کا حصول ہے ۔

اسی طرح صریحی رضا مندی کے بغیر عورت کا حق طلب تفریق ساقط نہ ہونا چاہیے ۔ چنانچہ اس کا شوہر کے ساتھ محض رہنا سہنا اس کے

---

(۳۷) الروضۃ الندیہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۲۵ -

(۳۸) جواہر الکلام ، جلد ۵ ، صفحہ ۱۷۶ -

حق کے اسقاط کے مترادف قرار نہیں دیا جانا چاہیے۔ اسی طرح اگر زوجہ مرض یا عیب کے علم میں آ جانے کے بعد بھی فی‌الفور تفریق کا دعویٰ نہ کرے تو اس سے اس کا حق تمادی پذیر نہ ہوگا۔ بعض اوقات عورت نفسیاتی اور سماجی اثرات کے تحت کچھ عرصے خاموش رہتی ہے۔

تفریق بسبب عیب کا اثر

۱۲۷۔ تفریق بالعیب یا مرض ایک طلاق بائن کے حکم میں داخل ہوگی۔

تشریح

احناف اور مالکیوں کے نزدیک تفریق بالعیب طلاق بائن کا حکم رکھتی ہے۔[۳۹] لیکن شافعیہ اور حنبلیہ کے نزدیک یہ طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے۔[۴۰] جعفریہ بھی اس کو فسخ ہی کہتے ہیں۔[۴۱] البتہ عربی ممالک کے رائج الوقت قوانین میں اس تفریق کو طلاق بائن قرار دیا گیا ہے۔

طلاق بائن قرار دینے کا سبب یہ ہے کہ شوہر کے عیوب و امراض کی بناء پر جب عورت مرد سے تفریق کی طالب ہوتی ہے تو مرد پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اس کو طلاق دے دے۔ چونکہ مرد طلاق نہیں دیتا لہٰذا عدالت شوہر کے نائب کی حیثیت سے ضرر کو دور کرنے کے لئے تفریق کا حکم دیتی ہے۔

---

(۳۹) ہدایہ (عربی) قرآن محل۔ کراچی
ردالمحتار مع درالمختار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ ہجری، صفحہ ۲۲۱
فتاوی عالمگیری، (عربی) مطبع مجیدی کان پور، جلد ۲، صفحہ ۱۳۳
فتاوی قاضی خان، مطبوعہ مصطفائی، دہلی، جلد اول، صفحہ ۱۸۹

(۴۰) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۷، صفحہ

(۴۱) جواہر الکلام، صفحہ ۱۷۶
العروۃ الوثقی، محمد کاظم طبا طبائی، مطبوعہ دارالسلام، بغداد، ۱۳۳۰ ہجری صفحہ ۷۵۲

سولھواں باب

تفریق بسبب ظلم و ضرر

تفریق بسبب ظلم

۱۲۸۔ زوجہ اپنے شوہر کے ظلم و ضرر کے سبب بذریعہ عدالت تفریق طلب کرنے کی مجاز ہے۔

تشریح

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:

''وان خافت من بعلها نشوزاً او اعراضاً فلا جناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحا و الصلح خیر۔''

اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:

''فان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکما من اهله و حکما من اهلها ان یریدا اصلاحاً یوفق الله بینهما۔''

ان آیات میں خطاب کس سے ہے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ حاکم وقت کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر تم زوجین کے درمیان ناچاقی دیکھو تو تم پر واجب ہے کہ ان کے خاندانوں میں سے زوجین کی اصلاح کی غرض سے ایک ایک حکم بلاؤ۔ تفسیر طبری میں بروایت سعید بن جبیر لکھا ہے کہ اس آیت کا مخاطب سلطان ہے۔[1]

امام جصاص نے لکھا ہے کہ اس آیت کے مخاطب جیسا کہ سدی سے روایت ہے مرد و عورت ہیں۔[2]

---

(۱) ''السطان الذی یرفع ذلک الیه لما مروی عن سعید بن جبیر'' تفسیر طبری (۳۱۰ھ) المطبعۃ الامیریۃ، ۱۳۲۳ ہجری، جلد ۸، صفحہ ۳۱۸

(۲) ''ماروی عن السدی انه الرجل والمرأة'' احکام القرآن، امام جصاص (۳۷۰ھ) مطبعۃ الاستانہ، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۲۳۲

لیکن صحیح یہ ہے کہ ''ان خفتم'' میں خطاب امراء یعنی شرفاء شہر یا حکام سے ہے ۔ قرآن پاک کی یہ آیت عرب کے اس سماجی نظام کو اپنے پس منظر میں رکھتی ہے جہاں حکومت کی جانب سے باضابطہ محکمۂ قضا قائم نہ تھا بلکہ قبیلوں کے سردار ہی اپنے اپنے افراد کے مابین تنازعات کے فیصلے کیا کرتے تھے ۔ لہذا اس آیت میں ''ان خفتم'' سے اولاً قبائلی سرداران اور ثانیاً حکام مراد ہیں ۔

شقاق :

اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں جس چیز کا خوف حکم مقرر کرنے کو واجب قرار دیتا ہے وہ ''شقاق'' ہے ۔ ''شقاق'' کے لفظی معنی ''اختلاف'' کے ہیں ۔ یہ لفظ ''شق'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''طرف یا جانب'' کے ہیں ۔ چونکہ باہمی اختلاف کے سبب زوجین دو اطراف میں بٹ جاتے ہیں اس لئے اس صورت حال کو قرآن ''شقاق'' سے تعبیر کرتا ہے جس کو اردو زبان میں ''ناچاق'' کہا جا سکتا ہے ۔

ارادۂ اصلاح :

اس آیت میں ''ان یریدا اصلاحا'' سے دونوں حکم کا ارادہ مراد ہے ۔ یہ قول ابن عباس اور مجاہد کا ہے یعنی دونوں حکم اصلاح کا ارادہ کریں تو اللہ تعالی زوجین میں موافقت پیدا کر دے گا ۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ ''ان یریدا اصلاحا'' سے مراد زوجین ہیں کہ اگر وہ اصلاح کا ارادہ کریں یعنی حکموں کو صحیح صحیح بات بتا دیں تو اللہ تعالی ان زوجین میں موافقت پیدا کر دے گا ۔[۳]

---

(۳) تفسیر جامع الاحکام القرآن، امام قرطبی، مطبوعہ مصر، جلد ۵، صفحات ۱۷۵-۱۷۹

حکم کے معنی :

اس آیت میں ''حکم'' کی جو اصطلاح استعمال کی گئی ہے وہ بھی محل نظر ہے ۔ ''حکم'' کے متعدد معنی آتے ہیں ۔ اس کے عام معنی حاکم[۴] یا قاضی (یا ثالث) کے ہیں ۔ اس کے لغوی معنی منع کرنے کے ہیں جیسا کہ ابن عباس سے مروی ہے ۔[۵] چنانچہ تاج العروس میں ''حکم'' کو منع کرنے کے معنی میں استعمال کئے جانے کی بہت سی مثالیں موجود ہیں ۔[۶] نیز حکم کے معنی ''المنصف من نفسه'' بھی لکھے ہیں ۔[۷] امام راغب اصفہانی نے اپنی مشہور تصنیف ''المفردات فی غریب القرآن'' میں لکھا ہے کہ ''حکم'' کے اصلی معنی کسی چیز کی اصلاح کے لئے روک دینے کے ہیں ۔[۸]

ابن حزم نے المحلٰی میں لکھا ہے کہ جب مرد و عورت کے درمیان جھگڑا ہو تو حاکم ایک حکم اس (مرد) کے اہل خاندان میں سے اور ایک حکم اس (عورت) کے اہل خاندان میں سے بلائے گا ۔[۹]

المغنی میں لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ وہ دونوں حکم زوجین کے اہل خاندان میں سے ہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جو حکم فرمایا ہے وہ اس بناء پر ہے کہ دونوں (زوجین کے معاملات میں) زیادہ شفیق اور زیادہ جاننے والے ہوتے ہیں ۔ پس اگر وہ دونوں غیر اہل خاندان ہوں تب بھی جائز ہوگا کیونکہ قرابت تحکیم اور وکالت میں شرط نہیں ہوتی ۔ لہٰذا اللہ

---

(۴) ''الحکم.........بمعنی الحاکم و هوالقاضی'' نہایہ ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۲۸۰

(۵) لسان‌العرب، ابن منظور، جلد ۱۵، صفحہ ۳۳

(۶) تاج‌العروس، زبیدی، جلد ۸، صفحہ ۲۵۳

(۷) تاج‌العروس، زبیدی، جلد ۸، صفحہ ۲۵۴

(۸) مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی (۵۰۲ھ)، اردو ترجمہ، مطبوعہ لاہور، صفحہ ۲۳۷

(۹) المحلی، امام ابن حزم، مطبوعہ مصر، جلد ۱۰، صفحہ ۸۷

تعالیٰ کا (حَکَم کے اهل خاندان میں سے هونے کا) حُکم استحباب کے طور پر ہے۔[10]

حکموں کا دائرۂ اختیار :

حکموں کے بارے میں فقہاء میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ صرف اصلاح کرنے پر مامور هیں یا اصلاح نہ هو سکنے کی صورت میں زوجین میں تفریق کردینے کے بھی مجاز هیں ؟

ایک گروہ :

چنانچہ ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ وہ حکم صرف اصلاح کی غرض سے مقرر کئے جائیں گے انھیں تفریق کا کوئی اختیار نہ هوگا الّا یہ کہ زوجین انھیں یہ اختیار دے دیں ۔ تابعین میں حسن بصری، عطاء ، قتادہ، امام ابو حنیفہ اس کے قائل هیں ۔ امام شافعی کا دوسرا قول اس کی تائید میں ملتا ہے اور احمد ابن حنبل بھی ایک روایت میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ هیں ۔ ظاهریہ اور شیعہ امامیہ بھی اسی مسلک کے پیرو هیں ۔

مشہور حنفی امام الجصاص نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں لکھا ہے کہ همارے (حنفی) اصحاب نے کہا ہے کہ حکموں کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ زوجین میں تفریق کرائیں الّا یہ کہ زوجین راضی هوں کیونکہ حاکم انھیں (حکموں کو) اس اختیار (تفریق کرا دینے) کا مالک نہیں بناتا پس حکم کس طرح اس اختیار کے مالک بن سکتے هیں ۔ وہ حکم سوائے وکیل کے اور کچھ نہیں هیں ۔[11]

---

(۱۰) المغنی ، ابن قدامہ مقدسی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۶۷ هجری ، جلد ۷ ، صفحہ ۱۷۱

(۱۱) ''قال اصحابنا لیس للحکمین ان یفرقا الا برضا الزوجین لان الحاکم لایملک ذالک فکیف یملکہ الحکمان ، وانما الحکمان وکیلان ۔'' (احکام القرآن ، الجصاص ، (متوفی ۳۷۰ھ) مطبوعہ طبع الاستانہ ۱۳۲۸ هجری ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۳۳)

شافعی فقہ کی مشہور ترین کتاب ''کتاب الام'' میں لکھا ہے کہ اللہ عزو جل نے فرمایا کہ ''اگر تم ان زوجین کے درمیان ناچاقی کا خوف کرو تو بھیجو ایک حکم شوہر کے خاندان میں سے اور ایک زوجہ کے خاندان میں سے''۔ پس اللہ زیادہ جاننے والا ہے اس چیز کا جس کا اس نے ارادہ فرمایا ہے۔ بہرحال آیت کا ظاہر (مفہوم) یہ ہے کہ زوجین کے درمیان ناچاقی کا خوف اس طرح ہو کہ زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کے خلاف منع حق کا دعویٰ کرے اور دوسرا اس شئے کے عطا کرنے پر تیار نہ ہو جس سے کہ دوسرا راضی ہو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے فرقت یا صلح یا ترک قیام بالشقاق کے ساتھ منقطع نہ ہوتا ہو تو اللہ تعالیٰ نے شوہر کو عورت کی نافرمانی کی صورت میں پند و موعظمت اور کچھ دنوں کے لئے چھوڑ دینے (یعنی ہم بستری نہ کرنے) اور (معمولی طور پر) زد و کوب کرنے (اس طرح کہ کسی عضو کو نقصان نہ پہونچے) کی اجازت دی ہے اور اگر نافرمانی (ظلم و زیادتی) شوہر کی طرف سے ہو تو صلح و صفائی کی اجازت دی ہے' پس اگر دونوں یہ اندیشہ کریں کہ وہ حدود اللہ قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان پر کوئی گناہ نہیں اگر عورت فدیہ دے اور مرد کی قید زوجیت سے چھٹکارہ حاصل کر لے اور اگر شوہر یہ ارادہ کرے کہ ایک بیوی کے بجائے دوسری بیوی کرے تو اسے منع کیا گیا کہ وہ اس مال میں سے جو اس نے عورت کو دیا ہے کچھ بھی واپس لے۔''

امام شافعی نے فرمایا کہ ''جب زوجین اپنے درمیان ناچاقی کا اندیشہ کریں اور اپنا معاملہ حاکم کے روبرو لے جائیں تو اس پر لازم ہے کہ ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے جو متحمل مزاج اور عاقل ہو' زوجین کی طرف بھیجے تاکہ ان دونوں فریقوں کے معاملے کی (اصل حقیقت) معلوم کریں اور ان کے درمیان صلح کرائیں۔

ان کے لئے یہ امر جائز نہیں ھے کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تب بھی ان کے درمیان تفریق کا حکم دیں الّا یہ کہ شوھر نے اس امر کی اجازت دے دی ھو اور نہ ھی وہ عورت کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر (زوجہ کی) کچھ دے سکتے ھیں (یعنی نہ ھی خلع بالعوض کرا سکتے ھیں) - اگر زوجین نے اصلاح اختیار کی تو حاکم پر واجب ھے کہ ان میں سے ھر ایک کے لئے ایسا حکم کرے جو دوسرے پر جانی و مالی اور اخلاقی حقوق لازم کردے -

اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ اگر وہ دونوں اصلاح کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان موافقت پیدا کرے گا - اللہ تعالیٰ نے اس امر کا ذکر نہیں فرمایا کہ وہ تفریق کرا دیں (یعنی اگر وہ تفریق کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان توفیق پیدا کر دے گا) اور امام (حاکم وقت) کو اس بات کا اختیار دیا گیا ھے کہ وہ زوجین سے یہ دریافت کرے کہ کیا وہ حکموں کے فیصلے پر راضی ھیں اور انہیں اس امر کا اختیار دیتے ھیں - پس اگر شوھر نے ان کو اختیار دیا اور وہ دونوں حکم مناسب سمجھیں تو ان کے درمیان تفریق کرا دیں جس شئے کے عوض مناسب سمجھیں تفریق کرا دیں یا عورت سے بلا کوئی معاوضہ لئے --- تفریق کرا دیں --- اور حکموں کو اختیار دینے کے لئے زوجین کو مجبور نہ کیا جائے گا -[۱۲]

شافعی فقہ کی ایک اور کتاب ''المغنی المحتاج'' میں بھی '' والحکمان و کیلان فی الظاھر'' لکھا ھے -[۱۳]

حنبلی فقہ کی کتاب '' الانصاف '' میں لکھا ھے کہ مذھب حنبلی

---

(۱۲) کتاب الام ' امام شافعی (م۲۰۴ھ) مطبوعہ مصر ' ۱۳۸۱ ھجری ' جلد ۵ ' صفحات ۹۵-۱۹۴

(۱۳) المغنی المحتاج ' مطبوعہ مصر جلد ۳ ' صفحہ ۲۶۱

کی صحیح رائے یہ ہے کہ حکم زوجین کی جانب سے وکیل ہوتے ہیں۔ وہ ان کی رضا مندی اور توکیل کے بغیر نہیں بھیجے جاتے۔[14]

ظاہریہ بھی اسی نقطۂ نظر کے حامل ہیں۔ چنانچہ امام ابن حزم نے اپنی کتاب "المحلیٰ" میں لکھا ہے کہ "ان دونوں حکموں کو اختیار نہیں ہے کہ زوجین میں تفریق کرائیں، نہ خلع کے ذریعہ نہ اس کے علاوہ۔"[15]

جعفری فقہ کی کتاب "مختلف الشیعة" میں بھی یہی لکھا ہے کہ بغیر زوجین کی اجازت کے حکموں کو تفریق کرانے کا اختیار نہیں ہے۔[16]

دوسرا گروہ :

دوسرا گروہ جو اصلاح نہ ہو سکنے کی صورت میں حکم کے زوجین کے درمیان تفریق کرا دینے کے اختیار کا قائل ہے اس میں سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، شعبی، امام مالک اور امام اوزاعی کے نام بیان کئے جاتے ہیں۔ نیز امام شافعی کا ایک قول اس کے موافق ملتا ہے اور امام احمد بن حنبل سے بھی ان کی دو روایتوں میں ایک روایت اس کے موافق بیان کی جاتی ہے لیکن امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا اصح قول یہی ہے کہ حکموں کو بلا اختیار تفریق کا حق حاصل نہیں ہے۔

مؤطا امام مالک کی "شرح زرقانی"[17] میں دونوں حکموں کے بارے میں امام مالک سے حسب ذیل روایت نقل کی گئی ہے کہ "مجھ سے یحییٰ نے حدیث بیان کی اور یحییٰ نے امام مالک سے روایت کی کہ ان تک یہ بات پہونچی کہ علی ابن ابی طالب نے حکموں کے بارے میں کہا کہ

---

(۱۴) الانصاف، مرداوی، مطبوعہ قاہرہ، جلد ۸، صفحہ ۳۸۰

(۱۵) المحلیٰ، امام ابن حزم، (۴۵۶ھ) مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۴۸ ہجری، جلد ۱۰، صفحہ ۸۷

(۱۶) مختلف الشیعة، طوسی، مطبع حجر، ایران

(۱۷) شرح موطا امام مالک، یوسف زرقانی، (۱۱۲۲ ہجری)، مطبوعہ مصر، جلد ۳، صفحہ ۱۳۳

خلع کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم ان کے درمیان ناچاقی کا خوف کرو تو ایک حکم مرد کے خاندان میں سے اور ایک حکم عورت کے خاندان میں سے بھیجو ۔ اگر وہ دونوں اصلاح کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان موافقت پیدا کردے گا اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے ''کہ حکموں کو اختیار ہے کہ وہ زوجین میں تفریق کرا دیں یا میل ملاپ ۔ امام مالک نے کہا جیسا کہ میں نے اہل علم سے سنا ہے یہ قول احسن ہے کہ حکموں کا فیصلہ مرد اور عورت کے درمیان فرقت اور میل ملاپ دونوں میں جائز ہے ۔''

مالکی فقہ کی مشہور کتاب ''بدایۃ المجتہد''[۱۸] میں لکھا ہے کہ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ زوجین میں ناچاقی کی صورت میں حکم ان کا احوال معلوم کریں اور ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کریں . . . . . لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر حکموں کا اس امر پر اتفاق ہو کہ میاں بیوی میں تفریق کردی جائے تو ان کا یہ فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں ؟

ابن رشد ، امام مالک کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حکموں کو دونوں امور کے متعلق اختیار حاصل ہے اور ان کا فیصلہ نافذ ہوگا ۔[۱۹] امام مالک اپنے قول کے ثبوت میں حضرت علی کی روایت پیش کرتے ہیں جب کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ طلاق کا اختیار سوائے شوہر کے کسی اور کو نہیں دیا گیا ۔ الّا یہ کہ شوہر خود کسی کو اختیار دے دے ۔ ہر دو امام بھی حضرت علی کی روایت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں ۔ امام مالک دراصل حکموں

---

(۱۸) بدایۃالمجتہد ، ابن رشد ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۷۹ ھجری ، جلد ۲

(۱۹) شرح موطا امام مالک ، یوسف زرقانی (۱۱۲۲ھ) ، مطبوعہ مصر ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۳۳

کو حاکم وقت کا قائم مقام متصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح حاکم وقت کو یہ اختیار ہے کہ جب وہ دیکھے کہ زوجین کے اکٹھا رہنے میں ضرر ہے تو ان کے درمیان تفریق کرا سکتا ہے اسی طرح حکم بھی ایسا کرنے کے مجاز ہیں ۔

حکموں کے بارے میں طبری نے اپنی تفسیر میں ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر وہ دونوں حَکم اپنے حکم میں مجتمع ہو جائیں (یعنی اتفاق کریں) کہ زوجین کو علیحدہ کر دیں یا ملا دیں تو ان کا حکم جائز ہوگا ۔[20]

ابن حجر عسقلانی نے اپنی تصنیف "فتح الباری" (شرح البخاری) میں لکھا ہے کہ جب اس آیت کے مخاطب حکام ہیں تو حکام کا حکموں کو زوجین کی طرف بھیجنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دنوں زوجین کو ملا دیں یا جدا کر دیں ۔[21]

گروہ ثانی کے نقطۂ نظر کی تائید میں حافظ ابن قیم نے اپنی کتاب "زادالمعاد"[22] میں لکھا ہے کہ :

"یہ از حد تعجب انگیز بات ہے کہ بعض لوگ حکموں کو وکیل قرار دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو حکم قرار دیا ہے اور ان کو حکمین ٹھہرایا ہے اگر یہ دونوں (حکم) وکیل ہوتے تو اللہ تعالیٰ فرماتا "فلیبعث وکیلاً من اھلہ و لتبعث وکیلاً من اھلھا" اور اسی طرح اگر وہ وکیل ہوتے تو ان کے لئے اہل خاندان میں سے ہونے کی کوئی تخصیص نہ ہوتی ۔ . . . . اور وکیل کو حکم کہنا نہ از روئے لغت قرآن درست ہے نہ شارع کی

(۲۰) تفسیر طبری، امام طبری، (۳۱۰ھ)، مطبوعہ الطبعۃ الامیریہ، ۱۳۲۳ھ، جلد ۸، صفحہ ۳۲۴

(۲۱) فتح الباری، شرح البخاری، علامہ ابن حجر عسقلانی، مطبوعہ مصر

(۲۲) زادالمعاد، ابن قیم (۷۵۱ھ) مطبعۃ محمد علی صبیح، قاہرہ، جلد ۴، صفحہ ۳۳

زبان میں ایسا ہے اور نہ از روئے عرف عام اور نہ از روئے عرف خاص حکم کو وکیل کہا جاتا ہے۔"

بناء اختلاف :

فقہاء کا ایک گروہ حکموں کا تقرر صرف اصلاح کی غرض سے قرار دیتا ہے اور تفریق کرانے کے عدم اختیار کا قائل ہے وہ انہیں دراصل وکیل قرار دیتا ہے چنانچہ اگر فریقین انہیں تفریق کا اختیار دے دیں تو تفریق کرا سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

دوسرا گروہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ حکموں کو حاکم (قاضی) نے جھگڑا دور کرنے کی غرض سے بھیجا ہے پس جس طرح حاکم اگر چاہے تو جھگڑا دور کرنے کے لئے صلح کرا سکتا ہے اور اگر جھگڑا دور کرنے کے لئے تفریق ضروری سمجھتا ہے تو تفریق کرا دیتا ہے اسی طرح حکموں کو بھی اختیار ہے۔

جائزہ :

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کا جائزہ لینے کے لئے ائمہ مفسرین کی تفاسیر سے استفادہ کیا جائے چنانچہ اس ضمن میں ہم ابن عربی کی احکام القرآن، علامہ قرطبی کی تفسیر جامع الاحکام القرآن، تفسیر ابن کثیر، تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی، تفسیر کشاف اور تفسیر المعانی سے ضروری اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

ابن عربی اپنی مشہور تصنیف احکام القرآن میں فرماتے ہیں "کہ حسن بصری اور ابن زید کہتے ہیں کہ دونوں (حکم) شاہد ہیں اور سلطان کے پاس معاملہ لے جاتے ہیں اور جو ان پر ظاہر ہو اس کی

(٢٣) احکام القرآن، ابی عربی (٥٣٢ھ) مطبوعہ مصر، ١٣٣١ ہجری، جزو اول، صفحہ ١٧٧

شہادت دیتے ہیں لیکن ابن عباس ان کو حکم کہتے ہیں نہ کہ شاہد (یا وکیل)''۔

ابن عربی اسی صفحہ پر فرماتے ہیں ''کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ایک حکم شوہر کے خاندان میں سے اور ایک حکم زوجہ کے خاندان سے بھیجو پس اللہ سبحانہ کی طرف سے نص ہے کہ یہ دونوں قاضی ہیں نہ کہ وکیل، اور وکیل کے واسطے شریعت میں ایک اسم ہے اور حکم کے معنی کے واسطے شریعت میں ایک اسم ہے۔ [۲۴] بس اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک ایک اسم بیان کر دیا تو کسی عام شخص کے لئے سزاوار نہیں کجا کہ وہ عالم ہو، کہ وہ ایک کے معنی کو دوسرے سے خلط ملط کرے۔ یہ (یعنی دو الفاظ کے مختلف معنی کو آپس میں خلط ملط کرنا) احکام شریعت میں تلبیس اور فساد کے مترادف ہے۔''

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر جامع الاحکام القران میں لکھا ہے کہ:

''علماء نے کہا ہے کہ اگر دونوں حکم زوجین میں اختلاف پائیں اور وہ (زوجین) اتفاق نہ کریں اور ان کا معاملہ نا اتفاق پر رہے تو حکم بقدر امکان ان میں الفت و محبت کی کوشش کریں گے۔ اور اللہ کا خوف دلائیں گے اور باہمی معاشرت کی نصیحت کریں گے اگر زوجین نے قبول کرلیا تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا اور اگر وہ دونوں اس کے سوا عمل کریں اور وہ (حکم) فرقت مناسب سمجھیں تو زوجین میں تفریق کرا دیں۔ حکموں کی تفریق زوجین کے لئے جائز ہے اور یہ امر یکساں ہے کہ قاضی شہر کا حکم

---

(۲۴) ''قولہ تعالیٰ حکما من اھلہ و حکما من اھلھا ھذا نص من اللہ سبحانہ فی انہما قاضیان لا وکیلین وللوکیل اسم فی الشریعۃ و معنی للحکم اسم فی الشریعۃ و بین اللہ تعالیٰ کل واحد منہما لا ینبغی لشاذ فکیف لعالم ان یرکب معنی احدھما علی الاخر۔'' (احکام القرآن، ابن عربی (۵۴۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۳۱ ہجری، جزو اول، صفحہ ۱۷۷)

اس کے موافق ہو یا مخالف ، خواہ زوجین نے ان حکموں کو اس اختیار تفریق کے ساتھ وکیل مقرر کیا ہو یا نہ کیا ہو اور یہ تفریق ایک طلاق بائن ہوگی ۔ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ حکموں کے لئے تفریق کرانا جائز نہیں ہے تاآنکہ زوجین اس بارے میں ان کو وکیل نہ کریں اور یہ حکم حاکم کو بتائیں (کہ ہم نے زوجین میں تفریق) نہیں کرائی ہے ۔ یہ قول اس امر پر قائم ہے کہ یہ دونوں حکم رسول (قاصد، اور شاہد (گواہ) ہیں ۔ پھر امام (حاکم) اگر ارادہ کرے تو زوجین میں تفریق کرا دے گا اور حکموں کو تفرنق کرنے کا حکم دے گا ۔ یہ امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے اور کوفے والوں کا بھی یہی قول ہے اور یہی قول عطا ، ابن زید ، حسن بصری کا ہے اور اسی قول کو ابوثور نے اختیار کیا ہے ۔"

علامہ قرطبی اس کے بعد لکھتے ہیں کہ : "پہلا قول صحیح ہے یعنی حکموں کو بغیر وکالت کے طلاق دینے کا حق حاصل ہے اور یہ قول امام مالک ، اوزاعی اور اسحاق کا ہے اور یہی قول حضرت عثمان ، حضرت علی اور ابن عباس کا بیان کیا جاتا ہے نیز امام شعبی اور نخعی سے بھی یہی مروی ہے اور یہی قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے ۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فابعثو حکماً من اھلہ و حکماً من اھلھا" اور یہ تصریح ہے اللہ کی جانب سے ، کہ یہ دونوں قاضی ہیں ، نہ کہ وکیل اور نہ شاہد ۔ وکیل کے لئے شریعتِ میں ایک علیحدہ نام اور معنی ہے اور حکم کے لئے شریعت میں ایک نام اور معنی ہے ۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں ناموں میں سے ہر ایک کو بیان کیا ہے

تو ایک عام شخص کے لئے سزاوار نہیں کجا کہ عالم کے لئے ، کہ وہ ایک لفظ کا معنی دوسرے لفظ کو دے ۔''

آگے چل کر علامہ قرطبی نے ابن عربی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ :

''جب اللہ تعالیٰ نے حکموں کا حکم دے دیا تو ہم کو اس بات کا علم ہوا کہ ان دونوں حکموں کا حکم زوجین کے حکم کے علاوہ ہے ۔ لہٰذا لازم ہے کہ یہ حکم زوجین کے علاوہ ہوں بایں طور کہ اس حکم کو بلا زوجین کی رضامندی کے نافذ کیا جائے تاکہ اس کی جدا گانہ حیثیت متحقق (ثابت) ہو جائے ۔ جب ان زوجین پر حکموں نے وہ حکم نافذ کیا جو زوجین نے ان دونوں کو تفویض کیا تھا ۔ لٰہذا ان حکموں نے ان زوجین کے خلاف امر حکم نہیں دیا۔ اس لئے ان کے حکم کی جدا گانہ حیثیت ثابت نہیں ہوتی ۔ اور یہ قول کہ تفریق کا اختیار زوجین کی رضامندی اور توکیل پر منحصر ہے صریحاً غلط ہے ۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے غیر زوجین کو حکم بھیجنے کے ساتھ مخاطب کیا جب کہ وہ زوجین میں اختلاف کا اندیشہ کریں اور جب مخاطب علاوہ زوجین کے ہیں تو پھر زوجین کی توکیل سے تفریق کیونکر ہوسکتی ہے ۔''

تفسیر کبیر:

امام فخر الدین رازی اپنی مشہور تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ''کیا حاکموں کے لئے اپنے حکم کا نافذ کرنا جو زوجین کی اجازت کے بغیر ان پر لازم ہو جائز ہے؟ مثلاً یہ کہ مرد کا حکم (عورت کو) طلاق دے دے یا عورت کا حکم عورت کے مال میں سے کسی شئے کا فدیہ دے (یعنی مال کے عوض خلع حاصل کرے) ۔ امام شافعی کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں:

(۱) حکموں کے لیے ایسا کرنا جائز ہے اور یہی قول امام مالک اور اسحاق کا ہے۔

(۲) (امام شافعی کا) حکموں کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ اور یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے اس بناء پر کہ وہ (تحکیم) دوسری وکالتوں کی طرح ایک وکالت ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے (جو صفحہ ٦٤٧ پر بیان کی گئی ہے) لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں دو اقوال میں سے ہر قول کے لئے دلیل موجود ہے، چنانچہ پہلے قول کی دلیل یہ ہے:

''حضرت علی نے زوجین کی رضامندی کے بغیر حکم کو بھیجا اور فرمایا ''تمہیں اختیار ہے کہ اگر تم مناسب سمجھو کہ وہ (زوجین) اکٹھا ہوں تو انہیں اکٹھا کردو اور اگر دیکھو کہ وہ علیحدہ ہوں تو علیحدہ کر دو۔''

حضرت علی کے قول میں علیکما سے جو دلیل ہے وہ یہ ہے کہ تمہارے لئے یہ امر جائز ہے کہ ان کو مناسب سمجھو تو اکٹھا کر دو اور مناسب سمجھو تو علیحدہ کر دو۔

بہر حال، اس حدیث میں دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ شوہر جب تفریق پر راضی نہ ہوا تو حضرت علی نے توقف فرمایا اور آپ کے قول میں ''کذبت'' کے معنی یہ ہیں کہ تو اپنے دعویٰ میں منصف نہیں ہے کیونکہ تو نے وہ نہیں کیا جو اس عورت نے کیا۔

اور جن لوگوں نے پہلے قول سے استدلال کیا (ان کا کہنا ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حکم کیا اور ''حکم'' حاکم ہوتا ہے۔ اور جب اس کو حاکم بنا دیا تو اس میں حکم رکھ دیا گیا (یعنی حکم

دینے کی قدرت رکھ دی گئی) اور وہ لوگ جنھوں نے دوسرے قول سے استدلال کیا (ان کا کہنا ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے جب حکموں کا ذکر کیا تو ان کی طرف سوائے اصلاح کے کسی اور چیز کی نسبت نہیں کی گئی اور نسبت اس امر کا تقاضہ کرتی ہے کہ اصلاح کے سوائے (کوئی اور شے) بغیر ان (حکموں) کی طرف تفویض کئے نہ ہو (یعنی حکم اصلاح کے علاوہ کوئی دوسرا امر بلا تفویض لازم نہیں کر سکتے)۔

امام رازی آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ''ابن جریر نے ابن عباس سے استخراج کیا کہ انہوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا ''پس اگر ان حکموں کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ دونوں کو جدا کردیں یا ملادیں تو ان حکموں کا حکم جائز ہوگا۔ (لیکن) عبدالرزاق وغیرہ نے ابن عباس سے استخراج کیا اور فرمایا ''کہ حکم بھیجے جاتے ہیں تاکہ وہ زوجین کی اصلاح کریں، پس فرقت ان (حکموں) کے ہاتھوں (اختیار) میں نہیں ہے۔[25]

تفسیر ابن کثیر :

علامہ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ''اس آیت میں ایسی صورت کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر دونوں ایک دوسرے سے نالاں ہوں تو کیا کیا جائے۔ علماء کرام فرماتے ہیں ایسی حالت میں حاکم ثقہ اور سمجھدار شخص کو مقرر کرے جو یہ دیکھے کہ ظلم و زیادتی کس کی طرف سے ہے۔ پس ظالم کے ظلم کو روکے۔ اگر اس پر بھی کوئی بہتری کی صورت نہ نکلے تو عورت والوں کی طرف سے ایک اور مرد والوں کی طرف سے ایک بہتر اشخاص کو منصف مقرر کر دے اور یہ دونوں مل کر تحقیقات کریں اور جس امر میں مصلحت سمجھیں اس کا فیصلہ کر دیں۔ یعنی خواہ الگ کر دیں خواہ میل ملاپ

---

(۲۵) (التفسیر الکبیر، امام فخرالدین رازی، مطبوعہ مصر، ۱۹۳۸ع، جلد ۱۰، صفحہ ۹۳

کرا دیں، لیکن شارع نے تو اسی طرف ترغیب دلائی ہے کہ جہاں تک ہو سکے کوشش کریں کہ نباہ کی کوئی شکل نکل آئے۔ اگر ان دونوں کی تحقیق میں شوہر کی طرف سے برائی ثابت ہو تو یہ اس کی زوجہ کو اس سے روک لیں گے اور شوہر کو مجبور کریں گے کہ اپنی عادت ٹھیک ہونے تک اس سے الگ رہے اور اس کا نان نفقہ ادا کرتا رہے اور اگر شرارت بیوی کی طرف سے ثابت ہو تو اسے نان نفقہ نہیں دلائیں گے اور شوہر کے ساتھ ہنسی خوشی بسر کرنے پر مجبور کریں گے۔ اسی طرح اگر وہ طلاق کا فیصلہ دیں تو شوہر کو طلاق دینی پڑے گی۔ اگر وہ آپس میں رہنے سہنے کا فیصلہ کریں تو وہ بھی ماننا ہوگا۔ بلکہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر دونوں پنچ اس پر متفق ہو گئے کہ انہیں رضامندی کے ساتھ ایک دوسرے سے اپنے تعلقات نباہنے چاہئیں۔ اور اس فیصلے کو ایک نے منظور کر لیا لیکن دوسرے نے نہیں کیا اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا تو رضامند نارضامند کا وارث بنے گا لیکن نارضامند کو رضامند کا ورثہ نہیں ملے گا۔ ایک ایسے ہی جھگڑے میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت معاویہ کو حکم مقرر کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر تم ان میں میل کرانا چاہو تو میل ہوگا اور اگر جدائی کرانا چاہو تو جدائی ہو جائے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ عقیل ابن ابی طالب نے فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ سے نکاح کیا .... انہوں نے کہا تو میرے پاس آئے گا اور میں ہی تیرا خرچ برداشت کروں۔ اب یہ ہونے لگا کہ جب عقیل ان کے پاس آنا چاہتے تو وہ پوچھتیں عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ ابن ربیعہ کہاں ہیں، یہ فرماتے تیری بائیں جانب جہنم میں۔ اس پر وہ بگڑ کر اپنے کپڑے ٹھیک کر لیتیں۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور یہ واقعہ

بیان کیا - خلیفۃ المسلمین اس پر ہنسے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کا پنچ مقرر کیا - حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ان دونوں میں علیحدگی کرا دی جائے ، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ بنو عبد مناف میں یہ تفریق میں نا پسند کرتا ہوں - اب یہ دونوں حضرات حضرت عقیل کے گھر آئے، آ کر دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور دونوں میاں بیوی اندر ہیں ، یہ دونوں لوٹ گئے- مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں میاں بیوی اپنی ناچاقی کا جھگڑا لے کر آئے ایک کے ساتھ اس کی برادری کے لوگ تھے اور دوسرے کے ہمراہ اس کے گھرانے کے- شیر خدا نے دونوں جماعتوں میں سے ایک ایک کو چنا اور انہیں حکم مقرر کیا - پھر دونوں حکموں سے کہا - جانتے بھی ہو تمہارا کام کیا ہے ؟ تمہارا منصب یہ ہے کہ اگر چاہو دونوں میں اجتماع کرا دو، اگر چاہو تفریق کرا دو - یہ سن کر عورت نے کہا میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوں خواہ ملاپ کی صورت میں ہو خواہ جدائی کی صورت میں - مرد کہنے لگا مجھے جدائی نا منظور ہے - اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا نہیں نہیں قسم خدا کی ! تجھے دونوں صورتیں منظور کرنی پڑیں گی- پس علماء کا اجماع ہے کہ ایسی صورت میں ان دونوں منصفوں کو دونوں اختیار دیں - یہاں تک کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو دو اور تین طاقیں بھی دے سکتے ہیں- حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے - لیکن حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہیں اجتماع کا اختیار ہے تفریق کا نہیں - حضرت قتادۃ رحمۃ اللہ علیہ اور زید بن اسلم رحمۃاللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے- امام احمد اور ابو ثور اور داؤد رحمۃاللہ علیہ اجمعین کا بھی یہی مذہب ہے - ان کی دلیل ” ان یریدا اصلاحاً “

والا جملہ ہے کہ اس میں تفریق کا ذکر نہیں ۔ البتہ اگر یہ دونوں جانب سے وکیل ہیں تو بے شک ان کا حکم جمع اور تفریق دونوں میں نافذ ہوگا اور اس میں خلاف منقول بھی نہیں، پھر یہ بھی خیال رہے کہ یہ دونوں پنچ حاکم کی جانب سے مقرر ہوں گے اور فیصلہ کریں گے ۔ گو ان سے فریقین ناراض ہوں۔ یا یہ دونوں میاں بیوی کی طرف سے ان کے بنائے ہوئے وکیل ہوں گے ۔ جمہور کا مذہب پہلا ہے اور دلیل یہ ہے کہ ان کا نام قرآن حکیم نے حکم رکھا ہے اور حکم کے فیصلے سے کوئی خوش ہو یا ناخوش بہر صورت اس کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ آیت کے ظاہری الفاظ بھی جمہور کے ساتھ ہی ہیں ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جدید قول بھی یہی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے ۔ دوسرا قول جن کا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ حکم کی صورت میں ہوتے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس خاوند کو کیوں فرماتے کہ عورت نے دونوں صورتوں کا اقرار کیا ہے جب تک تو بھی نہ کرے تب تک تو جھوٹا ہے ۔ واللہ اعلم ۔ امام ابن عبدالبر رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کرام کا اجماع ہے کہ دونوں پنچوں کا قول جب مختلف ہو تو دوسرے کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور اس اس پر بھی اجماع ہے کہ یہ اتفاق کرانا چاہیں تو ان کا فیصلہ نافذ ہے ہاں اگر وہ جدائی کرانا چاہیں تو ان کا فیصلہ نافذ ہے یا نہیں۔ اس میں اختلاف ہے لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اس میں بھی ان کا فیصلہ نافذ ہوگا گو انہیں وکیل نہ بنایا گیا ہو'' ۔[٢٦]

الکشاف :

زمخشری نے اپنی تفسیر الکشاف میں لکھا ہے کہ ''پس اگر تم کہو

(٢٦) تفسیر ابن کثیر (اردو ترجمہ)، نور محمد اصح المطابع کراچی، جلد ۴، صفحات ۲۳ - ۲۲

کہ آیا حکموں کہ اختیار ہے کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو ان دونوں (زوجین) کو ملا دیں اور اگر مناسب سمجھیں تو تفریق کر دیں ۔ .... تو میں کہوں گا کہ اس مسئلہ میں اختلاف کیا گیا ہے ۔ پس کہا گیا کہ انہیں زوجین کی اجازت کے بغیر ایسا کرنے (یعنی تفریق کرانے کا) اختیار نہیں ہے اور (اس بارے میں) یہ بھی کہا گیا کہ کیا یہ امر حکمراں کی طرف مفوّض ہے کہ جو کچھ دونوں حکم کریں اور ان کے حکم کی اصل اس پر ہے جو ان کا اجتہاد تقاضہ کرے ۔ (یعنی ان کی کوشش جس امر کی مقتضی ہے اس کے مطابق حکم کر سکتے ہیں) ۔[۲۷]

روح المعانی :

روح المعانی کے مصنف سید محمود الالوسی نے حکموں کے اختیار تفریق پر اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اس بارے میں احتلاف کیا گیا ہے کہ اگر حکم مناسب سمجھیں تو کیا زوجین کو اکٹھا اور جدا کر سکتے ہیں؟ ان کے بارے میں ایک روایت بیان کی جاتی ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ ایک مرد اور عورت حضرت علی کے پاس آئے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت تھی ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے ان کو حکم دیا کہ بھیجو ایک حکم شوہر کے خاندان میں سے اور ایک حکم زوجہ کے خاندان سے ۔ پھر ان دونوں حکموں سے فرمایا ۔ کیا تم جانتے ہو جو تم پر (ذمہ‌داری) عائد ہے؟ (پھر خود ہی جواب میں فرمایا) ''تم دونوں پر (لازم) ہے کہ اگر تم مناسب سمجھو کہ وہ زوجین اکٹھا ہوں تو اکٹھا کر دو اور اگر دیکھو کہ وہ دونوں جدا ہوں تو جدا کر دو ۔'' عورت نے کہا میں اللہ کی کتاب کے ساتھ راضی ہوں جو کچھ بھی

(۲۷) الکشاف، عن حقائق التنزیل، (۵۳۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۹۴۸ء، جلد ۱، صفحہ ۳۹۶

اس میں ہے (خواہ) میرے خلاف ہو یا میرے موافق ، مرد نے کہا ، بہرحال ، فرقت ، پس نہیں (یعنی میں فرقت پر راضی نہیں ہوں) حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اس مرد سے فرمایا کہ تو نے جھوٹ بولا ، خدا کی قسم تو یہاں سے نہیں ہٹے گا یہاں تک کہ تو اقرار کرے اس طرح جس طرح کہ عورت نے اقرار کیا ہے'' ۔[٢٨]

فریقین کے دلائل کا خلاصہ

اس مسئلہ میں مندرجہ بالا کتب فقہ و تفاسیر میں مختلف روایات اور نقطہ ہائے نظر کا مطالعہ کرتے ہوئے حسب ذیل دلائل سامنے آتے ہیں :

عدم تفریق کے قائلین کے دلائل :

١۔ حکموں کا فرض اصلاح ہے نہ کہ تفریق ، کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے ''ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینہما'' یعنی اگر وہ دونوں (زوجین) اصلاح کا ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان موافقت پیدا کرنے والا ہے ۔ چنانچہ خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ ''ان یریدا فرقۃ'' کہ اگر وہ دونوں (زوجین) تفریق کا ارادہ کریں ۔ چنانچہ حکمین کا ایفاد در اصل وعظ و نصیحت ہے ۔ ان کو غلط راستے پر چلنے سے روکنا اور صحیح راستہ اختیار کرنے کی تلقین کرنا ہے ۔

---

(٢٨) جاء رجل و امراۃ الیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ و مع کل واحد منہما فئام من الناس فامرہم علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ان یبعثوا رجلا حکما من اہلہ و رجلا حکما من اہلہا ثم قال للحکمین تدریان ما علیکما ؟ علیکما ان رایتما ان تجمعا ان تجمعا ان رأیتما ان تفرقا ان تفرقا ، قالت المراۃ : رضیت بکتاب اللہ تعالیٰ بما علی فیہ ولی ، وقال الرجل : اماالفرقۃ فلا ، فقال علی کرم اللہ وجہہ بت واللہ حتیٰ تقر بمثل الذی اقرت بہ ۔'' (تفسیر روح المعانی ، سید محمود الالوسی (١٢٧٠ھ) ادارہ الطباعۃ المنیریۃ ، مصر ، جلد ٥ ، صفحات ٢٧-٢٦)

(واضح رہے کہ حکم میں قوت مانعہ یعنی منع کرنے والی قوت موجود ہوتی ہے جیسا کہ حکم کے لغوی معنی روکنا اور باز رکھنا بھی ہیں) ۔

۲- حضرت علی کرم اللہ وجہ کی روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حَکم کا حُکم اس وقت تک نافذ نہیں ہوسکتا جب تک زوجین کی طرف سے انہیں وکالتاً اختیار نہ دیا جائے اسی بناء پر حضرت علی کرم اللہ وجہ نے شوہر کو حکم دیا کہ تم تحکیم یعنی حکم بنانا قبول کر لو ۔ اور انہیں وہی اختیار تفویض کرو جو عورت نے ان کے سپرد کیا ہے ۔ کیونکہ اگر شوہر کی رضامندی کی ضرورت نہ ہوتی تو حضرت علی کرم اللہ وجہ تحکیم اور اختیار تفریق کے سلسلے میں اس مرد سے عورت کے موافق عمل کرنے کو کیوں فرماتے ۔ اگر قرآن حکموں کو تفریق کا بھی اختیار دیتا ہے تو پھر شوہر سے اس بارے میں رضامندی حاصل کرنے کی کیا ضرورت رہتی ہے ؟ لٰہذا اس روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حکموں کو تفریق کا اختیار نہیں ہے الاّ یہ کہ زوجین ان کو یہ اختیار تفویض کر دیں ۔ (ایسی صورت میں یہ کہا جائے گا کہ حکموں نے اس اختیار کو استعمال کیا جو زوجین نے انہیں تفویض کیا تھا ۔ یعنی وکیل کی حیثیت سے جو بجائے خود فریقین کا فعل سمجھا جائے گا ۔ (لٰہذا قابل نفاذ ہوگا) ۔

۳- بحث کی غرض سے اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ حکموں کو تفریق کا اختیار حاصل ہے تو تفریق یا تو بذریعہ طلاق ہوگی (اگر مرد کی زیادتی پائی جائے) یا بذریعہ خلع ہوگی (اگر مرد کا قصور نہ ہو اور عورت چھٹکارے کی خواہشمند ہو) ۔ اگر تفریق بذریعہ طلاق ہوگی تو مہر مؤجل کی صورت میں مرد کے ذمہ اس کی فوری ادائی لازم ہو جائے گی ۔ اور حکموں کو یہ اختیار کہاں سے آیا کہ وہ کسی ایک

تفریق کے ذمہ مالی ذمہ داری عاید کر دیں ؟ اسی طرح اگر تفریق بذریعہ خلع ہوگی، تب بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زوجہ کی مرضی کے بغیر خلع کے معاوضے کی ادائی کی ذمہ داری اس کے ذمہ کیونکر عاید کی جا سکتی ہے ۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ' اے ایمان والو ! نہ کھاؤ اپنے اموال آپس میں باطل طریقے پر، الّا یہ کہ وہ ہو تجارت تمہاری باہمی مرضی سے ۔ ''حکموں کا عورت کی مرضی کے بغیر اس سے مال لینا ''اکل بالباطل'' کی تعریف میں داخل ہوجائے گا اور ایسا کرنا حکموں کے لئے شرعی دلیل کے بغیر کیونکر جائز ہو سکتا ہے ؟

۷۔ حکموں کو تفریق کا اختیار حاصل ہونے کی کوئی اصل (بنیاد) ہونی چاہئے ۔ قرآن پاک میں یہ اختیار صراحتاً مذکور نہیں ہے بلکہ ''ان یریدا اصلاحاً'' کے الفظ اختیار تفریق کی نفی کرتے ہیں ۔ اس لئے یا تو یہ اختیار حاکم کو تفویض کرنا چاہئے یا زوجین کو ۔ اگر حاکم حکموں کو یہ اختیار تفویض کرتا ہے کہ وہ زوجین میں تفریق کرا دیں یا زوجین ان حکموں کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ اگر مناسب سمجھیں تو تفریق کرا سکتے ہیں ۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ حکم اس اختیار کو استعمال کریں گے جو حاکم یا زوجین نے ان کے سپرد کیا ہے، نہ کہ وہ اختیار بحیثیت حکم ان کی ذات میں فی‌الاصل موجود تھا ۔

تفریق کے قائلین کے دلائل :

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حکم کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو اس بات کی طرف دلالت کرتا ہے کہ وہ دونوں حکم ہیں اگر وہ وکیل ہوتے تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: ''ابعثوا وکیلاً عن الزوجة و وکیلاً عن الزوج'' ۔ اس لئے تفریق کے لئے زوجین کی رضامندی ضروری نہیں ہے کیونکہ حکم جس پر مصلحت دیکھے گا وہی فیصلہ کرے گا ۔ چنانچہ اگر

حکم صلح پر متفق ہوئے تو صلح کرا دیں گے اور اگر تفریق مناسب سمجھیں گے تو تفریق کرا دیں گے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اصلاح کا لفظ فرمایا ہے اور ''فرقہ'' کے لفظ کا اضافہ یا ذکر نہیں کیا۔ یہ ایک افضل صورت ہے تاکہ حکم اصلاح کی طرف کوشش بلیغ فرمائیں۔ لیکن اس کا یہ منشاء نہیں ہو سکتا کہ اصلاح ہی تک ان کی کوششیں محدود رہیں۔ اگر حالات کی بہتری اس امر کی متقاضی ہو کہ ان میں تفریق کرا دی جائے تو یہ بھی اصلاح ہی کی ایک صورت ہے۔ کیونکہ اگر اصلاح ممکن نہ ہو تو زوجین کو اس ناچاقی کی حالت میں نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں تفریق ضروری ہو جائے گی اور شوہر کی رضامندی کی محتاج نہ ہوگی۔

۳۔ جب قاضی حکموں کو زوجین میں اصلاح حال کی غرض سے بھیجتا ہے تو گویا وہ ان کو اپنا اختیار سونپتا ہے اس لئے اگر حکم تفریق کا حکم دیں گے تو وہ قاضی کے نائب اور قائم مقام کی حیثیت سے ہوگا۔ چنانچہ اگر ''ان خفتم'' کا مخاطب حکام ہیں تو حکام کا زوجین کی طرف حکموں کا بھیجنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں علیحدہ کرنے کا بھی اختیار حاصل ہے۔

۴۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ والی حدیث میں حضرت علی کے الفاظ ''علیکما'' اس کی دلیل ہیں کہ حکموں کو تفریق کا اختیار حاصل ہے۔

ہماری عدالتوں کا نقطۂ نظر:

ہماری عدالتوں نے پہلے گروہ کے نقطۂ نظر سے اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ باجلاس کاملہ جسٹس اے۔ آر۔ کارنیلیس صاحب نے بمقدمہ سعیدہ خانم بنام محمد سمیع[۲۹] یہ قرار دیا کہ حکم زوجین میں بذات خود تفریق کرانے

(۲۹) سعیدہ خانم بنام محمد سمیع، پی۔ ایل۔ ڈی۔ ۱۹۵۲ع، لاہور، ۱۱۳

کا اختیار نہیں رکھتے، الا یہ کہ زوجین کی طرف سے انہیں ایسا اختیار تفویض کردیا گیا ہو۔ فاضل جج نے اپنے فیصلے میں مزید لکھا کہ ایسی صورت میں وہ تفریق عدالتی تفریق نہ کہلائے گی۔ کیونکہ عدالت تو اسی وقت تفریق کا حکم دینے کی مجاز ہے جب کہ اطمینان بخش طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ شوہر ایسے افعال کا مرتکب ہوا ہے جو شرع اسلام میں ایسی دادرسی (تفریق) کے لئے کافی ہو سکتے ہیں۔

جسٹس کارنیلیس صاحب نے مذکورہ بالا مقدمہ (سعیدہ خانم بنام محمد سمیع) میں لفظ حکم کے لغوی معنی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے ''کہ حکم کا ترجمہ جج یا ثالث (Arbiter) کیا گیا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دو مفاہیم کے نتیجے میں اکثر لوگوں کے دماغوں میں یہ احساس پیدا ہو گیا ہے کہ اس آیت کے ذریعہ ان دو اشخاص کو، جن کا تقرر حکومت کے نمائندہ پر لازم ہے، عدالتی فرائض سونپے گئے ہیں تاکہ وہ زوجین کے تعلقات کے سلسلے میں تفتیش کر سکیں۔''

جسٹس کارنیلیس صاحب نے مزید فرمایا کہ ''ایک خاص معاملے میں یہ نیت کبھی بھی نہیں ہو سکتی کہ ایک سے زیادہ اتھاریٹی کو اختیار دیا جائے۔'' چنانچہ انہوں نے لکھا کہ ''میں اس رائے کا حامل ہوں کہ لفظ ''حکم'' کے معنی جو آیت نمبر ۳۵ کی صحیح تعبیر کی غرض سے تسلیم کرنا چاہییں وہ ہیں جو عدالتی فرائض سے ممیز ہوں۔'' چنانچہ فاضل جج نے لکھا کہ ''اس معاشرے کا لحاظ کرتے ہوئے جس میں قرآن پاک نازل ہوا یہ امر مناسب حد تک ممکن ہو جاتا ہے کہ حکم سے ایسے اشخاص مراد لئے جائیں جو زوجین کے قبیلے کے ہوں۔ اور جو اپنے قبیلے کے افراد پر اس طریقے سے حکم چلاتے ہوں کہ وہ ایسے اشخاص کو کسی کام کے خاص انداز میں کرنے سے روکنے یا غلط طور پر کرنے سے باز رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں۔ اور ایسے اشخاص صرف وہی ہوسکتے ہیں

جو قبیلے کے سردار مانے گئے ہوں یعنی حقیقی سردار یا قبیلے کے سر برآوردہ افراد ۔ اگر لفظ حکم (جو آیت نمبر ۳۵ میں آیا ہے) کا اطلاق اس امتیازی مفہوم میں کیا جائے تو قرآنی آیت کو (عدالتی) اختیار سماعت کے سلسلے میں کسی انتشار کے امکان کے بغیر واضح طور پر سمجھنا ممکن ہو جائے گا ۔'' چنانچہ جسٹس موصوف حکم کے فرائض و اختیارات کے سلسلے میں اس نتیجے پر پہنچے کہ حکم زوجین میں بذات خود تفریق کرانے کا اختیار نہیں رکھتے ۔

مابعد کے ایک مقدمے بلقیس فاطمہ بنام نجم الحسن میں باجلاس کاملہ جسٹس کیکاؤس نے حکم کے بارے میں قرار دیا کہ میں لفظ ''حکم'' کو اس کے عام مفہوم میں جج یا ثالث خیال کروں گا ۔ چنانچہ جو شخص محض ایک صلح کرانے والا (conciliator) ہو نہ جج ہوتا ہے اور نہ ہی ثالث ۔ فاضل جج نے اگرچہ واضح طور پر اختیار تفریق کے بارے میں اپنے نقطہ نظر کا اظہار نہیں فرمایا مگر دیے ہوئے انداز میں وہ حق تفریق کی تائید میں نظر آتے ہیں ۔

ممالک اسلامیہ کے متعلقہ قوانین

قانون الاحوال الشخصیہ، عراق :

۴۰۔ (۱) جب زوجین میں سے ایک دوسرے کے ہاتھوں ضرر کا مدعی ہو جس کے سبب اس کے ساتھ مستقل گزر بسر ممکن نہ ہو یا ان دونوں میں سے کوئی باہمی ناچاقی کا مدعی ہو تو وہ قاضی سے تفریق طلب کرنے کا مجاز ہوگا ۔

(۲) قاضی کے لئے صدور حکم سے قبل لازم ہوگا کہ وہ زوجین کی اصلاح حال کی غرض سے ایک حکم زوجہ کی طرف سے اور ایک حکم شوہر

---

(۳۰) بلقیس فاطمہ بنام نجم الحسن ، پی ۔ ایل ۔ ڈی ۔ لاہور ، ۱۹۵۹ء ، صفحہ ۵۶۶

کی طرف سے مقرر کرے بشرطیکہ حکم دستیاب ہو سکیں۔ اگر وہ حکم دستیاب نہ ہو سکیں تو قاضی زوجین کو ان حکموں کے علاوہ دو حکم انتخاب کرنے کا اختیار دے گا۔ اگر وہ زوجین حکم انتخاب نہ کر سکیں تو ان حکموں کو قاضی مقرر کر دے گا۔

(۳) حکموں پر لازم ہوگا کہ وہ اصلاح حال کی کوشش کریں۔ اگر وہ اس میں ناکام رہیں تو وہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کریں گے اور اس بات کی وضاحت بھی کریں گے کہ قصور کس کا ہے؟ اگر ان حکموں میں باہم اختلاف ہو تو قاضی تیسرا حکم مقرر کرے گا۔

(۴) جب قاضی کے نزدیک زوجین میں سے ایک کا دوسرے کو ضرر پہنچانا ثابت ہو جائے یا ان کے درمیان مستقل ناچاقی پائی جائے اور قاضی ان کی اصلاح حال سے عاجز رہے۔اور شوہر طلاق دینے پر راضی نہ ہو تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کرا دے گا اور اگر زوجہ کا قصور پایا جائے تو شوہر کے ذمے مہر موجّل ساقط ہو جائے گا اور اگر عورت پورا مہر وصول کر چکی ہو تو قاضی اس کو حکم دے گا کہ نصف سے زائد وصول شدہ مہر شوہر کو لوٹا دے۔

قانون الاحوال الشخصیہ، مصر، نمبر ۲۵، بابت ۱۹۲۹ء:

۶۔ جب زوجہ شوہر کے ایسے ظلم کی شکایت کرتی ہو کہ اس ظلم کے ہوتے ہوئے اس کے لئے اپنے شوہر کے ساتھ مستقل ازدواجی زندگی گزارنا ممکن نہ ہو تو عورت کو حق ہوگا کہ وہ قاضی سے تفریق کرا دینے کی درخواست کرے اور جب قاضی پر شوہر کا ظلم ثابت ہو جائے اور وہ اصلاح حال سے عاجز ہو تو وہ (قاضی) اس عورت کو طلاق بائن دے گا اور اگر اس کی درخواست کو نامنظور کر دیا جائے اور عورت دوبارہ شکایت کرے اور شوہر کا ظلم ثابت نہ ہو تو قاضی حسب دفعہ ۷، ۸، ۹، ۱۰ اور ۱۱ دو حکم مقرر کرے گا۔

۷- پنچوں کے لئے لازم ہوگا کہ وہ مرد ہوں، عادل ہوں اور حتی الامکان زوجین کے خاندان والے ہوں اور اگر اہل خاندان نہ ہوں تو ایسے ہوں جو ان کے احوال سے واقف ہوں اور ان (زوجین) کے درمیان اصلاح کی قدرت رکھتے ہوں۔

۸- پنچوں کے لئے لازم ہوگا کہ وہ زوجین کے درمیان ناچاقی کے اسباب سے واقفیت حاصل کریں اور اصلاح حال کی کوشش کریں اور اگر معروف طریقہ پر اصلاح حال ممکن ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کردیں۔

۹- جب دونوں پنچ اصلاح حال کی کوششوں میں ناکام ہوجائیں درآں حالیکہ زیادتی شوہر کی طرف سے ہو یا دونوں کی طرف سے ہو یا صحیح حالات کا علم نہ ہو سکے تو پنچوں کو اختیار ہوگا کہ طلاق بائن کے ذریعہ ان میں تفریق کرا دیں۔

۱۰- * * * *

۱۱- پنچوں کے لئے لازم ہے کہ انہوں نے جو فیصلہ کیا ہو اس کو قاضی کے روبرو پیش کریں اور قاضی کے لئے لازم ہوگا کہ وہ اس کے مقتضیٰ کے بموجب فیصلہ کرے۔

مجلة الأحوال الشخصيه ، تيونس :

۲۵- جب کہ زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کے ظلم کرنے کی شکایت کرے اور کوئی گواہ نہ ہو اور حاکم کے لئے از خود ظلم کا تعین کرنا دشوار ہو تو وہ حکم مقرر کرے گا اور دونوں حکموں کے لئے لازم ہوگا کہ وہ دریافت حال کریں اور اگر اصلاح حال پر قدرت رکھتے ہوں تو ان میں صلح کرا دیں گے لیکن بہرصورت وہ معاملہ قاضی کے روبرو پیش کریں گے۔

مدونة الاحوال الشخصیه ، مراکش :

۵۶- (۱) جب زوجہ اپنے شوہر کے خلاف ایسے ظلم کا ادّعا کرے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس جیسی عورتوں کا مستقل طور پر باھمی زندگی گزارنا ناممکن بنا دے اور جو ادّعا وہ عورت کرے ثابت ہو جائے اور قاضی اصلاح حال سے عاجز رہے تو قاضی اس بنیاد پر طلاق کا حکم دے گا۔

(۲) جب عورت کی درخواست نامنظور کردی جائے اور وہ دوبارہ اپنی شکایت قاضی کے سامنے پیش کرے اور جرم ثابت نہ ہو تو قاضی ان کے درمیان اصلاح حال کی غرض سے دو حکم مقرر کرے گا۔

(۳) حکموں پر واجب ہوگا کہ وہ زوجین کے درمیان ناچاقی کے اسباب کو سمجھیں اور ان کے درمیان اصلاح کی کوشش کریں۔ اگر معروف طریقہ پر صلح کی کوششیں کامیاب ہو جائیں تو اس کا فیصلہ کر دیں اور اگر وہ دونوں حکم اصلاح سے عاجز ہوں تو معاملے کو قاضی کے روبرو لے جایا جائے گا جو معاملے پر ان کی رپورٹ کی روشنی میں غور کرے گا۔

قانون الحقوق العائلة الاردن :

۹۶- جب زوجہ شوہر کے ایسے ظلم کی مدعی ہو جو اس جیسی عورتوں کی باہم ازدواجی زندگی ناممکن بنا دے تو وہ اس امر کی مجاز ہوگی کہ قاضی کے سامنے طلب تفریق کی درخواست پیش کرے۔ قاضی نزاع اور ناچاقی کے ثابت ہو جانے کے بعد اور ان میں اصلاح حال کی کوشش میں ناکام رہنے پر دو حکم مقرر کرے گا جن کے بارے میں حسب ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے گا :

(الف) حکموں کے لئے لازم ہوگا کہ وہ مرد ہوں، عادل ہوں اور اصلاح حال پر قادر ہوں اور بشرط امکان زوجین کے خاندان

والے ہوں اور اگر ممکن نہ ہو تو غیر اہل خاندان بھی ہو سکتے ہیں ۔

(ب) حکموں پر واجب ہے کہ زوجین کے درمیان ناچاقی کے اسباب کی واقفیت حاصل کریں اور اصلاح کے لئے کوشش کریں اور ممکن ہو تو معروف طریقے پر معاملہ کا فیصلہ کریں ۔

(ج) اگر حکم اصلاح میں ناکام رہے اور قصور شوہر کا ہو تو وہ بغیر کسی معاوضے کے طلاق بائن کے ذریعے تفریق کا فیصلہ دیں گے ۔ اور اگر غلطی عورت کی ہو یا صحیح حال سے واقفیت نہ ہوسکے تو ان میں تفریق کرا دی جائے گی ۔ مہر کے اس حصے کے عوض جو ان میں سے ہر ایک کی غلطی کے مطابق ہوگا ۔ اور اگر غلطی صرف عورت کی ہو تو ان کے درمیان تفریق کرا دی جائے گی اس معاوضے پر جو وہ عورت سے لینا مناسب سمجھیں نیز ان کے لئے یہ لازم ہوگا کہ وہ طلاق سے پہلے اس معاوضے کو اپنی تحویل میں لے لیں ۔

(د) اگر حکموں میں اختلاف ہو تو قاضی ایک دوسری کمیٹی مقرر کرے گا یا غیر خاندان میں سے ایک تیسرے شخص کو بحیثیت سرپنچ ان دو حکموں کے ساتھ شامل کرے گا ۔

(ہ) حکموں پر لازم ہے کہ جو کچھ فیصلہ انہوں نے کیا ہو اسے قاضی کے روبرو پیش کریں اور قاضی اس فیصلے کے اقتضاء کے بموجب حکم صادر کرے گا بشرطیکہ حکموں کا وہ فیصلہ اصول (شریعت) کے مطابق ہو ۔

۹۷- تفریق کا جو حکم صادر ہوگا طلاق بائن کے حکم میں ہوگا ۔

قانون الاحوال الشخصیہ ، سوریہ (شام) :

۱۱۲- (۱) جب زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کے ظلم کرنے کا مدعی ہو جس کے سبب باہمی مستقل ازدواجی زندگی ناممکن ہوجائے تو اس کو قاضی سے تفریق طلب کرنے کا اختیار ہوگا۔

(۲) جب ظلم ثابت ہو جائے اور قاضی اصلاح سے عاجز ہو تو وہ ان کے درمیان تفریق کرا دے گا اور اس تفریق کا اعتبار طلاق بائن کی طرح ہوگا۔

(۳) جب ظلم ثابت نہ ہو یا شوہر ظلم کا مدعی ہو تو قاضی انہیں مصالحت کے لئے مہلت دے گا جو ایک ماہ سے کم نہ ہوگی اگر مدعی نے اس کے باوجود اپنی شکایت پر اصرار کیا اور صلح نہ ہو سکی تو قاضی اہل الزوجین میں سے دو حکم مقرر کرے گا جو ان کے درمیان مصالحت کرانے پر قدرت رکھتے ہوں۔ قاضی ان دونوں حکموں سے اس بات کا حلف لے گا کہ وہ اس مقصد کو جو ان کے سپرد کیا گیا ہے عدل اور امانت کے ساتھ پورا کریں گے۔

۱۱۳- (۱) حکموں پر واجب ہوگا کہ وہ زوجین کے درمیان ناچاقی کے اسباب معلوم کریں اور اپنا اجلاس قاضی کی نگرانی میں منعقد کریں جس میں سوائے زوجین اور اس شخص کے جس کو حکموں نے طلب کیا ہو اور کوئی موجود نہ ہوگا۔

(۲) اس اجلاس میں باوجود اطلاع کے زوجین میں سے کسی ایک کی عدم حاضری سے تحکیم پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

۱۱۴- (۱) حکم زوجین کے درمیان اصلاح کی کوشش کریں گے اور جب وہ دونوں اس سے عاجز ہو جائیں اور قصور مکمل طور پر یا زیادہ تر شوہر کا ہو تو وہ طلاق بائنہ کے ذریعہ تفریق کا فیصلہ دیں گے۔

(۲) اور اگر قصور مکمل طور پر زیادہ تر زوجہ کا ہو تو وہ حکم ان کے درمیان کل مہر کے معاوضے میں یا اس کے کسی حصے کے معاوضے میں تفریق کا حکم دیں گے۔ لیکن وہ مہر قاضی کے تفریق کرنے کے حکم سے قبل ادا کیا جائے گا۔

(۳) اگر حکموں میں آپس میں اختلاف ہو تو قاضی ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو بطور حکم مقرر کرے گا یا ان کے ساتھ تیسرے بہتر حکم کو شامل کرے گا اور اس سے حلف لے گا۔

۱۱۵- حکموں کے لئے لازم ہوگا کہ وہ اپنی رپورٹ قاضی کے سامنے پیش کریں۔ ان کے لئے یہ ضروری نہ ہوگا کہ وہ اپنی رپورٹ میں فیصلہ کے اسباب اور وجوہ بیان کریں۔ قاضی پر واجب ہے کہ وہ ان کی رپورٹ کے بموجب فیصلہ کر دے جب کہ وہ رپورٹ اس فصل کے احکام کے مطابق ہو۔

نتیجۂ فکر:

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں لفظ ''حکم'' استعمال فرمایا ہے۔ یہ لفظ یقیناً وکیل یا شاہد سے مختلف ہے۔ اس لئے ہم لفظ ''حکم'' کے اصطلاحی معنی پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس آیت میں ''حکم'' فیصلہ کرنے والے ہیں نہ کہ اپنے مؤکل کی وکالت کے لئے مامور کئے گئے ہیں۔ اس امر سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ ''حکم'' اور ''حاکم'' میں ایک بین فرق ہوتا ہے وہ یہ کہ ''حکم'' دو افراد یا فریق کے درمیان ''حاکم'' (حکم دینے والا) ہوتا ہے جس کو متعلقہ افراد یا فریق مقرر کرتے ہیں اور فیصلے کا اختیار دیتے ہیں جب کہ حاکم کا اختیار سماعت عام ہوتا ہے۔ لہذا جب زوجین اپنی اپنی طرف سے زیر سماعت دعویٰ میں حکم مقرر کریں گے تو دعویٰ کی نوعیت

کے پیش نظر حکموں کا اختیار خود بخود متعین ہو جائے گا۔ چنانچہ اگر عورت نے بسبب ظلم یا ضرر طلب تفریق کا دعویٰ کیا تو حکموں کو تفریق کا فیصلہ کرنے کا بھی اختیار حاصل ہوگا الا یہ کہ کسی حکم کے مقرر کرتے وقت فریق یا فریقین کی جانب سے انھیں صراحتاً یہ اختیار نہ دیا ہو۔ نیز اس ضمن میں تحکیم بذریعہ عدالت کے احکام مرتب ہوں گے چنانچہ حکموں کا فیصلہ حاکم عدالت کے رو برو پیش ہوگا جو شریعت کے موافق ہونے کی صورت میں اس کے نفاذ اور تعمیل کا حکم دے گا۔

تجویز

پاکستان کے رائج الوقت قانون انفساخ ازدواج مسلمانان ۱۹۳۹ع کے تحت عورت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ شوہر کے ظلم و بے رحمی کے سبب عدالت میں طلب تفریق کی درخواست پیش کر سکتی ہے اور عدالت شوہر کا ظلم ثابت ہو جانے کی صورت میں نکاح فسخ کر سکتی ہے۔

اس ضمن میں یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ ہماری عدالتوں میں حکم مقرر کئے جانے کا طریقہ رائج نہیں ہے اگر حکم قرآنی کے پیش نظر حکم مقرر کر دیئے جائیں جو دریافت حال کے بعد عدالت کو اپنی رپورٹ پیش کریں اور عدالت اس رپورٹ کی روشنی میں مناسب فیصلہ کرے تو زوجین کے تعلقات میں اصلاح کا زیادہ امکان ہوگا۔ اگرچہ عائلی عدالتوں کے قانون مجریہ، ۱۹۶۴ع کے تحت حاکم عدالت کے لئے یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ فریقین کو صلح و صفائی پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے اور ان کو اس کے لئے موقع دے۔ لیکن عملی طور پر صلح کرانے کا کام نہ صرف ایک جج کے لئے چند

در چند دشواریوں کا موجب ہے بلکہ مفید نتائج برآمد ہونے کی بھی زیادہ توقع نہیں کی جاسکتی۔ بناء بریں مناسب ہوگا کہ قانون انفساخ ازدواج مسلمانان، مجریہ ۱۹۳۹ء (Dissolution of Muslim Marriages Act, 1939) اور مغربی پاکستان عائلی عدالتوں کے قانون، مجریہ ۱۹۶۴ء (W.P. Family Courts Act) کی متعلقہ دفعات میں مندرجہ بالا معروضات کی روشنی میں مناسب ترمیم کی جائے۔ اس سلسلے میں دیگر اسلامی ممالک کے مروجہ قوانین کو بھی پیش نظر رکھنا مفید ہوگا جن کے تفصیلی اقتباسات دفعہ ھذا میں شامل ہیں۔

تفریق بسبب ظلم کا اثر

۱۲۹۔ شوہر کے ظلم کے سبب عدالت زوجین میں جو تفریق کرائے گی وہ بمنزلہ ایک طلاق بائن کے ہوگی۔

تشریح

ظلم یا ناچاقی کے سبب جب عدالت مابین زوجین تفریق کرائے گی تو وہ تفریق اپنے حکم کے اعتبار سے ایک طلاق بائن ہوگی[۳۱]۔ چنانچہ مرد پر مہر کی ادائی لازمی ہوگی۔ اگر دخول ہوگیا ہو تو کل مہر دینا ہوگا اور اگر دخول نہ ہوا ہو تو نصف مہر واجب ہوگا۔ عورت پر تاریخ تفریق سے عدت واجب ہوگی اور بعد انقضاء عدت عورت اور مرد اگر چاہیں تو عقد جدید کرنے کے مجاز ہوں گے۔

---

(۳۱) ''والفراق فی ذالک طلاق بائن'' تفسیر قرطبی
مصر، اردن اور شام کے قانون الاحوال الشخصیہ کے تحت بھی یہی صورت ہے۔ دیکھیے کتاب ھذا کے صفحات ۶۸-۶۶۷ و ۶۶۴ (مولف)

سترھواں باب

تفریق بسبب مفقود الخبری، قید و عدم فراہمی نفقہ

تفریق بسبب مفقود الخبری

۱۳۰ - (۱) اگر کوئی شوھر مفقودالخبر ھو تو اس کی زوجه عدالت کے ذریعه تنسیخ نکاح کا حکم حاصل کرنے کی مجاز ھو گی -

(۲) شوھر کی مفقود الخبری متحقق ھو جانے کے بعد عدالت عورت کو ایک سال مزید انتظار کا حکم دے گی اور شوھر کے اس مدت میں نه آنے کی صورت میں عدالت نکاح فسخ کر دے گی اور وہ عورت بعد انقضائے عدت نکاح ثانی کرنے کی مجاز ھوگی :

مگر لازم ھے که مزید ایک سال انتظار کا حکم اس صورت میں دیا جائے گا جب که عورت کے لئے ایک سال کا نفقه موجود ھو ، بصورت دیگر عدالت بعد ثبوت مفقود الخبری بسبب عدم فراھمی نفقه بلا انتظار نکاح فسخ کرنے کی مجاز ھوگی -

(۳) تفریق بسبب مفقود الخبری طلاق رجعی کے حکم میں ھوگی -

تشریح

فقه اسلامی میں مفقودالخبری کے سلسلے میں احکام کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ھے :

(۱) ورثے کی تقسیم کے سلسلے میں ، اور

(۲) اس کی زوجه کے دوسرے مرد سے نکاح کرنے کے سلسلے میں -

امام ابوحنیفه ، امام مالک اور امام شافعی اس مسئلے میں متفق ھیں که مفقودالخبر کو اس کے مال کے بارے میں اس وقت تک زندہ تصور کیا جائے گا جب تک که اس کے ھم‌عمر و ھم‌عصر لوگ زندہ ھوں -

چنانچہ وراثت کے احکام میں مرد کے مفقودالخبر ہو جانے کی صورت میں مرد کی اوسط عمر کا اعتبار کیا جائے گا۔ حضرت عثمان سے بھی یہی قول مروی ہے۔ لیکن زوجۂ مفقود کے نکاح ثانی کرنے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک مفقود الخبر کی زوجہ اس وقت تک عقد نکاح سے خارج نہیں ہو سکتی جب تک کہ شوہر کی موت کا یقینی علم نہ ہو جائے۔ بالفاظ دیگر مفقودالخبر کی زوجہ کا دوسرے مرد سے نکاح اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس مفقودالخبر کے ہم‌عصر لوگ زندہ ہوں۔ احناف کے مسلک میں ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ ہم‌عصروں کی موت کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں بلکہ اس کا تعین حاکم کی رائے پر ہے۔ چنانچہ بعض صورتوں میں احناف کے نزدیک قاضی مفقودالخبر کی زوجہ کو ہم‌عصروں کے انتقال سے پیشتر بھی اجازت دے سکتا ہے مثلاً ظاہری حالات کی بناء پر اس شخص کی ہلاکت یا موت کا غالب گمان ہو جیسے کہ جنگ میں گیا اور پھر پتہ نہ چلا کہ زندہ ہے یا مرگیا۔ مرض‌الموت کی حالت میں نکل گیا اور پھر کوئی پتہ نہ چلا۔ سمندر کا سفر کیا مگر ساحل پر پہونچنے کا علم نہ ہو سکا۔ اس قسم کی صورتوں میں قاضی اس قدر مدت کے بعد جس میں اس کی موت کا ظن غالب پایا جائے فسخ نکاح کا حکم دے سکتا ہے اسی صورت میں مرد کو مردہ تصور کیا جائے گا اور عورت موت کی عدت (۴ ماہ دس یوم) گزار کر دوسرا نکاح کرنے کی مجاز ہوگی۔ لیکن امام مالک کے نزدیک مفقودالخبر کی زوجہ کو عدالت سے رجوع کرنے کے بعد چار سال تک انتظار کرنے اور حاکم عدالت سے فسخ نکاح کا حکم حاصل کرکےعدت گزارنے پر دوسرا نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔[1]

(۱) بدایۃالمجتہد، ابن رشد، (۵۹۵ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۶۹ ہجری، جلد دوم، صفحات ۴۴ - ۴۳

(باقی اگلے صفحہ پر)

چار سال انتظار کی علت :

چار سال کی مدت کے تعین کی علت کے بارے میں مقدمات ابن رشد میں لکھا ہے کہ بعض اصحاب چار سال کی مدت کو اس بناء پر قیاس کرتے ہیں کہ مدت حمل چار سال ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ کنیز کے شوہر کی مفقود الخبری کے سلسلہ میں مدت انتظار دو سال ہے۔ ظاہر ہے کہ مالکیوں کے نزدیک آزاد اور کنیز دونوں کے بارے میں مدت حمل کا حکم یکساں ہے لہذا یہ علت نہیں ہو سکتی۔ بعض اصحاب نے کہا ہے کہ دنیا کی چار جہات ہیں اس لئے ہر جہت کے لئے ایک ایک سال انتظار کا نظریہ پایا جاتا ہے۔

امام مالک کا مسلک :

امام مالک کے نزدیک مفقودالخبر کی چار اقسام ہیں :

(۱) جو اسلامی حکومت میں مفقودالخبر ہو۔

(۲) جو کفار کے ساتھ جنگ میں مفقودالخبر ہو۔

(۳) جو کفار کے ملک میں جاکر مفقودالخبر ہو۔

(۴) جو مسلمانوں کے ساتھ باهم جنگ میں مفقودالخبر ہو۔

اسلامی حکومت میں مفقودالخبر کے لئے چار سال کا متذکرہ بالا حکم ہے جب کہ کفار کے ساتھ جنگ میں مفقودالخبر ہونے کی صورت میں

المحلی، ابن حزم (۴۵۶ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۵۲ ھجری، جلد ۱۰، صفحات ۱۳۲ - ۱۳۳

فتاوی عالمگیری (عربی)، مطبع مجیدی کان پور، ۱۹۳۲ء، جلد دوم، صفحہ ۲۹۶

مجمع الانہر، داماد آفندی، (۱۰۷۸ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ھجری، جلد ۱، صفحہ ۷۱۲

بحرالرائق، ابن نجیم، (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ھجری، جلد ۵، صفحہ ۱۷۸

اس کے حکم میں مالکی فقہاء کے چار اقوال ہیں:

(۱) یہ کہ اس کا حکم قیدی کی مانند ہے تاوقتیکہ اس کی موت کا یقینی علم نہ ہو جائے وہ عورت اس مرد کے عقد میں رہے گی۔

(۲) یہ کہ وہ شخص مقتول کے حکم میں ہے زوجہ ایک سال کے انتظار کے بعد دوسرا عقد کر سکے گی الّا یہ کہ وہ ایسے مقام پر ہو جہاں اس کے شوہر کی حالت معلوم ہو جانا آسان ہو تو اس وقت ایک سال کے انتظار کی ضرورت نہیں۔

(۳) یہ کہ بغیر انتظار نکاح ثانی کرسکے گی۔ اور

(۴) یہ کہ زوجہ کے حق میں مقتول کا حکم دیا جائے گا اور مال کے حق میں اسلامی حکومت میں مفقود کا۔

جو مسلمانوں کے ساتھ باہم جنگ میں مفقودالخبر ہو اس کی زوجہ بقول بعض انتظار کے بغیر عدت گزار کر نکاح سے آزاد ہو جائے گی اور بقول بعض ایک سال کا انتظار کرنا ہوگا۔[۲]

مدت کا شمار:

مالکی اصحاب کے درمیان اس مسئلہ میں متعدد نقطہ ہائے نظر سامنے آتے ہیں کہ چار سال کی مدت کب سے شمار کی جائے گی؟ ایک روایت کے مطابق اگر حاکم عدالت شوہر کی مفقودالخبری کی تصدیق کردے تو زوجہ روز حکم سے چار سال تک انتظار کرے۔ اس کے بعد نکاح فسخ متصور ہوگا، اس کے بعد عورت چار ماہ دس دن کی عدت گزارے گی۔ بعض مالکی اصحاب کے نزدیک چار سال کی مدت اس وقت سے شمار ہوگی

---

(۲) بدایۃ المجتہد، ابن رشد، (۵۹۵ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳٦۹ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۴۴

جب سے کہ حاکم عدالت مقرر کرے ۔ اکثر اصحاب کے نزدیک تاریخ درخواست پیش کرنے سے قبل کتنی ہی مدت گزر چکی ہو ، اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا ۔ لیکن روایات کے اعتبار سے یہ قول قوی‌تر ہے کہ مفقودالخبر کی مدت اس وقت سے شمار ہوگی جب سے عدالت مقرر کرے اور اس مدت سے چار سال ختم ہونے کے بعد طلاق واقع ہوگی اور عورت چار ماہ دس دن کی عدت گزارنے کے بعد مرد کے رشتۂ زوجیت سے آزاد ہو جائے گی اور اپنی مرضی سے نکاح کرنے کی مجاز ہوگی ۔

المدونتہ الکبریٰ جلد ۲ صفحات ۹۳-۹۲ مطبوعہ ۱۳۲۳ھ میں لکھا ہے کہ امام مالک سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی عورت بلا قضائے قاضی اپنے مفقود شوہر کا چار سال تک انتظار کرے تو اس مدت کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں ؟ امام مالک نے جواب دیا کہ اگر وہ اس طرح (بلا حکم قاضی) بیس سال بھی انتظار میں گذار دے تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا بلکہ جس وقت سے قاضی کی عدالت میں اس نے اپنا معاملہ کو پیش کیا اس وقت سے چار سال شمار ہوں گے ۔ یہی بات ابن عبدالحکم نے اپنی مختصر میں لکھی ہے ۔

حیلۃ الناجزہ میں مالکی فتوے کی بناء پر لکھا ہے کہ حاکم چار سال تک انتظار کا حکم اس صورت میں دے گا جب کہ عورت کے پاس مرد کی طرف سے نفقہ کا انتظام موجود ہو (بالفاظ دیگر اگر عورت کے پاس نفقہ کا انتظام موجود نہ ہو تو اس کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم نہیں دیا جائے گا) ۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الحیلۃ الناجزہ صفحہ ۱۱۰ پر لکھا ہے کہ :

"زوجہ مفقود کے لئے چار سال کے مزید انتظار کا حکم اس

صورت میں تو بالاتفاق ضروری ہے جب کہ زوجہ اتنی مدت تک صبر و تحمل اور عفت کے ساتھ گذار سکے لیکن اگر یہ صورت ممکن نہ ہو یعنی عورت اندیشۂ ابتلاء ظاہر کرے اور اس نے ایک عرصہ دراز تک مفقود کا انتظار کرنے کے بعد مجبور ہو کر اس حالت میں درخواست دی ہے جب کہ صبر سے عاجز ہو گئی تو اس میں بھی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کے موافق چار سال کی میعاد میں تخفیف کر دی جائے کیونکہ جب عورت کے ابتلاء کا شدید اندیشہ ہو تو ان کے نزدیک کم ازکم ایک سال صبر کے بعد تفریق جائز ہے۔ جہاں قرآئن قویہ سے اندیشہ قوی ابتلاء یا خوف بالزنا ہو تو ایک سال کے قول پر بھی حاکم کو تفریق کا حکم دینے کی گنجائش ہے''۔

مفقود الخبر کی واپسی :

اس مسئلہ میں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ اگر مفقودالخبر شوہر ۴ سال کی مدت اور عدالت کی ڈگری کے بعد آئے تو اس کا کیا حکم ہوگا ؟ اور اگر اس دوران میں یعنی تنسیخ نکاح کے بعد عدت‌گزار کر عورت نے کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیا ہو تو کیا صورت ہوگی ؟ جہاں تک پہلے مسئلہ کا تعلق ہے ، اگر مرد ایسے وقت آئے جب کہ عورت عدت میں ہو تو وہ رجوع کر سکتا ہے کیونکہ نکاح کلیۃً زائل نہیں ہوا۔[۳] لیکن اگر عورت نے عدت گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیا تو کیا صورت ہوگی ؟ اس سلسلے میں ایک روایت کے مطابق حضرت عمر رضی‌اللہ‌عنہ کے فیصلے کے بموجب اگر عورت کے نکاح ثانی سے پہلے شوہر آ گیا تو وہ اسی کو ملے گی (خواہ کتنی ہی مدت گزر چکی ہو)

---

(۳) مدونۃ الکبری ، امام سحنون ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۳ ھجری ، جلد ۵ ، صفحات ۱۳۳

لیکن اگر عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر چکی ہے تو پھر پہلے شوہر کا حق ساقط ہو گیا اور وہ عورت اس کو نہیں مل سکتی خواہ دوسرے شوہر کے ساتھ خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو کیونکہ نکاح ثانی سے دوسرے مرد کا حق اس عورت سے متعلق ہوگیا۔ مالکی مذہب کے مطابق یہی صورت ہے اور امام مالک نے اپنی کتاب موطاء میں حضرت عمر کے اس فیصلے سے استناد کیا ہے۔[۴]

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اس کے خلاف ہے۔ ان کے نزدیک بہرصورت وہ عورت مرد کو واپس ملے گی خواہ اس عورت کے دوسرے شوہر سے بچے بھی پیدا ہوگئے ہوں۔

اس بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر عورت نے کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیا ہو اور اس کے بعد پہلا شوہر (جو مفقودالخبر تھا) واپس آجائے تو اس سے پوچھا جائے گا کہ وہ بیوی چاہتا ہے یا مہر کی واپسی۔ چنانچہ اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ یعنی اگر اس نے مہر کو اختیار کرلیا تو اس کو مہر دلایا جائے گا اور اگر بیوی کی واپسی چاہی تو زوجہ، شوہر ثانی سے تفریق کرا کے بعد عدت شوہر اول کی طرف لوٹا دی جائے گی اور اگر شوہر ثانی نے اس سے صحبت کی ہو تو شوہر ثانی سے مہر بھی دلایا جائے گا۔[۵]

---

(۴) ''قال مالک وقد بلغنی ان عمر بن الخطاب قال فان تزوجت ولم یدخل الاخر یخلوا سبیل لزوجها الاول الیها (قال مالک) وهذا احب ما سمعت الی هذا و فی المفقود۔'' (مدونةالکبری، امام سحنون مطبوعہ مصر، ۱۳۲۳ھ، جلد ۵، صفحہ ۱۳۲)

(۵) ''عن سعید بن المسیب عن عمر فی امراة المفقود قال ان جاء زوجها وقد تزوجت خیر بین امراته و بین صداقها فان اختار الصداق کان علی زوجها الاخر وان اختار امرأته اعتدت حتی تحل ثم ترجع الی زوجها الاول وکان لها من زوجها الاخر مهرها بما استحل من فرجها، قال ان شهاب و قضی بذلک عثمان بعد عمر رضی اللہ عنہ۔'' (سنن الکبری، للبیهقی، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۵۳ هجری، جلد ۷، صفحہ ۴۴۶)

اس مسئلہ میں مندرجہ بالا اقوال اور اس سے متعلق جزئیات پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ :

(۱) اگر عورت نے نکاح ثانی نہیں کیا اور شوہر آ گیا تو مرد کا حق نکاح اس عورت پر قایم رہے گا اور وہ اپنی عورت کو حاصل کر سکتا ہے ۔

(۲) اگر عورت نے نکاح ثانی کر لیا اور شوہر واپس آ گیا اور اس عورت کا نکاح بحکم عدالت فسخ ہوا تھا تو مرد کا حق بالکلیہ ساقط ہو گیا اور وہ بیوی واپس نہیں لے سکتا ۔

لیکن اس سلسلے میں (بطور مثال) ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کے نتیجے میں جو ہولناک فسادات رونما ہوئے جن میں لاکھوں انسانوں کا بے دریغ خون بہا ، ان میں ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں کہ ہنگامہ دار و گیر گرم ہے ، شوہر بیوی سے بچھڑ گیا ، بیوی کی جان کسی طرح بچ گئی ۔ شوہر کا پتہ نہیں ۔ اغلب گمان یہ ہے کہ فساد میں کام آگیا ۔ بیوی نے عدالت سے رجوع کئے بغیر دوسرا نکاح کر لیا ، خلوت صحیحہ بھی ہو گئی ۔ اب یکایک یہ معلوم ہوا کہ پہلا شوہر زندہ ہے اور وہ واپس بھی آجاتا ہے ایسی صورت میں کیا کیا جائے گا ؟ اس مسئلے کی بھی دو صورتیں ہیں :

(۱) یہ کہ عورت نے چار سال کی مدت سے قبل نکاح ثانی کر لیا ۔

(۲) یہ کہ عورت نے چار سال تک انتظار کرکے عدت گزار کر نکاح ثانی کیا ۔ مگر دونوں صورتوں میں عدالت کا حکم حاصل نہیں کیا گیا ۔ ایسی صورتوں میں کیا ہوگا ؟

ان دونوں صورتوں میں نکاح اول ''فسخ'' قرار نہ دیا جائے گا کیونکہ عدالت سے تفریق کا حکم حاصل نہیں کیا گیا ۔ اس کی دلیل یہ

ہے کہ نکاح "لازم" اور "حقیقی" ہے جس کو ختم کرنے کا حق فی الاصل مرد کا ہے اور دفع ضرر کی خاطر عدالت مرد کے قائم مقام کی حیثیت سے نکاح "فسخ" کر سکتی ہے۔ مندرجہ بالا ہر دو صورتوں میں چونکہ شوہر کا نکاح فسخ نہیں ہوا لہذا نکاح اول جو لازم اور حقیقی ہے قائم رہے گا اور محض مدت کا گذر جانا اور عورت کا نکاح ثانی کر لینا اس کو فسخ نہیں کر سکتا۔

پہلے مسلک کے دلائل :

جو فقہاء شوہر کی موت کا یقین حاصل نہ ہونے تک اس کی زوجہ کو نکاح ثانی کی اجازت نہ دینے کے قائل ہیں وہ ایک حدیث رسول اور چند آثار صحابہ کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں جن کا ذکر مختلف کتب فقہ کی میں کیا گیا ہے۔

چنانچہ برہان الدین مرغینانی نے اپنی کتاب "ہدایہ" میں لکھا ہے کہ "ہماری دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مفقود کی زوجہ کے متعلق یہ فرمان ہے کہ جب تک معلوم نہ ہو جائے اس کی زوجہ اسی کی رہے گی۔ اور حضرت علی کا یہ قول بھی ہے کہ مفقود کی عورت آزمائش میں مبتلا ہو گئی ہے اس کو اس وقت تک صبر کرنا چاہئے جب تک شوہر کی موت یا طلاق کا پتہ نہ چل جائے۔[6]

ابن ہمام صاحب فتح القدیر شارح ہدایہ نے مذکورہ بالا حدیث اور حضرت علی کے قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مذکورۃ الصدر حدیث کو دارقطنی نے کتاب السنن میں اپنی سند سے روایت کیا ہے :

"سوار ابن مصعب بواسطہ شرحبیل ہمدانی حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے روایت کرتے ہیں کہ مغیرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۶) ہدایہ ، برہان الدین مرغینانی ، مطبوعہ قرآن محل ، جلد ۲ کتاب المفقود ، صفحات ۲۳-۶۲۲

فرمایا ''مفقود کی بیوی اس کی بیوی رہے گی جب تک بیان نہ آ جائے''

بعض نسخوں میں ہے کہ جب تک خبر نہ معلوم ہو۔ لیکن محمد بن شرحبیل راوی کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف قرار دی گئی ہے (کیونکہ) ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ شرحبیل حضرت مغیرہ سے منکر و باطل احادیث روایت کرتا ہے نیز ابن قطان نے فرمایا ہے کہ سوار ابن مصعب متروک ہونے میں محمد بن شرحبیل سے بھی زیادہ مشہور ہے۔

صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول پیش کرکے معارضہ کیا ہے، اور وہ روایت پیش کی ہے جس کو عبدالرزاق نے اپنی سند سے حکم ابن عتیبہ سے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مفقود کی زوجہ کے متعلق فرمایا: ''یہ ایسی عورت ہے جو مبتلا (آزمائش میں ڈالی گئی) کردی گئی ہے۔ اس کو اس وقت تک صبر کرنا چاہئے جب تک کہ موت یا طلاق کی اطلاع نہ ملے''۔ معمر نے بواسطہ ابن ابی لیلی حکم سے یہی مضمون روایت کیا ہے۔ پھر کہا ہے کہ ابن جریج نے بیان کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی اس حکم میں حضرت علی کی موافقت کی ہے' کہ عورت انتظار ہی کرتی رہے۔ ابن ابی شعبہ نے ابو قلابہ و جابر ابن یزید و شعبی و نخعی رضی اللہ عنہم سے بھی یہی حکم روایت کیا گیا ہے کہ جب تک مفقود کی موت کا علم نہ ہو' عورت کو دوسرا نکاح کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔[۷]

صاحب ہدایہ نے آگے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

(۷) شرح فتح القدیر' ابن ہمام' (۸۶۱ھ)' مطبوعہ مصر' ۱۳۵۶ ہجری' جلد ۴' صفحہ ۴۴۴

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا ۔[8] صاحب فتح القدیر شارح ھدایہ اس قول پر تحریر فرماتے ھیں کہ (یہ) بیان کیا گیا ھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع فرمالیا تھا ۔ یہ (بات) ابن ابی لیلی نے ذکر کی ھے (اور) کہا ھے کہ تین فیصلوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قول کی طرف رجوع فرمالیا تھا :

(۱) مفقود کی زوجہ کے بارے میں ۔

(۲) ابو کنف کی زوجہ کے بارے میں ۔ اور

(۳) اس عورت کے بارے میں جو عدت کے دوران نکاح کرلے ۔

چنانچہ ان تینوں مسئلوں میں ھم (احناف) نے حضرت علی کے قول کو اختیار کیا ھے ۔[9]

امام ابو محمد ابن حزم نے اپنی کتاب ''المحلی'' میں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے چند اقوال بیان کئے ھیں جو حسب ذیل ھیں :

(۱) حکم بن عتیبہ سے مروی ھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب عورت کا خاوند مفقود ھو تو وہ (عورت) اس وقت تک نکاح نہ کرے جب تک کہ وہ نہ آ جائے یا مر نہ جائے ۔[10]

(۲) شعبی سے مروی ھے انھوں نے کہا کہ حضرت علی ابن ابی طالب

---

(۸) ھدایہ، برھان الدین مرغینانی ، (۵۹۳ھ) مطبوعہ قرآن محل ، جلد ۲ ، کتاب المفقود ، صفحات ۶۲۲-۲۳

(۹) فتح القدیر ، ابن ھمام (۸۶۱ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۶ ھجری ، جلد ۴ ، صفحہ ۴۴۴

(۱۰) '' عن الحکم بن العتیبة قال قال علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اذا فقدت المراۃ زوجھا لم تتزوج حتی یقدم او یموت ۔'' (المحلی ، ابن حزم ، (۴۵۶ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۲ ھجری ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۱۳۸)

نے فرمایا کہ جب اس (عورت) کا پہلا شوہر لوٹ آئے تو اس (مرد) کے لئے کوئی خیار (option) نہیں ہے اور وہ (عورت) اس کی زوجہ ہے ۔[11]

(۳) سعید بن جبیر سے مروی ہے حضرت علی نے فرمایا کہ مفقود الخبر شخص کی زوجہ نکاح نہ کرے (کیونکہ) وہ پہلے شوہر کی زوجہ ہے ، خواہ شوہر (ثانی) نے اس سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو ۔[12]

(۴) ابن جریج سے مروی ہے ، انہوں نے کہا مجھ تک یہ بات پہنچی کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے حضرت علی کے ساتھ زوجۂ مفقود کے مسئلے میں موافقت فرمائی کہ عورت تا ابد اس شوہر (اول) کا انتظار کرے ۔[13]

امام بیہقی نے بھی اپنی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چند اقوال زوجۂ مفقود کے مسئلے میں نقل کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں :

(۱) عبداللہ الاسدی سے مروی ہے کہ حضرت علی نے مفقود کی زوجہ کے بارے میں فرمایا کہ عورت نکاح (ثانی) نہ کرے ۔[14]

(۲) حنش سے مروی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ (زوجہ

---

(۱۱) ''من طریق ابی عبیدالیضا ، فاھشیم انا سیارعن الشعبی قال قال علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اذا جاء زوجھا الاول فلا خیار لہ وھی امراتہ ۔'' (المحلی ، ابن حزم (۴۵۶ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۲ ھجری ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۱۳۸)

(۱۲) ''عن سعید بن جبیر قال قال علی رضی اللہ عنہ بن طالب فی امراۃ المفقود لا تزوج ھی امراۃ الاول دخل بھا الاخر اولم یدخل'' (المحلی ، ابن حزم (۴۵۶ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۲ ھجری ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۱۳۸)

(۱۳) ''عن ابن جریج قال ، بلغنی عن ابن مسعود انہ وافق علی بن ابی طالب فی امراۃ المفقود علی انھا تنتظرہ ابداً'' (المحلی ، ابن حزم (۴۵۶ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۲ ھجری ، جلد ۱۰ ، صفحہ ۱۳۸)

(۱۴) ''عن عبداللہ الاسدی عن علی رضی اللہ عنہ قال فی امراۃ المفقود لا تزوج ، (السنن الکبری ، بیہقی ، مطبوعہ دکن ، جلد ۷ ، صفحہ ۴۴۴)

مفقود کے سلسلے میں) جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے وہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا - وہ عورت اپنے غائب شوہر کی بیوی ہے یہاں تک کہ اس کی موت کا یقین ہو یا طلاق کا - اور وہ عورت شوہر ثانی سے اپنا مہر پانے کی حقدار ہے برین بناء کہ اس مرد نے اس کی شرم گاہ سے تمتع (جنسی فائدہ) اٹھایا اور اس (دوسرے) مرد کا نکاح باطل ہے -[۱۵]

(۳) سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ عورت پہلے شوہر کی زوجہ ہے خواہ دوسرے شوہر نے اس سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو -[۱۶]

دوسرے مسلک کے دلائل :

جو فقہاء مفقود الخبر کی زوجہ کے مسئلے میں حضرت علی اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک کے خلاف ہیں اور ایسی عورت کے لئے چار سال کی مدت کا تعین کرتے ہیں وہ اپنے مسلک کی بنیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتوی (فیصلے) پر رکھتے ہیں - چنانچہ جو متعدد روایات حضرت عمر سے منقول ہیں ان کا ذکر امام ابو محمد ابن حزم نے اپنی مشہور کتاب المحلٰی میں کیا ہے جو حسب ذیل ہیں :

۱- ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے اس شوہر مفقود کو ، جس کی زوجہ نے نکاح ثانی

---

(۱۵) '' عن حنش قال قال علی رضی اللہ عنہ لیس الذی قال عمر رضی اللہ عنہ بشئی یعنی فی امراۃ المفقود ھی امراۃ الغائب حتی یاتیھا یقین موتہ اوطلاقھا و لھا الصداق من ھذا بما استحل من فرجھا و نکاحہ باطل (السنن الکبری ، بیہقی ، مطبوعہ دکن ، جلد ۷ ، صفحہ ۴۴۴)

(۱۶) '' عن سعید بن جبیر عن علی رضی اللہ عنہ قال ھی امراۃ الاول دخل بھا الاخر اولم یدخل بھا -'' (السنن الکبری ، بیہقی ، مطبوعہ دکن ، جلد ۷ ، صفحہ ۴۴۴)

کر لیا تھا اس کی زوجہ اور اس مہر کے درمیان جو اس شوہر نے اپنی بیوی کو دیا تھا، اختیار دیا۔ یعنی (یا تو وہ زوجہ کو واپس لے لے یا مہر لے لے)۔[۱۷]

۲۔ علامہ ابن حزم نے دوسری چار سندوں بروایت ابن ابی لیلیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا فیصلے کو مختلف عبارتوں میں نقل کیا ہے۔ یہ عبارتیں حسب ذیل ہیں:

(الف) ایک مرد مفقود ہو گیا اس کی بیوی چار سال کے بعد حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت عمر نے اس کی برادری والوں سے پوچھا جنہوں نے اس عورت کے بیان کی تصدیق کی چنانچہ حضرت عمر نے اس عورت کو حکم دیا کہ وہ اس بیان کے وقت سے چار سال انتظار کرے پھر اس عورت نے نکاح (ثانی) کرلیا۔ اس کے بعد اس کا شوہر (اول) آگیا۔ اس نے (حضرت عمر سے) اس واقعہ کا ذکر کیا ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ حضرت عمر نے اس مرد کو مہر اور اس کی زوجہ کے درمیان اختیار دیا۔ اس مرد نے مہر اختیار کرلیا۔[۱۸] (یعنی حضرت عمر نے اس مرد سے فرمایا کہ تم چاہو تو اپنی بیوی واپس لے سکتے ہو اور چاہو تو جو مہر تم نے اپنی بیوی کو دیا ہے واپس لے لو۔ اس مرد نے مہر لینا پسند کیا۔)

---

(۱۷) ”عن عبدالرحمن بن ابی لیلی قال شہدت عمر خیر مفقوداً تزوجت امرأة بینہا و بین المہر الذی ساقہ الیہا (المحلی، ابن حزم (۴۵۶ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ جلد ۱۰، صفحہ ۱۳۴)

(۱۸) ”ان رجلاً فقد امرأتہ فاتت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بعد اربع سنین، فسأل قومہا فصدقوہا فامرہا، ان تعتد اربع سنین من ذی قبل ثم تزوجت فجاء زوجہا و ذکر الخبر قال: فخیرہ عمر رضی اللہ عنہ بین الصداق و بین امرأتہ فاختار الصداق“ (المحلی، ابن حزم (۴۵۶ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۵۲ھ جلد ۱۰، صفحہ ۱۳۴)

(ب) ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ ایک عورت کا شوہر مفقود ہوگیا ، تو اس نے چار سال تک انتظار کیا پھر اپنے معاملے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضور پیش کیا ۔ حضرت عمر نے اس کو حکم دیا کہ جس وقت وہ اپنا معاملہ ان کے حضور لائی ہے اس وقت سے چار سال تک منتظر رہے اگر اس کا شوہر آجائے تو خیر ورنہ وہ عقد (ثانی) کر لے ۔ چار سال گزر گئے اور اس عورت نے (اس مدت میں) اپنے شوہر کے بارے میں کچھ نہ سنا چنانچہ اس عورت نے نکاح (ثانی) کر لیا ۔ پھر اس کا شوہر (اول) آگیا اور اسے یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ حضرت عمر نے اس سے فرمایا : اگر تو چاہے تو ہم تیری بیوی کو تجھے دلا دیں اور اگر تو چاہے تو تیرا نکاح کسی دوسری عورت سے کرا دیں اس مرد نے کہا کہ آپ میرا نکاح دوسری عورت سے کرا دیجیے ۔[19]

(ج) ایک روایت میں ایک عورت کے شوہر کو جن کے لے جانے کا مختصر ذکر ہے اس کے بعد کی عبارت یہ ہے کہ اس عورت نے اس واقعہ کی خبر حضرت عمر کو دی آپ نے حکم دیا کہ وہ (عورت) چار سال انتظار کرے ۔ چنانچہ عورت نے چار سال انتظار کیا ۔ اور پھر اپنے معاملے کو حضرت

---

(۱۹) '' قال : فقدت امراۃ زوجها فمکثت اربع سنین ثم ذکرت امرها لعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فامرها ان تتربص اربع سنین من حین رفعت امرها الیه فان جاء زوجها والا تزوجت فتزوجت بعد ان مضت السنوات الاربع ولم تسمع له بذکر ثم جاء زوجها فاخبر بالخبر فاتی الی عمر رضی اللہ عنہ فقال له عمر : ان شئت رددنا الیک امراتک و ان شئت زوجناک غیرها قال : بل زوجنی غیرها ''
(المحلی ' ابن حزم (۴۵۶ھ) مطبوعہ مصر ' ۱۳۵۲ ہجری ' جلد ۱۰ ' صفحات ۱۳۴)

عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئی پس آپ نے اس عورت کو حکم دیا کہ وہ نکاح (ثانی) کر سکتی ہے ۔ اس عورت نے نکاح (ثانی) کر لیا ۔ اس کے بعد اس کا پہلا شوہر آگیا ۔ حضرت عمر نے اس شوہر کو اس کی بیوی اور مہر کے انتخاب کا اختیار دیا ۔ اس مرد نے اپنی عورت کو پسند کرلیا ۔ پس حضرت عمر نے اس عورت اور اس شوہر ثانی کے درمیان تفریق کرائی اور عورت کو اس (شوہر اول) کی طرف لوٹا دیا ۔ [۲۰]

اگرچہ ابن حزم نے مذکورہ بالا آثار کے علاوہ بھی چند اور آثار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کئے ہیں ، لیکن مذکورہ بالا آثار کے علاوہ دیگر آثار کو غیر صحیح کہا ہے ۔ اس لئے ہم ان آثار کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتے ۔

محاکمہ :

حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے آثار کے ساتھ ہی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی موافقت حضرت عثمان ، عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن عباس کے اقوال سے ہوتی ہے ۔ یہ تینوں صحابی، فقہاء صحابہ میں سے ہیں ۔ تابعین میں حسن بصری ، خلاس بن عمرو ، نخعی ، زہری ، مکحول ، عمر بن عبدالعزیز ، سعید بن مسیب ، قتادہ ، ابوالزناد ، ربیعہ ، اوزاعی ، لیث بن سعد اور مالک بن انس کے اسماء گرامی ملتے ہیں جو حضرت عمر کے فیصلے کی موافقت کرتے ہیں ۔

---

(۲۰) '' فاخبرته فامرها ان تعتد اربع سنين ففعلت فامرها ان تتزوج ففعلت و قدم زوجها الاول فخيره عمر رضی‌الله عنه بين امراته و بين الصداق فاختار امراته ففرق عمر بينهما و ردها اليه '' (المحلی ، ابن حزم ، (۴۵۶ھ) ، مبطوعه مصر ، ۱۳۵۲ هجری ، جلد ۱۰ ، صفحات ۱۳۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے متفق صحابہ میں حضرت ابن مسعود نظر آتے ہیں ۔ اور تابعین میں سے شعبی ' ابن ابی لیلیٰ ' شبرمہ ' عثمان البتی ' سفیان ثوری ' حسن بن حی ' ابو حنیفہ ' محمد ابن ادریس شافعی ' ابو سلیمان وغیرہ شامل ہیں ۔

جہاں تک حدیث نبوی کا تعلق ہے اس کے بارے میں خود حضرت علی کے قول سے متفق ائمہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مذکورہ حدیث ضعیف ہے ۔ البتہ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ حدیث حضرت علی کے قول کے ساتھ بطور تائید پیش کی جاسکتی ہے یا نہیں ؟ اور اس بناء پر حضرت علی کا قول حضرت عمر کے قول کے مقابلے میں مرجح قرار پاسکتا ہے یا نہیں ۔ چنانچہ امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ ایک ضعیف حدیث اگرچہ خود قابل حجت نہیں ہوتی لیکن دوسری حدیث یا اثر کو تقویت پہنچا سکتی ہے ۔ چنانچہ ابن ہمام نے اپنی کتاب فتح القدیر میں احناف کا مسلک حضرت علی کے قول کو اختیار کرنا بیان کرتے ہوئے ان کے قول کی ترجیح میں مذکورہ حدیث مرفوع کو اس کے ضعیف ہونے کے باوجود مرجح قرار دیا ہے ۔ اس کے برخلاف جو ائمہ حضرت علی کے قول کو قابل ترجیح قرار نہیں دیتے ان کے نزدیک یہ حدیث مرجح بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ اس حدیث کا ضعف جن الفاظ سے بیان کیا گیا ہے وہ الفاظ حدیث مذکور کو مرجح قرار دینے کے بھی منافی ہیں ۔ چنانچہ ان کے نزدیک وہ ضعیف حدیث مرجح ہوسکتی ہے یعنی تائید میں پیش کی سکتی ہے جس کا ضعف باطل و منکر کے درجے تک نہ پہنچا ہو ۔ نصب الرایۃ لاحادیث الھدایہ[21] اور الدرایہ فی تخریج

---

(۲۱) نصب الرایہ لاحادیث الھدایہ ' زیلعی ' مطبوعہ ڈابھیل ۱۳۵۷ ہجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۴۱۰-۴۱۳

احادیث الهدایه [۲۲] میں اس حدیث کے بارے میں تفصیلی کلام کیا گیا ہے ۔

علاوہ ازیں حضرت عمر کے قول کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے زوجہ مفقود کے سلسلے میں اپنے قول سے رجوع یعنی حضرت علی کے قول کو اختیار فرما لیا تھا ۔ لیکن ہمیں باوجود تلاش کے کوئی ایسی روایت نہ مل سکی جس سے حضرت عمر کا اپنے قول سے حضرت علی کے قول کی طرف رجوع کرنا ثابت ہوتا ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اپنی کتاب ''الدرایہ فی تخریج الاحادیث الهدایه'' میں اس سلسلے میں لکھا ہے کہ انھیں بھی حضرت عمر کے حضرت علی کے قول کی طرف رجوع کرنے کے بارے میں کوئی روایت نہیں ملی ۔[۲۳]

ابن ہمام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رجوع کرنے کے سلسلے میں حضرت ابن ابی لیلیٰ کا نام لیا ہے لیکن حضرت ابن ابی لیلیٰ کا اس سلسلے میں براہ راست قول ہمیں نہ مل سکا ۔ بالفرض محال ابن ابی لیلیٰ کا ایسا کوئی قول ہو بھی تو محض ان کا قول قابل حجت نہیں ۔

بہر حال مذکورہ بالا آثار سے یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ حضرت عمر کے نزدیک مفقود الخبر کی زوجہ حاکم وقت کی خدمت میں اپنا معاملہ پیش کرنے کے بعد چار سال انتظار کر کے بعد عدت نکاح ثانی کی مجاز ہے ۔ اور یہ قول صریحاً حضرت علی کے اس قول کے خلاف ہے کہ زوجہ مفقود اس وقت تک انتظار کرے جب تک کہ شوہر کی موت یا طلاق کا یقینی علم حاصل نہ ہو جائے جہاں تک کہ حضرت عمر کی دوسری روایتوں میں شوہر اول کے واپس آ جانے کے بعد کا حکم ہے

---

(۲۲) الدرایہ فی تخریج الاحادیث الهدایه ' ابن حجر عسقلانی ' مطبوعہ محبوب المطابع دہلی ' ۱۳۵۰ ھجری ' صفحہ ۲۷۶

(۲۳) '' قد رجع عمر رضی اللہ عنہ الی قول علی رضی اللہ عنہ ' ۔۔۔ اما رجوع عمر رضی اللہ عنہ فلم ارہ'' (الدرایہ فی تخریج الاحادیث الهدایه' ابن حجر عسقلانی' مطبوعہ محبوب المطابع ' دہلی ' ۱۳۵۰ ھجری ' صفحہ ۲۷۶)

اس حکم سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی کے قول کے طرف بعینہ رجوع ثابت نہیں کیا جا سکتا ۔

حضرت عمرؓ کے اقوال سے جو بات ثابت ہوتی ہے یہ ہے کہ آپ نے معاملہ پیش کئے جانے کے بعد چار سال انتظار کا حکم دیا ہے بالفاظ دیگر اس چار سال کی مدت کا اعتبار نہ کیا جو عورت نے دعویٰ پیش کرنے سے پہلے انتظار میں گذاری ۔

بنائے اختلاف :

اس اختلاف کی بنیاد استصحاب اور قیاس دو فقہی اصولوں کے اطلاق پر ہے ۔ اصول استصحاب کے تحت ایک شے اپنی اصلی حالت پر قایم رہتی ہے جو قانون شریعت کے مطابق اس کو حاصل ہے تاوقتیکہ بعد میں اصلی حالت کے زائل ہونے کا کوئی یقینی ثبوت موجود نہ ہو ۔ مثلاً صاف پانی پاک ہے تاوقتیکہ یقینی طور پر علم نہ ہو جائے کہ اس میں کوئی ایسی چیز شامل ہوگئی ہے جس سے وہ پانی ناپاک ہوگیا وہ پانی پاک رہے گا لہذا جو فقہاء شوہر کو مفقودالخبری کی صورت میں دوسرے مرد سے نکاح کرنے کے حق کو شوہر کی موت کے یقینی علم پر موقوف رکھتے ہیں وہ استصحاب کے اصول پر عمل کرتے ہیں اور جو فقہاء ایک مدت کے بعد زوجہ کو یہ حق دینے کے قائل ہیں وہ قیاس پر عمل کرتے ہیں ۔ قیاس کے تحت شوہر کی مفقودالخبری ایلاء یا مرد کے قید میں ہونے کے برابر ہے کیونکہ عورت کو شوہر کی مفقود الخبری کے سبب ضرر پہونچا ہے اور شریعت کا اصول ہے کہ نہ ابتدا میں ضرر پہونچایا جائے نہ انتہا میں ۔[۲۴]

---

(۲۴) ''لاضرر ولاضرار'' شرح المجلہ' خالد الا تاسی ' مطبوعہ حمس' ۱۳۴۹ ھجری' جلد اول ' صفحات ۲۰ و ۲۴

'' والضرر ابتداءا لفعل و الضرارالجزاء علیہ '' (النھایہ فی غریب الحدیث ' ابن اثیر مطبوعہ مصر' ۱۳۱۱ ھجری ' جلد ۳ ' صفحہ ۱۶)

تجزیہ :

شرع اسلام میں جن وجوہ اور اسباب کی بناء پر عورت کو طلب تفریق کا اختیار دیا گیا ہے ان میں مرد کی نامردی ، عدم فراہمی نفقہ اور جنون وغیرہ شامل ھیں ۔ ان اسباب اور وجوہ کی بناء پر تفریق کے حق کی بنیاد عورت کو ضرر سے محفوظ رکھنے کے اصول پر قائم ہے ۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک شوھر جو غائب غیر مفقود ھو اس سے تفریق حاصل کرنے کا جواز تسلیم کر لیا جائے مگر مفقود الخبر شخص کی زوجہ تا زندگی انتظار کرتی رہے ۔ کسی شادی شدہ عورت کا عمر بھر اس طرح اپنے شوھر کا انتظار اور اپنے جذبات پر قابو رکھنا نہ صرف مشکل اور کٹھن ہے بلکہ ایسی صورت میں صبر کی تلقین کرنا اللہ کے اس قول کے بھی خلاف ہے کہ ''اللہ کسی نفس کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا'' ۔ شوھر کی موت کی اطلاع تک عورت کا صبر کئے بیٹھے رھنا جنسی آوارگی اور گناہ میں آلودگی کا ایک قوی سبب بن سکتا ہے ۔ لہذا حنفیہ اور شافعیہ کے مقابلے میں مالکیہ کا مذھب قوی تر اور اصح معلوم ھوتا ہے ۔

چنانچہ اس مسئلہ میں مالکیہ مذھب کو اختیار کرنا خود حنفی علماء متاخرین سے بھی ثابت ہے ۔ مالکیہ کے مذھب کی تفصیلات کے تحت جن کو ''الحیلۃ الناجزہ'' وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے حسب ذیل امور سامنے آتے ھیں :

(۱) عورت نے اپنے شوھر کی مفقود الخبری کا علم ھونے کے بعد کافی انتظار کئے بغیر عدالت سے رجوع کیا تو عدالت حسب ضابطہ نکاح اور مفقود الخبری کا ثبوت لینے اور اخبارات و دیگر ذرائع کو استعمال کرنے کے بعد ، جب کہ شوھر کے ملنے کی

امید منقطع ہو جائے، چار سال مزید انتظار کا حکم دے گی۔ ان چار سال کے دوران اگر شوہر نہ آئے تو چار سال ختم ہونے پر عدالت نکاح فسخ کر دے گی اور عدت گذرنے کے بعد عورت کو نکاح ثانی کا اختیار ہوگا۔

(۲) عورت نے اگر کافی انتظار کے بعد دعویٰ کیا یا عورت کے مبتلاء معاصی ہونے کا خطرہ قوی ہو تو عدالت ذرائع نشر و اشاعت استعمال کرنے کے بعد ایک سال مزید کا انتظار کا حکم دے کر اس کے اختتام پر نکاح فسخ کر سکتی ہے اور عورت بعد عدت نکاح ثانی کی مجاز ہوگی۔

ان دونوں صورتوں میں چار سال یا ایک سال مزید انتظار کا حکم دینا ضروری ہے۔ البتہ اس میں حالات کے اعتبار سے اس قدر ترمیم کی جا سکتی ہے کہ چار سال یا ایک سال کی مدت کو مرافعہ الی الحاکم سے شمار کیا جائے۔ مالکیہ کے یہاں یہ بھی قول ملتا ہے۔

مختلف اسلامی ممالک میں شوہر کے غائب ہونے کی بناء پر تفریق

مصر:

۱۲- جب کہ شوہر ایک سال یا اس سے زائد مدت سے بلا عذر معقول غائب ہو تو اس کی زوجہ کے لئے یہ امر جائز ہوگا کہ وہ قاضی کے روبرو طلاق بائن کی درخواست پیش کرے جب کہ شوہر کے بعد اس کی غیبت سے اس کو ضرر پہنچا ہو، خواہ شوہر کا مال اس کے اخراجات کی کفالت کے لئے موجود ہو۔

۱۳- جب کہ غائب شوہر کے نام مراسلات روانہ کرنا ممکن ہو

تو قاضی اسے مہلت دے گا اور اس کو یہ نوٹس دے گا کہ وہ اس کی زوجہ کو طلاق دے دے اگر اس نے اپنی بیوی کے ساتھ رہنے یا اسے اپنے پاس بلانے یا اس کو طلاق دینے کے لئے خود کو عدالت میں پیش نہ کیا ۔ چنانچہ جب مہلت ختم ہو جائے اور وہ شوہر کچھ نہ کرے اور اس کا عذر مقبول نہ ہو تو قاضی طلاق بائن کے ذریعہ ان میں تفریق کرادے گا ۔ اور اگر غائب شوہر کو مراسلات بھیجنا ممکن نہ ہو تو قاضی بلا نوٹس اور مہلت دئے اس عورت کو طلاق دے دے گا ۔[۲۵]

عراق :

۴۳۔ جب کہ شوہر دو سال یا اس سے زیادہ مدت سے بلا عذر شرعی غائب ہو اور اس کی جائے قیام معروف ہو تو عورت کے لئے یہ امر جائز ہوگا کہ وہ عدالت سے برہنائے ضرر تفریق کی درخواست کرے خواہ اس مرد کا مال عورت کے لئے کیوں نہ موجود ہو ۔[۲۶]

تیونس :

فصل ۴۰۔ جب شوہر اپنی زوجہ سے غائب ہو جائے اس کا کوئی مال عورت کے پاس موجود نہ ہو اور اس نے عورت کے لئے نفقہ نہ چھوڑا ہو اور نہ ہی اس نے کسی شخص کو اپنی غیبت کے دوران اس عورت کے اخراجات کی کفالت کے لئے مقرر کیا ہو تو حاکم عدالت اس شوہر کو ایک ماہ کی مہلت دے گا تاکہ وہ شوہر عدالت میں پیش ہو ۔ عدم حاضری کی صورت میں متذکرہ امور کے ثبوت اور عورت کے حلف کے بعد قاضی طلاق دے دے گا ۔[۲۷]

---

(۲۵) قانون مصر، نمبر ۲۵، بابت ۱۹۲۹ء

(۲۶) قانون الاحوال الشخصیہ، عراق

(۲۷) مجلۃ الاحوال الشخصیہ، تیونس

مراکش :

۵۷- (۱) و (۲) کے تحت مصر کے قانون کی دفعات ۱۲ اور ۱۳ کے مطابق احکام مذکور ہیں ۔[۲۸]

اردن :

اردن کے قانون کی دفعات ۸۹ اور ۹۰ کے تحت جو احکام بیان کئے گئے ہیں وہ مصری قانون کی دفعات ۱۲ اور ۱۳ کے مطابق ہیں ۔[۲۹]

شام :

شام کے قانون کی دفعہ ۱۰۹ (۱) اور (۲) کے تحت شوہر کے غائب ہونے کے سبب طلب تفریق کے اختیار کے سلسلے میں وہی احکام مذکور ہیں جو شوہر کے قید میں ہونے کے سبب تفریق بسبب قید ''کے عنوان کے تحت بیان کئے گئے ہیں ۔[۳۰]

تجزیہ :

اس ضمن میں بلاد اسلامیہ میں جو قوانین رائج ہیں ان میں یہ فرق ہے کہ عراق میں شوہر کے غائب ہونے کی مدت ۲ سال کم از کم ہے ۔ جب کہ مصر ، مراکش اور اردن میں ایک سال کی مدت طلب تفریق کے اختیار کے لئے کافی ہے ۔

اس ضمن میں دوسرا فرق یہ ہے کہ تیونس میں شوہر کے غائب ہونے کی صورت میں طلب تفریق کا اختیار اس صورت میں ہے جب کہ مرد نے عورت کے نفقے کے اخراجات کے لئے نہ تو کوئی مال چھوڑا ہو اور نہ ہی کوئی انتظام کیا ہو ۔ اس کے برعکس دیگر ممالک میں اخراجات کے لئے مال کا ہونا یا نہ ہونا عورت کے طلب تفریق کے اختیار

---

(۲۸) مدونۃالاحوال الشخصیہ ، مراکش

(۲۹) قانون حقوق‌العائلۃ الاردنی

(۳۰) قانون‌الاحوال الشخصیہ ، شام

میں مانع نہیں ہو سکتا۔

ایک تیسرا فرق اس قسم کی تفریق کے اثرات و نتائج میں بھی ہے شام کے قانون کے تحت اس امر کی صراحت کردی گئی ہے کہ قید یا شوہر کے غائب ہونے کی صورت میں طلب تفریق کے تحت جو طلاق دی جائے گی وہ طلاق رجعی کے حکم میں داخل ہوگی جب کہ دیگر ممالک میں ایسی تفریق کو طلاق بائن کے حکم میں داخل کیا گیا ہے۔

پاکستان میں رائج الوقت قانون :

پاکستان میں ازروئے دفعہ ۲ (۱) قانون انفساخ ازدواج مسلمانان مجریہ ۱۹۳۹ء شوہر کے چار سال سے مفقود الخبر ہونے کی صورت میں زوجہ کو بذریعہ عدالت تفریق کا حق دیا گیا ہے۔ لیکن عدالت کے حکم کے نفاذ کو چھ ماہ کی مدت پر موتوف رکھا گیا ہے اگر چھ ماہ کی مدت میں شوہر واپس آجائے اور حقوق زوجیت ادا کرنے پر آمادہ ہو تو عدالت کی ڈگری موثر نہ ہو گی۔

تجویز

ہمارے مقننین نے رائج الوقت قانون میں چار سال مدت بظاہر مالکی فقہ سے لی ہے لیکن فی الحقیقت ان سے مالکی مذہب کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے کیونکہ رائج الوقت قانون کے تحت چار سال کی مدت دعویٰ دائر کرنے کے وقت گذرنا شرط ہے یا کم از کم حکم کے وقت، جب کہ مالکی مذہب کی رو سے دعویٰ دائر کرنے سے قبل خواہ کتنی ہی مدت گذر چکی ہو، اعتبار نہ کیا جائے گا جیسا کہ حضرت عمرؓ کے فیصلوں سے بھی ظاہر ہے۔

رائج الوقت قانون کے تحت تاریخ حکم سے چھ ماہ تک فسخ نکاح کی ڈگری مؤثر نہ ہوگی۔ چھ ماہ تک عدالتی حکم کو موقوف رکھنے کی تائید میں راقم

الحروف کو کتب فقہ میں کوئی قول نہ مل سکا ۔ بظاہر ڈگری کے نافذ قرار دئے جانے کے لئے چھ ماہ کی جو مدت معین کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چھ ماہ تک شوہر نہ آئے یا واپس آکر حقوق زوجیت ادا کرنے پر آمادہ نہ ہو تو ڈگری موثر ہو جائےگی یعنی تفریق واقع ہو جائے گی اور عورت عدت گزارنا شروع کردے گی ۔ سوال یہ ہے کہ اگر شوہر چھ ماہ کی مدت گزرنے کے بعد مگر عدت کے دوران میں آیا تو اس کی صورت کیا ہوگی ؟ کیونکہ موجودہ قانون میں یہ صراحت نہیں کی گئی کہ تفریق کا حکم طلاق رجعی کا ہوگا یا طلاق بائن کا ۔

دراصل یہ مسئلہ فقہاء مالکیہ کے یہاں اجتہادی نوعیت کا حامل ہے ۔ جیسا کہ ابن رشد نے بھی اپنی کتاب المقدمات صفحہ ۱۰۰ برحاشیہ المدونۃ لکھا ہے ۔ اور مدت انتظار کا تعین زمانہ کے حالات کے تحت کیا جا سکتا ہے ۔ موجودہ زمانہ میں رسل و رسائل کے ذرائع اس قدر وسیع اور سریع ہیں جن کا تصور بھی زمانہ قدیم میں محال تھا ۔ آج کسی شخص کے مفقودالخبر ہونے کی اطلاع ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ ایک دن میں سارے ملک میں نشر کی جا سکتی ہے ٹیلیویژن کے ذریعہ اس کی تصویر بھی شائع کی جا سکتی ہے ۔

جہاں مالکیہ کے متعدد اقوال بیان کیے گئے ہیں وہاں ایک قول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ضرورت شدیدہ کے وقت ایک سال مزید انتظار کے قول پر بھی تفوی دیا جا سکتا ہے ۔ ہم موجودہ زمانے کے لحاظ سے اس قول کو حالات سے قریب تر پاتے ہیں ۔ اور محسوس کرتے ہیں کہ اس پر مفقودالخبری کے قانون کی بنیاد رکھی جائے اور قانون بنایا جائے کہ :

جب عورت مفقودالخبری کا دعویٰ عدالت میں پیش کرے ، اور عدالت بعد ثبوت اس نتیجہ پر پہونچے کہ واقعی شوہر مفقود الخبر

ہے تو عدالت کو چاہئے کہ عورت کو ایک سال مزید انتظار کا حکم دے۔ ایک سال کے اندر اگر مرد نہ آئے تو عدالت ایک سال کی مدت کے اختتام پر نکاح فسخ کردے گی اور عورت بعد نقضائے عدت نکاح ثانی کرنے کی مجاز ہوگی۔

مگر لازم ہے کہ مزید ایک سال انتظار کا حکم اس صورت میں دیا جائے گا جب کہ عورت کے پاس ایک سال کے نفقے کا انتظام موجود ہو۔ بصورت دیگر عدالت بعد ثبوت مفقود الخبری بوجہ مفقود الخبری شوہر و عدم موجودگی نفقہ فی الفور نکاح فسخ کرنے کی مجاز ہوگی۔

تفریق بسبب قید

۱۳۱۔ اگر کسی شوہر کو تین سال یا اس سے زائد مدت کے لئے سزائے قید دی گئی ہو تو اس کی زوجہ بذریعہ عدالت طلب تفریق کی مجاز ہوگی۔

تشریح

مرد کے قید ہو جانے کے سبب عورت کو طلب تفریق کا حق حاصل ہے یا نہیں اس مسئلے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ دراصل اس مسئلے کی بنیاد مرد کے غائب (غیر مفقود) ہو جانے کی بناء پر عورت کے تفریق طلب کرنے کے حق پر ہے۔

حنفیہ، شافعیہ اور ظاہریہ مذاہب فکر مرد کے غائب (غیر مفقود) ہو جانے کی بناء پر عورت کے حق تفریق کے قائل نہیں ہیں۔[۳۱] لیکن مالکیہ، حنبلیہ کے نزدیک عورت کو حق حاصل ہے۔ زیدیہ فرقے کے بعض اصحاب اور جعفریہ فرقے کے بعض متاخرین علماء کے نزدیک عورت کو ایسی صورت میں طلب تفریق کا حق حاصل ہے۔

---

(۳۱) کتاب الام، امام شافعی (م ۲۰۴ھ)، مطبوعہ مطبوعہ مصر، ۱۹۶۱ع، جلد د، صفحہ ۲۳۹

المحلی، ابن حزم (م ۴۵۶ھ)، مطبوعہ مصر، جلد ۱۰

تفریق کے حق کی بنیاد :

مرد کے غائب (غیر مفقود) ہو جانے کی بناء پر عورت کے تفریق طلب کرنے کے حق کی غرض عورت کو ضرر سے محفوظ رکھنا ہے۔

مدت کا تعین :

اس سلسلے میں مرد کے غائب رہنے کی مدت کے تعین کا مسئلہ اجتہادی نوعیت کا حامل ہے اور اس سلسلے میں زمان و مکان کے انقلابات اور حالات و واقعات کے پیش نظر مدت کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک شوہر کے چھ ماہ تک بلا عذر غائب رہنے کی صورت میں عورت کو حق تفریق حاصل ہے۔ مالکیہ مذہب کی رو سے تین سال اور بعض روایات کے مطابق ایک سال کی مدت مقرر کی گئی ہے۔[۳۲]

مختلف اسلامی ممالک میں قید کی بناء پر تفریق

مصر :

۱۴۔ اگر کسی عورت کے شوہر کو تین سال یا اس سے زائد کی سزائے قید ہو جائے تو ضرر کی بناء پر وہ عورت قاضی سے طلاق بائن کی درخواست کرنے کی مجاز ہوگی جب کہ اس کی قید کو ایک سال گزر گیا ہو، خواہ مرد کا مال اس عورت کے اخراجات کے لئے کافی ہو۔[۳۳]

عراق :

۱۴۔ اگر کسی عورت کے شوہر کو پانچ سال یا اس سے زائد کی سزائے قید ہو جائے تو عورت عدالت سے تفریق کی درخواست کرنے کی مجاز ہوگی۔[۳۴]

---

(۳۲) الروضة الندية، علامہ سید صدیق حسن خان، مطبوعہ قاہرہ، جلد ۲، صفحہ ۵۶ الفصول الشرعية، علی مذہب الامیہ، جواد مغنية، مطبوعہ بیروت، ۱۳۷۰ھ صفحہ ۸۰۔

(۳۳) قانون المصری ۲۵ بابت ۱۹۲۹

(۳۴) قانون الاحوال الشخصیہ، عراق

اردن :

۹۳- دفعہ ھذا مصر کے قانون متذکرہ بالا کے مطابق ہے۔[۳۵]

شام :

۱۰۹- (۱) جب کہ شوھر بلا کسی معقول عذر کے غائب ھو جائے یا اسے تین سال سے زائد قید کا حکم ھوگیا ھو تو زوجہ اس امر کی مجاز ھوگی کہ وہ ایک سال تک غائب رھنے یا ایک سال تک قید میں رھنے کے بعد قاضی تفریق کی سے درخواست کرے خواہ مرد کا مال اس عورت کے اخراجات کی کفالت کے لئے کافی ھو۔

(۲) یہ تفریق بمنزلہ طلاق رجعی ھوگی، جب غائب شوھر واپس آجائے گا یا قید خانہ سے رھا ھو جائے اورعورت عدت میں ھو تو اس کو اپنی زوجہ سے رجوع کرنے کا حق حاصل ھوگا۔[۳۶]

پاکستان میں :

پاکستان میں از روئے دفعہ ۲ (۳) قانون انفساخ ازدواج مسلمانان، ۱۹۳۹ع عورت کو اس صورت میں طلب تفریق کا حق دیا گیا ھے جب کہ اس کے شوھر کو سات سال یا اس سے زائد کی سزائے قید ھو چکی ھو۔

قانون مذکور کی دفعہ بالا سے یہ معلوم ھوتا ھے کہ شوھر کو سات سال کی قید کا حکم ھونے کے ساتھ ھی عورت کو حق تفریق پیدا ھو جائے گا اور عورت کو توقف یا انتظار کی ضرورت نہیں۔

تجویز

مناسب ھوگا کہ سات سال کی مدت گھٹا کر تین سال کر دی جائے بشرطیکہ سزا کی موقوفی یا کمی کے جملہ قانونی

---

(۳۵) قانون حقوق العائلۃ الاردنی

(۳۶) قانون الاحوال الشخصیہ، سوریہ

مراحل طے ہو چکے ہیں۔

اسی اصول کے تحت مرد کا غائب (غیر مفقود) ہو جانا یا بلا کسی شرعی عذر کے حقوق زوجیت ادا نہ کرنا مثلاً مباشرت سے انکار یا گریز کرنا بھی داخل ہے جیسا کہ دفعہ ۲ کی ذیلی دفعہ (۳) کی ضمنی دفعہ (الف) قانون انفساخ ازدواج مسلمان، ۱۹۳۹ع کے تحت مذکور ہے اور ایسی صورتوں میں تین سال کی مدت کا تعین کیا گیا ہے۔

تفریق بسبب قید کا اثر :

تفریق بسبب قید طلاق رجعی کے حکم میں ہوگی۔ مرد کو زوجہ کی عدت کے دوران قید سے رہا ہو جانے کی صورت میں رجوع کا حق ہوگا یہی حکم غیر مفقود کی زوجہ کی تفریق کے سلسلے میں ہوگا۔

تفریق بسبب عدم فراہمی نفقہ

۱۳۲۔ شوہر کے چھ ماہ تک زوجہ کو نفقہ فراہم نہ کرنے یا نفقہ فراہم کرنے سے غفلت برتنے کی صورت میں عدالت اس اطمینان کے بعد کہ شوہر بلا عذر شرعی زوجہ کو نفقہ دینے سے منکر ہے یا عمداً غفلت برتتا ہے، تفریق کا حکم جاری کر سکتی ہے۔

تشریح

نفقہ کی عدم فراہمی کے سبب عورت کے طلب تفریق کے حق کے بارے میں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مرد اپنی تنگ دستی کے سبب نفقہ دینے سے عاجز اور مجبور ہے، اور دوسری یہ کہ باوجود قدرت کے نفقہ دینے سے منکر یا غافل ہے۔

اسلام کا پہلا تقاضہ :

میاں بیوی کا رشتہ ایک مقدس رشتہ ہے جو باہمی تعاون اور محبت و مودت کی بنیاد پر استقلال اور استدامت کا طالب ہے۔ اس لئے

اسلام بنیادی طور پر اس امر کا خواہاں ہے کہ یہ رشتہ برقرار رہے۔ انسان کی زندگی میں گرم و سرد اور اچھے و برے دن آتے رہتے ہیں۔ اسلام ایسی صورت حال میں سب سے پہلے صبر کی تلقین کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جس خدا نے تمہیں تنگی دی ہے وہی کشادگی اور فراغت سے سرفراز فرمائے گا۔ اس اخلاقی اپیل کے نتیجے میں اگر عورت مرد کی تنگ دستی اور نفقے کی عدم فراہمی پر صبر کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جزاء خیر عطا فرمائے گا۔ لیکن جو عورت صبر نہ کر سکے اور تفریق چاہے اس کے متعلق کیا صورت ہوگی؟ اس بارے میں چار نقطہ ہائے نظر سامنے آتے ہیں۔

چار نقطہ ہائے نظر:

ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ تنگ دستی کی بناء پر تفریق نہ کرائی جائے گی۔ اس نقطۂ نظر کے حامل حنفیۂ، جمہور زیدیہ اور جمہور جعفریہ ہیں۔

دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ تنگ دستی کی بناء پر تفریق نہ کرائی جائے گی اگر زوجہ مالدار ہے تو اس میں سے اپنا خرچ اٹھائے۔ اس نقطہ نظر کے حامل ظاہریہ ہیں۔

تیسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ حسب ذیل دو صورتوں میں تنگ دستی کی بناء پر عورت کو تفریق کا حق حاصل ہے:

(۱) یہ کہ مرد نفقہ دینے پر قادر ہو اور نہ دے۔

(۲) یہ کہ مرد نے عورت سے یہ دھوکہ دے کر نکاح کیا ہو کہ وہ مالدار ہے، حالانکہ وہ مفلس و قلاش تھا۔

یہ نقطۂ نظر حافظ ابن قیّم کا ہے۔

چوتھا نظریہ ہے کہ نفقے کی عدم فراہمی کی صورت میں عورت کو

تفریق کا حق حاصل ہے اس نقطہ نظر کے حامل مالکیہ ، شافعیہ اور حنبلیہ ہیں ۔

احناف کا مسلک :

احناف کے نزدیک قاضی زوجین کے درمیان شوہر کے نفقے سے عاجز ہونے کے سبب تفریق نہ کرائے گا بلکہ زوجہ اپنے مال میں سے نفقہ لے گی یا شوہر کے نام پر قرض لے کر گزارہ کرے گی یہاں تک کہ اس کا شوہر فارغ البال ہوجائے۔ چنانچہ مجمع الانہر میں لکھا ہے کہ قاضی زوجین کے درمیان تفریق نہ کرائے گا اگر شوہر نفقہ دینے سے عاجز ہو ، یا اگر شوہر غائب ہو اور نفقہ نہ دے خواہ وہ خوشحال ہی کیوں نہ ہو ، کیونکہ وہ نفقہ دینے سے معذوری فراق کا موجب نہیں بن سکتی۔[۳۷]

احناف کے دلائل :

احناف کے نزدیک اگر شوہر اپنی زوجہ کو نفقہ دینے سے گریز کرے تو ان کے درمیان تفریق نہ کرائی جائے گی خواہ شوہر تنگ دست ہی کیوں نہ ہو ۔ احناف اپنے قول کی دلیل میں قرآن پاک کی حسب ذیل آیت پیش کرتے ہیں :

”لینفق ذوسعة من سعته ومن قدر علیه رزقه فلینفق مما آتاه الله ، لا یکلف الله نفسا الا ما آتاها ، سیجعل الله بعد عسر یسرا “ ۔[۳۸]

یعنی کشایش والے کو چاہئے کہ اپنی کشایش کے مطابق خرچ کرے اور جس شخص پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ، پس چاہئے کہ خرچ کرے اس چیز سے کہ دی ہے اللہ نے اس کو ، کہ نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی نفس کو مگر جتنا کہ دیا ہے اس کو ، اللہ جلد ہی سختی کے بعد آسانی

(۳۷) ”العجز عن الانفاق لا یوجب الفراق“ (مجمع الانہر ، داماد آفندی ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۹ ہجری ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۹۸)

(۳۸) پارہ ۲۸ سورة الطلاق رکوع ۱

پیدا کرے گا)۔

احناف کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ صحابہ میں فارغ البال بھی تھے اور تنگدست بھی لیکن دور نبوی میں ایک بھی ایسی مثال موجود نہیں کہ شوہر کی عسرت و تنگ دستی یا نفقہ نہ دینے کے سبب تفریق کرائی گئی ہو۔

چنانچہ احناف کے نزدیک اگر شوہر باوجود فارغ البالی کے اپنی زوجہ کو نفقہ دینے سے گریز کرے تو قاضی تفریق کا حکم کرنے کے بجائے شوہر کو قید کردے یا اس کے مال کو فروخت کرکے عورت کو نفقہ دلائے اور اگر عدم فراہمی نفقہ، عسرت اور تنگ دستی کے سبب ہو تو شوہر کو مہلت دی جانی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ تنگی کے بعد فراغت دے گا۔ چنانچہ حنفیوں کے نزدیک اگر حاکم عدالت کے سامنے ایسا مقدمہ آئے تو اولاً عورت کو مرد کے نام قرض لے کر نفقہ کے اخراجات پورے کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

ظاہریہ کا نقطۂ نظر :

ظاہریہ مکتب فکر کا نقطہ نظر یہ ہے کہ عورت اگر مالدار ہے اور مرد نفقہ دینے سے عاجز ہے تو عورت کو چاہئے کہ وہ اپنے پاس سے نفقہ کا انتظام کرے۔[۳۹] ظاہریہ قرآن کریم کی حسب ذیل آیت سے استناد کرتے ہیں :

"و علی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف لا یکلف نفس الا وسعها، لا تضار والدة بولدها ولا مولود له بولده و علی الوارث مثل ذلک"۔[۴۰]

---

(۳۹) المحلی، ابن حزم (۴۵۶ھ) مطبوعہ مصر، جلد ۱۰، صفحہ ۹۲

(۴۰) سورۃ البقرہ (۲۳۳)

یعنی اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے ان ماؤں کا کھانا اور کپڑا قاعدے کے موافق ' کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت کے موافق' کسی ماں کو تکلیف نہ پہونچانا چاہئے اس کے بچے کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہئے اس کے بچے کی وجہ سے اور مثل طریقہ مذکور کے ہے اس کے ذمہ جو وارث ہو۔ (ترجمہ مولانا تھانوی رحمة اللہ علیہ) ۔

چونکہ بیوی اپنے شوہر کی وارث ہوتی ہے اس لئے جب کہ مرد نفقے سے عاجز ہو تو عورت کو چاہیے کہ وہ اس کے نفقے کا بھی انتظام کرے بشرطیکہ وہ عورت اس پر قادر ہو ۔

ابن قیم کا نقطۂ نظر :

امام ابن قیم کا نقطہ نظر[۴۱] جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا ہے' جزو اول میں مالکیہ کے موافق ہے جب کہ جزو دوم میں اس کی بنیاد نفقہ دینے کی قدرت یا عدم قدرت پر نہیں بلکہ دھوکہ اور فریب پر ہے ۔

ائمۂ ثلاثہ کا نقطۂ نظر :

مالکیہ' شافعیہ اور حنبلیہ اس امر میں متفق ہیں کہ اگر شوہر تنگدست ہو اور زوجہ کو نفقہ نہ دیتا ہو اور اس کی عورت کو صبر نہ ہو تو اس عورت کو عدالت میں معاملہ لے جانے کا اختیار حاصل ہے ۔ عدالت یا تو شوہر کو نفقہ دینے پر مجبور کرے گی یا نکاح فسخ کردیا جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے " فامساک بمعروف او تسریح باحسان " فرما کر شوہر کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیویوں کو معروف طریقے پر روک رکھیں ورنہ معروف طریقے پر رخصت کر دیں۔ لہذا جب مرد عورت کو معروف طریقے پر روک رکھنے پر قادر نہ ہو

---

(۴۱) زادالمعاد ' ابن قیم (۷۵۱ھ)' مطبوعہ مصر ' ۱۳۹۶ ھجری' جلد ۴' صفحات ۵۶ - ۱۵۵

تو اسے چاہئے کہ وہ عورت کو طلاق دے کر علیحدہ کردے۔

تجزیہ :

احناف کا یہ نظریہ کہ پہلے قاضی مرد کے نام پر قرض لے کر نفقے کے اخراجات پورے کرنے کا حکم دے گا عملی طور پر متعدد دشواریوں کا حامل ہے۔ اور یوں بھی نفقے کا مستقل بندوبست قرض سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ہمارے نزدیک حاکم عدالت کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ یہ دیکھے کہ آیا مستقبل قریب میں معاش کا کوئی امکان ہے ؟ اگر کوئی امکان موجود نہ ہو اور تنگی کی بناء پر اس امر کا اندیشہ ہو کہ عورت معصیت میں مبتلا ہو جائے گی تو حاکم عدالت پر لازم ہوگا کہ وہ زوجین میں تفریق کرا دے۔

ائمۂ ثلاثہ کا یہ نقطہ نظر، کہ مرد کی تنگدستی اور عورت کو نفقہ دینے کی عدم صلاحیت کی بناء پر تفریق کرا دی جائے، مناسب نظر آتا ہے، البتہ ایسی صورت میں شوہر کو مناسب مہلت دینا احسن ہوگا۔

تفریق کی نوعیت :

عدم ادائی نفقہ کی بناء پر تفریق طلاق رجعی کے حکم میں داخل ہوگی۔ اگر شوہر دوران عدت عدالت میں اس امر کا قرار واقعی ثبوت پیش کر دے کہ وہ صاحب فراغت ہے اور زوجہ کو نفقہ دینے پر قادر ہے یا نفقہ دینے کے لئے آمادہ ہے[۳۲] تو اسے اپنی زوجہ سے رجوع کرنے کا حق ہوگا۔ بشرطیکہ عدت کی مدت ختم نہ ہوئی ہو۔

نتیجۂ فکر :

ہمارے نزدیک مناسب صورت یہ ہے کہ باوجود قدرت نفقہ کے

---

(۳۲) ''تفریق القاضی لعدم الانفاق یقع رجعیاً و للزوج ان یراجع زوجۃ فی العدۃ بشرط ان یثبت یسارہ و یستعد لا نفاق۔'' (قانون الاحوال الشخصیہ، شام، دفعہ ۱۱۱)

انکار یا غفلت کی صورت میں عدالت پہلے نفقہ دینے کا حکم دے اور عدم تعمیل حکم کی صورت میں شوہر کے قید کئے جانے کا حکم دے اور اگر قید کئے جانے کے باوجود شوہر نفقہ دینے سے منکر ہو تو عدالت دفع ضرر کی خاطر تفریق کرانے کی مجاز ہے -

اسلامی ممالک میں رائج الوقت قوانین :

اسلامی ممالک میں عدم فراہمی نفقہ کے سبب عورت کے طلب تفریق کے حق کو تسلیم کر لیا گیا ہے - چنانچہ مصر میں ۱۹۲۰ع تک حنفی مذہب کے مطابق عمل کیا جاتا تھا لیکن قانون مجریہ نمبر ۲۵ بابت ۱۹۲۹ع کے تحت اس مسئلہ میں مالکی مذہب کا اتباع کیا جاتا ہے اور شوہر کے نفقہ نہ دینے کی صورت میں عورت کو تفریق کا حکم مل جاتا ہے - مصر کے بعد شام میں بھی اسی طرز پر قانون سازی کی گئی لیکن سوڈان میں ۱۹۲۰ع سے اس پر عمل ہو رہا ہے البتہ وہاں مصر کے مقابلے میں دو ماہ کی مہلت دی جاتی ہے جن صورتوں میں مصری قانون کے تحت فوری تفریق کا حکم ہے وہاں سوڈانی قانون شوہر کو مہلت دیتا ہے - ممالک اسلامیہ میں متعلقہ قانون کے اقتباسات حسب ذیل ہیں :

مصر :

دفعہ ۴- جب کہ شوہر اپنی زوجہ کو نفقہ دینے سے منع کرتا ہو، اگر اس کے پاس مال موجود ہو تو اس کے مال میں سے نفقہ دینے کا حکم جاری کیا جائے گا اور اگر مال موجود نہ ہو اور اس شوہر کے بارے میں نہ کہا جاتا ہو کہ وہ تنگدست ہے یا فارغ البال، لیکن عورت کو نفقہ نہ دینے پر اصرار کرتا ہو تو قاضی فی الحال اس کے خلاف طلاق (کا حکم) دے گا- اور اگر شوہر کا نفقہ دینے سے اپنی معذوری کا ادعا ثابت نہ ہو تب بھی قاضی طلاق کا حکم دے گا اور اگر معذوری ثابت

ہو جائے تو اس کو مہلت دے گا جو ایک ماہ سے زائد نہ ہوگی۔ پس اگر اس مہلت کے باوجود اس نے نفقہ نہ دیا تو قاضی اس کے خلاف طلاق کا حکم دے گا۔

دفعہ ۶۔ نفقہ نہ دینے کے سبب قاضی جو تفریق کرائے گا اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اور شوہر کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی زوجہ سے رجوع کر لے جب کہ وہ اپنی فارغ البالی ثابت کر لے اور دوران عدت نفقہ دینے پر راضی ہو۔ اگر اس کی فارغ البالی ثابت نہ ہوئی اور نفقہ دینے پر راضی نہ ہوا تو رجوع کرنا صحیح نہ ہوگا۔

شام :

دفعہ ۱۱۰ (۱) زوجہ کو اختیار ہے کہ وہ تفریق کی درخواست کرے جب کہ شوہر موجود ہو اور اس کا مال ظاہر نہ ہو اور نفقہ دینے سے اس کی مجبوری ثابت نہ ہو۔

(۲) اگر شوہر کی مجبوری ثابت ہو جائے یا یہ کہ وہ غائب ہو تو قاضی اسے (شوہر کو) ایک مناسب مدت تک مہلت دے گا جو تین ماہ سے متجاوز نہ ہوگی پس اگر شوہر نے نفقہ نہیں دیا تو قاضی ان کے درمیان تفریق کرا دے گا۔

(۳) بر بنائے عدم فراہمی نفقہ قاضی کی تفریق طلاق رجعی کے حکم میں ہوگی اور شوہر کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی زوجہ سے دوران عدت مراجعت کرے، بشرطے کہ فارغ البالی اور نفقہ دینے پر آمادگی ثابت کرے۔

دفعہ ۳۸۔ (۱) زوجہ کو اختیار ہے کہ وہ عدالت سے طلب تفریق کی درخواست کرے:

(الف) جب کہ شوہر نے بلا عذر شرعی زوجہ کو نفقہ دینے سے منع کیا ہو، درآں حالانکہ شوہر کو ۶۰ یوم کی مہلت دی گئی ہو۔

اردن :

دفعہ ۹۱- جبکہ شوہر پوشیدہ ہوگیا ہو یا سفر پر کہیں چلا گیا ہو اور (بعد ازاں) ایک سال تک اس کی خبر منقطع ہوگئی ہو اور اس کی کوئی خبر نہ ملی ہو اور زوجہ کے لیے اس سے نفقہ کا حصول ناممکن ہوگیا ہو اور وہ (زوجہ) طلب تفریق کرے تو قاضی ان کے درمیان تلاش و تفحص اور تامل (غور کرنے) کے بعد تفریق کا حکم دے گا۔

پاکستان میں رائج الوقت قانون :

قانون انفساخ ازدواج مسلمانان، ۱۹۳۹ع کی دفعہ ۲ کی ذیلی دفعہ (۲) کے تحت عورت کو اس صورت میں طلب تفریق کا حق دیا گیا ہے جبکہ شوہر دو سال تک نفقہ دینے سے منکر رہا ہو یا اس نے فراہمی نفقہ سے غفلت برتی ہو۔

عدالتوں کا نقطۂ نظر :

لاہور ہائی کورٹ کے ایک مقدمہ مانک خان بنام مسماۃ ملخان (مندرجہ اے۔ آئی آر ۱۹۴۱ع لاہور صفحہ ۱۶۷) میں قرار دیا گیا کہ عدم فراہمی کسی سبب سے بھی ہو غیر اہم (Immaterial) ہے۔ چنانچہ فاضل جج مسٹر بیکٹ کی رائے میں دفعہ ۲ (۲) شرعی قانون کو منسوخ (Supersede) کرتی ہے۔ لاہور ہائی کورٹ کے ایک اور مقدمہ اکبری بیگم بنام ظفر حسین (مندرجہ اے۔ آئی۔ آر ۱۹۴۲ لاہور صفحہ ۹۲) میں قرار دیا گیا کہ دفعہ ۲ (۴) کے تحت مرد کا عورت کے ازدواجی حقوق بلا معقول سبب کے تین سال تک ادا نہ کرنے کے عورت فسخ نکاح کی مستحق ہو جاتی ہے لیکن دفعہ ۲ (۲) نفقہ کے ضمن میں "بلا کسی معقول سبب" کے الفاظ شامل نہیں ہیں لہذا یہ سمجھا جائے گا کہ خواہ عورت بھی اس عدم فراہمی نفقہ کے سلسلے میں ذمہ دار گردانی جائے، اس

کو حق فسخ نکاح ہوگا - لیکن سندھ چیف کورٹ کے جج مسٹر لوبو نے بمقدمہ مسماۃ خدیجن بنام عبداللہ (اے - آئی - آر ۱۹۴۳ سندھ صفحہ ۶۵) متذکرہ فیصلے (اے-آئی-آر ۱۹۴۲ صفحہ ۹۲) سے اختلاف کرتے ہوئے قرار دیا کہ اگر شوہر شرعی قانون کے تحت عورت کو نفقہ فراہم کرنے کا ذمہ دار نہ تھا تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے نفقہ ادا کرنے سے غفلت برتی اس کے بعد الہ آباد ہائی کورٹ نے بمقدمہ بدرالنساء بی بی بنام محمد یوسف (اے - آئی - آر ۱۹۴۴ الہ آباد ۲۳) سندھ چیف کورٹ نقطۂ نظر کو اختیار کیا - البتہ اس سال لاہور ہائی کورٹ نے بہ اجلاس متفقہ بمقدمہ (مندرجہ اے - آئی - آر ۱۹۴۴ع لاہور صفحہ ۳۳۶) متذکرہ صدر دونوں فیصلوں کو منسوخ کردیا اور قرار دیا کہ شوہر کی غفلت کے تعین سے قبل یہ دیکھا جائے گا کہ آیا شوہر اینگلو محمڈن لاء کے تحت نفقہ دینے پر قانوناً ذمہ دار تھا -

ما بعد کہ ایک اور مقدمہ مسماۃ نذر بی بی بنام پیر بخش (مندرجہ اے-آئی-آر ۱۹۵۰ سندھ صفحہ ۸) میں سندھ چیف کورٹ نے سابقہ فیصلوں کا تفصیلی جائزہ لے کر قرار دیا گیا کہ عورت غلطی پر ہو اور شوہر کے ساتھ رہنے سے انکاری ہو تب بھی مرد عورت کو نفقہ دینے کا پابند ہے - اسی نقطۂ نظر کو پی - ایل - ڈی ۱۹۵۶ع سندھ صفحہ ۲۹۸ میں اختیار کیا گیا -

عدالت عالیہ آزاد جموں و کشمیر نے بمقدمہ ریشماں بنام شیر (مندرجہ پی ایل ڈی ۱۹۵۳ع آزاد جموں و کشمیر صفحہ ۱۰) قرار دیا کہ محض عدم فراہمی نفقہ ثابت کرنا ضروری ہے - دوسرے حالات جن کے تحت نفقہ فراہم نہ کیا جا سکا غیر ضروری ہیں - فاضل عدالت نے لاہور ہائی کورٹ کے فیصلہ مندرجہ اے - آئی - آر ۱۹۴۴ع لاہور صفحہ ۳۳۶ سے اختلاف کیا لیکن بہاولپور کی عدالت عالیہ نے مقننہ کے اعلامیہ کے

تحت عورت کے تنسیخ نکاح کے حق کو اس صورت میں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جبکہ عدم فراہمی نفقہ کا موجب خود عورت تھی (پی ایل ڈی ۱۹۶۲ع بغداد الجدید صفحہ ۴۷)

لاہور کے ایک مقدمہ فضل بی بی بنام محمد اعظم (مندرجہ پی ایل ڈی ۱۹۶۲ع صفحہ ۲۲۷) میں قرار دیا گیا کہ عورت کو عدم ادائی نفقہ کی بناء پر تنسیخ نکاح کے لئے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ جائز وجوہ کی بناء پر شوہر سے علیحدہ رہ کر نفقہ پانے کی مستحق تھی اور شوہر نے دو سال تک نفقہ دینے سے غفلت برتی ہے یا انکار کیا ہے - ڈھاکہ ھائی کورٹ نے بھی بمقدمہ عین الدین کریکار بنام سلطنت النساء بی بی (مندرجہ پی ایل ڈی ۱۹۶۳ع ڈھاکہ صفحہ ۲۱۶ قرار دیا کہ عدم فراہمی نفقہ کی بناء پر عورت کو تنسیخ نکاح کا غیر مشروط حق حاصل نہیں ہے - ۱۹۶۲ع میں لاہور کے ایک مقدمہ (مندرجہ پی ایل ڈی ۱۹۶۲ع لاہور صفحہ ۳۶۰) میں بھی یہی قرار دیا گیا ہے کہ اگر شوہر عورت کے رویہ کے سبب اس کا نفقہ ادا کرنے کے لئے ذمہ دار نہ ہو تو اس کو تفریق کا حق نہ ہوگا - مابعد کے مقدمات مندرجہ پی ایل ڈی ۱۹۵۷ع ڈھاکہ صفحہ ۲۳۲ ' پی ایل ڈی ۱۹۵۸ع کراچی صفحہ ۲۱۹ ' پی ایل ڈی ۱۹۵۷ع لاہور صفحہ ۸۷۱' پی ایل ڈی ۱۹۶۱ع پشاور صفحہ ۶۶ پی ایل ڈی ۱۹۶۳ع ڈھاکہ صفحہ ۵۸۳ میں اس نقطہ نظر کو اختیار کیا گیا کہ نفقہ ادا نہ کرنے کی بناء پر عورت تنسیخ نکاح کی اس وقت مستحق ہوگی جبکہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ وہ نفقہ پانے کی مستحق تھی - یہ نقطۂ نظر شرعاً درست ہے کیونکہ قانون مذکورہ کی دفعہ ۲ (۲) عورت کے حق تفریق سے متعلق ہے وہ مرد کے اپنی زوجہ کو نفقہ ادا کرنے کی ذمہ داری اور فرائض کا تعیّن نہیں کرتی - اس کے لئے ہمیں شرعی قانون کی طرف دیکھنا ہوگا -

تجویز

اکثر اوقات دعویٰ کے تصفیہ میں کافی عرصہ لگ جاتا ھے اور عورت ایک مدت تک مصائب و آرام کا شکار رھتی ھے۔ ھمارے ملک کے مخصوص حالات کے پیش نظر جبکہ عورت عام طور پر اپنی معاش کے حصول پر قادر نہیں ' عدم فراھمی نفقہ کی صورت میں طلب تفریق کے اختیار کو استعمال کرنے کے لیے نفقہ میں شوھر کی جانب سے دو سال تک غفلت یا انکار کی شرط میں ترمیم کرنا ضروری نظر آتا ھے۔ چنانچہ اگر شوھر چھ ماہ تک نفقہ دینے سے غفلت برنے یا بلا وجہ جائز انکار کرے تو عورت کو عائلی عدالت میں طلب تفریق کی درخواست پیش کرنے کا حق ھونا چاھیے (چھ ماہ کی مدت مالکیہ کے نزدیک ھے)۔ اگر عدالت شوھر کے نفقہ نہ دینے کی وجوہ اور اس کے مالی حالات کا جائزہ لے کر اس نتیجے پر پہنچے کہ نفقہ نہ دینے کی جائز وجوہ موجود نہیں اور شوھر تنگدست بھی نہیں ھے تو عدالت کو بلا تاخیر تفریق کا حکم جاری کرنا چاھیے۔ اور اگر شوھر تنگدستی کے سبب نفقہ دینے سے معذور ھو نیز یہ باور کرنے کی وجوہ موجود ھوں کہ مستقبل قریب میں حصول معاش کا کوئی امکان نہیں تو عدالت کو چاھئے بلا کسی مہلت کے تفریق کا حکم دے دینا چاھیے۔ البتہ اگر معاش کا امکان نظر آئے تو شوھر کو زیادہ سے زیادہ تین ماہ تک کی مہلت دی جاسکتی ھے۔ اگر وہ تین ماہ کے اختتام پر اپنی فارغ البالی اور زوجہ کو نفقہ دینے کی استطاعت اور آمادگی ثابت نہ کرسکے تو عدالت کو تفریق کا حکم جاری کر دینا چاھیے۔ علاوہ ازیں موجودہ قانون میں فراھمی نفقہ سے انکار یا غفلت کے ساتھ ''بلا عذر شرعی'' کے الفاظ کا اضافہ بھی ضروری معلوم ھوتا ھے۔

اٹھارواں باب

تفریق بسبب ارتداد و انکارِ اسلام

تفریق بسبب ارتداد شوہر

۳۳۱۔ کسی مسلمان شوہر کے مرتد ہو جانے کی صورت میں اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا۔

تشریح

ارتداد کے معنی :

عام معنی میں مرتد اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دین اسلام سے پھر جائے لیکن اصطلاحی معنی میں کسی مسلمان مرد یا عورت کا اسلام کو چھوڑ کر اپنے سابقہ مذہب پر لوٹ جانا یا کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرلینا ''ارتداد'' کہلاتا ہے۔[1]

ارتداد کا اثر نکاح پر :

جمہور فقہاء اس مسئلے میں متفق ہیں کہ اگر کسی عورت کا شوہر اسلام سے پھر جائے اور مرتد ہو جائے تو اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا اور فسخ کے لئے قضائے قاضی یا حکم حاکم کی ضرورت نہیں۔[2] اس پر علماء امت کا اجماع ہے۔

درالمختار میں لکھا ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کے مرتد ہو جانے سے فی الفور عقد نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ قضائے قاضی (حکم عدالت) کی حاجت نہیں۔

---

(۱) نہر الفائق بحوالہ فتاویٰ عالمگیری (عربی) کتاب السیر باب ۹

(۲) ردالمحتار، ابن عابدین (۱۲۵۲ھ) مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۳۱۲، باب نکاح الکافر۔

اگر ارتداد شوہر کی جانب سے ہو اور صحبت ہو چکی ہو تو عورت پورے مہر کی مستحق ہوگی اور اگر صحبت نہ ہوئی ہو تو عورت نصف مہر پانے کی مستحق ہوگی ۔ لیکن اگر عورت مرتد ہو جائے اور صحبت نہ ہوئی ہو تو ایسی صورت میں وہ کوئی مہر پانے کی مستحق نہ ہوگی، البتہ صحبت ہوجانے کی صورت میں وہ پورا مہر پانے کی مستحق ہوگی ۔ اگر زوجین ایک ساتھ مرتد ہوں اور بعد ازاں اسلام کی طرف لوٹ آئیں تو نکاح قایم رہے گا لیکن اگر زوجہ اسلام کی طرف لوٹے اور شوہر مرتد رہے تو ایسی صورت میں نکاح فسخ ہوجائے گا ۔ اگر شوہر کی بیوی کتابیہ ہو جو مسلمان ہو جائے لیکن بعد ازاں مرتد ہو جائے تو وہ عورت اس مرد سے جدا ہوجائے گی ۔ اگر ایک مسلمان نے عیسائی عورت سے نکاح کیا اور بعد ازاں وہ دونوں ایک ساتھ مجوسی ہو گئے تو امام ابویوسف کے نزدیک ان کے درمیان فرقت واقع ہوجائے گی ۔ امام محمد شیبانی کا نظریہ اس سے مختلف ہے ۔[۳]

قدیم نقطۂ نظر :

ارتداد کے سبب تنسیخ نکاح کے سلسلے میں قدیم فقہاء کا نقطۂ نظر، جیسا کہ فتاوئ عالمگیری اور ھدایہ میں بیان کیا گیا ھے ' یہ ھے کہ زوجین میں سے کسی ایک کے ارتداد کے سبب نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا ۔ چنانچہ ھندوستان کی عدالتوں نے قانون انفساخ ازدواج مسلمانان ۱۹۳۹ع کے نفاذ تک اسی نقطۂ نظر کی متابعت میں اپنے فیصلے دئے ھیں ۔ چنانچہ بمقدمہ امین بیگ بنام سمین[۴] الہ آباد ھائی کورٹ نے یہ قرار دیا کہ شرع اسلام کے تحت ایک شادی شدہ مسلمان عورت اگر عیسائی ھوجائے تو اس کا نکاح ٹوٹ گیا ۔ لہذا زوجہ کا دوسرے مذھب کو قبول

(۳) ڈائجسٹ آف محمڈن لا ' بیلی' جلد اول ' صفحات ۸۵ - ۱۸۳

(۴) (۱۹۱۰ع) آئی - ایل - آر ۳۳ الہ آباد ' صفحہ ۹۰

کر لینا شوہر کے اعادۂ حقوق زوجیت (restitution of conjugal rights) کے مقدمہ کے خلاف ایک امر عارض (bar) قرار دیا گیا -

شوہر کا ترک اسلام :

لیکن گزشتہ تین صدیوں میں اس سلسلے میں یہ نقطۂ نظر سامنے آیا ہے کہ جب شوہر اسلام کو ترک کردے مگر زوجہ اپنے مذہب پر قایم رہے تو ان کے درمیان مباشرت ناجائز ہو جائے گی - اور اگر زوجہ کی عدت کے دوران شوہر مذہب اسلام کی طرف لوٹ آئے تو دونوں حسب سابق تعلقات زوجیت قایم کر سکتے ہیں اور کسی عقد جدید کی ضرورت نہیں - اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح ترک اسلام سے فورا ختم نہیں ہوتا بلکہ معلّق رہتا ہے -

زوجہ کا ترک اسلام :

البتہ جہاں تک زوجہ کے اسلام ترک کر دینے کا تعلق ہے اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے - فقہاء بخارا کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ عورت اسلام چھوڑ کر کوئی بھی مذہب اختیار کرے اس کو قید میں رکھا جائے تا آن کہ وہ مذہب اسلام کی طرف لوٹ آئے جس کے بعد اس کو سابق شوہر سے نکاح کرنے پر مجبور کیا جائے گا - البتہ بلخ و سمرقند کے فقہاء کا یہ نقطۂ نظر ہے کہ اگر وہ عورت اسلام چھوڑ کر کوئی کتابی مذہب اختیار کر لے مثلاً عیسائی یا یہودی ہو جائے تو اس کا نکاح ساقط نہ ہوگا - چونکہ کتابیہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے لہذا مسلمان زوجہ کے کتابی مذہب اختیار کرلینے سے نکاح پر کوئی اثر مرتب نہ ہونا چاہئے -

ارتداد کا اثر مہر و نفقے پر :

اگر شوہر خلوت صحیحہ سے پہلے مرتد ہوا ہو تو اس کو عورت

کا نصف مہر دینا ہوگا۔ اور اگر خلوت صحیحہ کے بعد مرتد ہوا ہے تو اس کے ذمہ پورا مہر ادا کرنا واجب ہوگا۔ خلوت صحیحہ سے قبل عورت پر عدت واجب نہ ہوگی البتہ خلوت صحیحہ کے بعد عدت واجب ہوگی، نیز مرتد پر اپنی زوجہ کا نفقہ بھی (دوران عدت) واجب ہوگا۔[5]

تفریق کی نوعیت :

جب انکار اسلام شوہر کی طرف سے ہو تو اس کا حکم طلاق کا ہوگا یا فسخ نکاح کا، اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابویوسف کے نزدیک وہ فرقت، "فسخ" تصور کی جائے گی۔ کیونکہ ایک سبب کا نتیجہ اس کے قایم مقام کے بدل جانے سے نہیں بدلتا، لیکن امام محمد کے نزدیک وہ فرقت "طلاق" کے حکم میں ہوگی کیونکہ فرقت شوہر کے اسلام سے منکر ہو جانے کی وجہ سے ہوئی اور اس فرقت کی بنیاد یہ ہے کہ وہ شوہر کی طرف سے پیدا ہوئی، کیونکہ ملک نکاح اسی کو حاصل ہے۔ چنانچہ اگر شوہر فرقت سے انکار کرے تو عدالت اس میں دخل دے گی تاکہ اس کا ظلم اور سختی دور ہو جائے۔ ایسی صورت میں قاضی تفریق کرانے میں شوہر کا نائب متصور ہوگا، جیسا کہ وہ شوہر کی نامردی کے سبب تفریق کرانے میں شوہر کا قایم مقام ہوتا ہے۔

لہذا اگر یہ فرقت شوہر کے ارتداد کی وجہ سے ہو تو اس صورت میں چونکہ شوہر نے ایسے فعل کا ارتکاب کیا ہے جس کی وجہ سے فرقت لازمی ہے لہذا فرقت "طلاق" کے حکم میں ہوگی، کیونکہ ایسی فرقت، جسے شوہر نے ارتداد کے سبب کی بناء پر مکمل کردیا ہے، اس کے طلاق دینے کے مترادف ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ نے ان دونوں

---

(۵) فتاوی عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کان پور، کتاب‌النکاح، باب ۱۰

صورتوں (شوہر کے اسلام سے انکار کرنے اور اس کے مرتد ہونے) میں فرق کیا ہے ۔ ان کی رائے میں اگر فرقت شوہر کے انکار اسلام کی بناء پر ہو تو طلاق شمار ہوگی اور اگر فرقت شوہر کے ارتداد کی بناء پر ہو تو فسخ شمار ہوگی ، خواہ وہ فرقت ایسے سبب کی بناء پر ہو جس کو شوہر نے مکمل کیا ہو ۔ چونکہ کسی شخص کا مرتد ہوجانا ملک نکاح کے منافی ہے اس لئے اس تناقض کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں ہے کہ شوہر کا ارتداد ایسا فعل شمار کیا جائے جو زوجین کے احکام نکاح کے مطابق ہو ۔ چونکہ ارتداد کی بناء پر ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے جس کے سبب نکاح قایم نہیں رہ سکتا لہذا ارتداد کو فسخ شمار کیا جائے گا اور نکاح ختم ہو جائے گا ، برخلاف اس صورت کے جب شوہر اسلام سے انکار کرے کیونکہ اس وقت وہ فرقت نکاح کے اغراض و مقاصد کے فوت ہو جانے کا سبب بن جائے گی اور وہ ایسا فعل شمار کیا جائے گا جو ''مستفاداً من العقد'' ہوگا اور اسی سبب سے انکار اسلام کے سبب فرقت طلاق شمار ہوگی ۔[۶]

تجزیہ :

اگر شوہر مرتد ہو جائے تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک زوجین کے درمیان نکاح فی‌الفور فسخ ہو جائے گا ۔ انفساخ نکاح کے لئے عدالت کے حکم کی ضرورت نہیں ، خواہ عورت مسلمان ہو یا کتابیہ ، لیکن امام محمد کے نزدیک اگر شوہر مرتد ہو جائے تو وہ ردّت طلاق بائن شمار ہوگی کیونکہ وہ شوہر کا اختیاری فعل ہوگا اور اگر شوہر تائب ہوکر دین اسلام کی طرف لوٹ آئے تو عورت کی عدت میں یا اس کے بعد بھی از سر نو نکاح کرنا ہوگا لیکن زوجہ کو اس سے نکاح کرنے

---

(۶) ماخوذ از فرق‌الزواج ، علی‌الخفیف ، عابدین ، ۱۹۵۸ع ، صفحہ ۲

کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا ۔ لیکن متاخرین کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ صرف مباشرت ناجائز ہوگی ۔ البتہ عدت کے دوران اسلام کی طرف لوٹ آنے کی صورت میں نکاح جدید کی ضرورت نہیں ہے ۔

تفریق بسبب ارتداد زوجہ

۱۳۴ ۔ زوجہ کے اسلام سے پھر جانے کی بناء پر نکاح فسخ نہ ہوگا الّا یہ کہ زوجہ اسلام سے پہلے جس مذہب کی حامل تھی اسی کی طرف لوٹ جائے ۔

استثناء : اس مذہب میں عیسائی اوریہودی مذاہب شامل نہیں ہیں ۔

تشریح

ارتداد زوجہ کے بارے میں احناف کے اقوال :

زوجہ کے ارتداد میں احناف کے تین قول پائے جاتے ہیں :

(۱) یہ کہ جس طرح مرد کے مرتد ہونے سے نکاح فوراً فسخ ہو جاتا ہے اسی طرح عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ ہو جائے گا ۔ اور ہر ممکن صورت سے یہ کوشش کی جائے گی کہ عورت اسلام کی طرف واپس آجائے اور اسلام کی طرف لوٹ آنے پر اس کا دوبارہ نکاح جبراً اس کے (سابق) شوہر سے کرا دیا جائے گا ۔

(۲) یہ کہ زوجہ کے ارتداد کے بعد وہ مسلمانوں کے حق میں لونڈی کا درجہ حاصل کرلے گی اور اس صورت میں شوہر کو چاہئے کہ وہ حاکم وقت سے اس کو قیمتاً خرید لے اور لونڈی ہونے کی حیثیت سے فائدہ اٹھاتا رہے ۔[۷]

(۳) یہ کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا ۔ متاخرین علماء بلخ و سمرقند کا یہی فتویٰ ہے ۔

---

(۷) بحرالرائق ، ابن نجیم ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۱۱ ہجری ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۳۰
الفقہ علی المذاہب الاربعہ ، عبدالرحمن الجزیری ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۵ ہجری جلد ۴ ، صفحات ۲۲۴ - ۲۲۳

نتیجۂ فکر :

اس زمانے میں دوسرے قول پر عمل ناممکن ہے - اول قول اگرچہ احناف کی ظاہری روایت پر مبنی ہے لیکن موجودہ دور میں تیسرا قول اختیار کیا جانا متعین ہے اور جن حالات کے پیش نظر علماء بلخ اور سمرقند نے یہ قول اختیار کیا ہے وہ حالات آج بھی موجود ہیں - یہی رائے علامہ عبدالرحمن الجزیری نے اپنی کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں بھی پیش کی ہے -[8]

مالکی مسلک :

اگر شوہر مرتد ہوا ہو تو اس سلسلے میں تین قول بیان کئے جاتے ہیں :

(۱) یہ کہ یہ ارتداد سے طلاق بائنہ واقع ہوگی -

(۲) یہ کہ طلاق رجعی واقع ہوگی - اور

(۳) یہ کہ نکاح فسخ ہوجائے گا -

اول قول مشہور ہے - چنانچہ شوہر کے ارتداد کی صورت میں کہا گیا ہے کہ دونوں کے درمیان تفریق کرا دی جائے گی - اور عورت کے مرتد ہونے کی صورت میں اگر یہ تحقیق ہو جائے کہ اس نے شوہر سے اپنی جان چھڑانے کے لئے ایسا کیا ہے تو عورت بائنہ نہ ہوگی بلکہ اس کے قصد کے خلاف عمل کیا جائے گا -

شافعیہ مسلک :

زوجین یا ان میں سے کسی ایک کا مرتد ہو جانا دخول کے بعد عمل میں آیا ہوگا یا دخول سے قبل - اگر دخول کے بعد یہ واقعہ پیش آیا ہے تو فوراً نکاح منقطع نہ ہوگا بلکہ ان کے دوبارہ اسلام لانے

(۸) الفقہ علی المذاہب الاربعہ ، عبدالرحمن الجزیری ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۵ ہجری ، جلد ۴ ، صفحہ ۲۲۴

کی امید تک حکم موقوف رہے گا۔ پس اگر مرتد شوہر عورت کی عدت پوری ہونے سے قبل اسلام لے آئے تو ان کے درمیان نکاح باقی رہے گا۔ بصورت دیگر ردّت کے وقت سے نکاح منقطع سمجھا جائے گا۔ اور اگر یہ ارتداد دخول سے پہلے واقع ہوا ہے تو اس حالت میں فوراً نکاح ختم ہو جائے گا اور ان حضرات کے نزدیک مرد یا عورت دونوں کے ارتداد میں حکماً کوئی فرق نہیں نیز یہ کہ زوجین کے درمیان تفریق فسخ ہوگی نہ کہ طلاق۔

حنبلیہ مذہب فکر :

حنبلیہ مسلک فکر اس مسئلہ میں امام شافعی کے مسلک کے مطابق ہے ان کے نزدیک بھی ایسی تفریق فسخ کے درجے میں ہے۔[۹]

استثناء :

استثناء کا مطلب یہ ہے کہ اگر عورت نکاح سے قبل عیسائی یا یہودی تھی بعد کو مسلمان ہو گئی اور بعد ازاں اپنے سابقہ مذہب کی طرف لوٹ گئی یعنی پھر عیسائی یا یہودی مذہب اختیار کرلیا تو ایسی صورت میں نکاح قایم رہے گا۔ اسی طرح اگر عیسائی تھی اور اسلام اختیار کرنے کے بعد یہودی ہو گئی تب بھی نکاح فسخ نہ ہوگا کیونکہ کتابیہ سے مسلمان مرد کا نکاح فی‌الاصل جائز ہے لہذا جو شے اپنی ابتدا میں جائز ہے وہ مابعد بھی اسی صورت میں جائز ہوگی۔

لیکن اگر عورت ہندو یا کسی غیر اہل کتاب مذہب کی پیرو تھی اور نکاح سے قبل مسلمان ہوگئی مگر بعد ازاں پھر ہندو مذہب اختیار کرلیا تو ایسی صورت میں نکاح فسخ ہو جائے گا۔ کیونکہ جو شے اپنی

---

(۹) الفقہ علی‌المذاہب الاربعہ، عبدالرحمن الجزیری، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۵ ہجری، جلد ۴، صفحات ۳۵-۲۲۳

اصل اور ابتدا میں ناجائز ہے وہ مابعد بھی ناجائز ہوگی ۔ بالفاظ دیگر جس شے کی ابتدا ناجائز ہے اس کا باقی رہنا بھی ناجائز ہوگا۔

پاکستان کا رائج الوقت قانون :

قانون انفساخ ازدواج مسلمانان، ۱۹۳۹ع سے پہلے زوجین میں سے کسی ایک کے مرتد ہوجانے کے سبب نکاح فسخ ہوجاتا تھا لیکن اس قانون کے نفاذ کے بعد سے زوجہ کے ارتداد سے نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ چنانچہ قانون مذکور کی دفعہ ۴ کے تحت کسی کتابیہ شادی شدہ عورت کے محض ترک اسلام یا اپنے سابق مذہب کو اختیار کر لینے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا البتہ دفعہ ۲ قانون مذکور کے تحت ارتداد یا تبدیلی مذہب کی بناء پر وہ عورت تنسیخ نکاح کا دعوی دائر کر سکتی ہے۔ لیکن جہاں تک مرد کے مرتد ہو جانے سے نکاح کے فسخ ہوجانے کا تعلق ہے وہ بالاتفاق فسخ ہو جائے گا۔ دفعہ ۴ قانون مذکور مرد کے ارتداد اور فسخ نکاح پر اثر انداز نہیں ہوگی ۔ چنانچہ اگر کوئی مسلمان شوہر عیسائی ہو جائے تو نکاح فی‌الفور ختم ہو جائے گا اور عدت گزرنے کے بعد عورت دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے ۔ دفعہ مذکور کے احکام ایسے شادی شدہ عورتوں سے بھی متعلق نہیں ہیں جو کسی غیر کتابی مذہب کی پیرو تھیں اور بعد ازاں مسلمان ہو گئیں اور بعد میں اسی سابقہ مذہب کی طرف لوٹ گئیں چنانچہ ایسی صورت میں بھی نکاح فسخ ہو جائے گا۔

قبول اسلام اور تنسیخ نکاح

۱۳۵۔ غیر مسلم زوجین یا ان میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کر لینے کے بعد اس مسلمان مرد یا عورت (جیسی صورت ہو) کو تنسیخ نکاح کے سلسلے میں وہ جملہ حقوق حاصل ہوجاتے ہیں جو شریعت اسلام کے تحت ایک مسلمان مرد یا عورت کو حاصل ہیں ۔

تشریح

تفریق بسبب اختلاف مذاهب :

اگر کسی کتابیہ عورت کا شوهر اسلام قبول کرلے تو اس کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ کتابیہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح فی‌الاصل جائز ہے لیکن اگر کتابیہ عورت اسلام قبول کرے اور اس کا شوهر غیر مسلم (یا کتابی) هو تو از روئے شرع اسلام نکاح ٹوٹ جائے گا کیونکہ ایک مسلمان عورت کا نکاح کسی غیر مسلم سے بشمول کتابی مرد ممنوع ہے ۔

اسی طرح اگر زوجین هندو هوں اور ان میں کوئی ایک مسلمان هوجائے تو نکاح فسخ هو جائے گا ۔ کیونکہ غیر اهل کتاب سے مسلمان مرد یا عورت کا نکاح جائز نہیں ۔

عدالتی فیصلے :

غیر منقسم هندوستان کی عدالتوں نے اپنے فیصلوں میں یہ قرار دیا ہے کہ ایک هندو عورت کے مسلمان هوجانے سے نکاح بذات خود فسخ نہیں هوتا اور اگر وہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے گی تو از روئے دفعہ ۴۹ قانون تعزیرات دو زوجی (bigamy) کے جرم کی مرتکب هوگی ۔[10]

سکونت مستقل (domicile) کا فرق :

اسلامی قانون زوجین میں سے کسی ایک کے مذهب اسلام اختیار کرنے کی صورت میں ایک اور فرق بھی ملحوظ رکھتا ہے ۔ وہ یہ کہ خود زوجین میں سے جو فریق بھی مذهب اسلام اختیار کرتا ہے وہ یا تو دارالاسلام کا باشندہ هوگا یا دارالحرب کا ، یعنی یا تو وہ ایسے خطہ‌ارضی میں رهتا هوگا جهاں اسلامی قوانین کے نفاذ میں کوئی امر مانع نہیں یا

(10) Government of Bombay Vs. Ganga (1880) 4 Bom. 330; In the matter of Ram Kumari (1891) 18 Cal. 264; Mst. Nandi Vs. the Crown (1920) 1 Lah. 440 59 IC 33.

ایسے خطہ ارضی میں رہتا ہے جہاں اسلامی قوانین نافذ نہ ہوں ۔ اگر وہ ایک ایسے خطہ‌ارضی میں رہتا ہے جہاں اسلامی قوانین نافذ ہیں (یا ان کا نفاذ ممنوع نہ ہو) تو اس پر لازم ہے کہ دوسرے فریق کو اسلام پیش کرے اگر وہ اسلام قبول کرنے سے منکر ہو تو عدالت نکاح فسخ کردے گی ۔ اس فریق کے خاموش رہنے کی صورت میں جج کو اسلام کی پیشکش کرنی چاہئے ' بصورت دیگر ایک فریق کے اسلام اختیار کرلینے کے تین ماہ بعد نکاح خودبخود فسخ ہو جائے گا ۔

عدالت العالیہ جموں و کشمیر (پاکستان) نے بمقدمہ فیض علی شاہ بنام غلام عباس [11] یہ قرار دیا کہ ایک ہندو شادی شدہ عورت کا نکاح جو برطانوی ہند میں مسلمان ہو گئی تھی تین حیض گزر جانے پر کسی عدالتی ڈگری کے بغیر فسخ ہو جائے گا ۔

پاکستان میں :

پاکستان میں جو ایک اسلامی مملکت ہے اگر زوجہ اہل کتاب ہو اور اسلام اختیار کر لے تو وہ پہلے اپنے شوہر کو اسلام قبول کرنے کی پیشکش کرے گی اگر وہ قبول کرلیتا ہے تو فبہا ' ورنہ نکاح فسخ قرار دیا جائے گا ۔ اگر شوہر اہل کتاب ہو اور اسلام قبول کرلیتا ہے اور اس کی زوجہ کتابیہ ہے تو نکاح باقی رہے گا ۔ اگر کوئی غیر مسلم عورت جو ایک غیر مسلم (غیر اہل کتاب) مرد کے نکاح میں ہو اسلام اختیار کرلے تو شرع اسلام کے بموجب ان کا نکاح فسخ ہو جائے گا اور وہ شرع اسلام کے بموجب دوسرا نکاح کرنے کی مجاز ہوگی لیکن بمقدمہ سندری بنام پیتامبری [12] یہ قرار دیا گیا کہ اس کا پہلا نکاح ختم نہیں ہوا ۔ مذکورہ

---

(11) Faiz Ali Shah Vs. Gholam Abbas Shah, PLD, (1952) J & K 32.

(12) Sundari Lehani Vs. Petambri Lehani (1904) I.C.W.N. 1903.

فیصلہ شرع اسلام کے خلاف ہے ۔

تبدیلی مذہب اور طلاق :

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کسی شخص کے اپنی زبان سے کلمہ لاالہ الااللہ محمد الرسول اللہ کہہ کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہی اس کی ذات (personal status) میں ایک انقلاب واقع ہو جاتا ہے ۔ وہ احکام شریعت اسلامی کا پابند اور ان تمام حقوق و مراعات کا مستحق ہو جاتا ہے جو اسلام اپنے پیروؤں کو عطا کرتا ہے ۔ چنانچہ شخصی قوانین اسلام کے تحت وہ شخص دوسری عورت سے نکاح کرسکتا ہے ۔ اپنی عورت کو طلاق دے کر علیحدہ کر سکتا ہے (اگر نکاح قائم ہو) ۔ بالفاظ دیگر اگر زوجین عیسائی ہیں اور شوہر اسلام قبول کر لیتا ہے تو اسلام کے بموجب اس کو یہ حق پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی عیسائی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے ۔ لیکن پاکستان میں قانون طلاق (Divorce Act) بابت ۱۸۶۹ع کے تحت کوئی مسلمان یا وہ عیسائی شخص جس نے ایک عیسائی عورت سے نکاح کیا ہو اسلام قبول کرلینے کے بعد شریعت کے مطابق اپنی عیسائی زوجہ کو طلاق نہیں دے سکتا ۔ اور اگر اس نے طلاق دی تو قانون مذکورہ کے تحت وہ طلاق نافذ نہ ہوگی کیوں کہ شخصی قانون مسلمانان (شریعت) اطلاق ایکٹ ، ۱۹۳۷ع (Muslim personal law ("Shariat" Application) کے تحت طلاق وغیرہ کے شرعی احکام کا اطلاق صرف اس صورت میں ہوگا جب کہ دونوں فریق مسلمان ہوں ۔ چونکہ مذکورہ صورت میں ہر دو فریق مسلمان نہیں ہیں لہذا از روئے قانون رائج الوقت شریعت ایکٹ کے تحت اسلامی قانون نافذ نہیں ہو سکتا اور قانون طلاق ۱۸۶۹ع کے تحت ایسی طلاق غیر نافذ قرار پائے گی ۔[13]

---

(13) Divorce Act, 1869

تجویز

مسلمانوں کے تمام فقہی مکاتیب فکر کی رو سے یہ امر مسلّمہ ہے کہ عیسائی یا یہودی شوہر اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی یہودی یا عیسائی زوجہ کو شرع اسلام کے بموجب اگر چاہے تو طلاق دے سکتا ہے۔ لیکن پاکستان میں نافذ الوقت قانون طلاق، ۱۸۶۹ع کے تحت ایسا کرنا ممکن نہیں اور اگر ایسا کیا گیا تو طلاق غیر نافذ رہے گی، کیونکہ عیسائی مذہب کی رو سے صرف موت ہی زوجین کو علیحدہ کرسکتی ہے یا یہ کہ قانون طلاق، ۱۸۶۹ع کے تحت دی ہوئی صورتوں میں طلاق ہو۔

اگرچہ شخصی قانون مسلمانان (شریعت) اطلاق ایکٹ، ۱۹۳۷ع یہ قرار دیتا ہے کہ نکاح و طلاق وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں کے شخصی قانون کا اطلاق ہوگا لیکن قانون مذکور کی دفعہ ۲ کے تحت اس قانون کے اطلاق کے لئے فریقین کا مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

۱۹۶۲ع میں مغربی پاکستان میں مذکورہ بالا شریعت ایکٹ کو از سر نو ترتیب دیا گیا ہے لیکن اس میں فریقین کے مسلمان ہونے کی شرط کو قایم رکھتے ہوئے ''کسی دوسرے نافذ الوقت قانون کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے'' کے الفاظ کا اضافہ کرکے شرعی قانون کے اطلاق کو محدود ترکردیا گیا ہے۔

تاہم دفعہ ۷ عائلی قانون آرڈیننس نمبر ۸ بابت ۱۹۶۱ع کے تحت کوئی مرد کے الفاظ سے پاکستان میں سکونت پذیر پاکستانی ہر مسلمان شوہر کے لئے اپنی زوجہ کو طلاق دینے کے حق کی گنجائش پیدا ہوتی ہے (کیونکہ زوجہ اپنے شوہر کے

قانون سکونت مستقل (Law of domicile) کی تابع ہے) اور اس کا اطلاق نہ صرف غیر ملکی عورتوں، بلکہ غیر مسلم (کتابیہ) عورتوں پر بھی کیا جا سکتا ہے جیسا کہ سپریم کورٹ نے علی نواز بنام محمد یوسف (مندرجہ پی ایل ڈی ۱۹۶۳ع سپریم کورٹ صفحہ ۵۱) کے مقدمہ میں قرار دیا ہے۔ اور جس کی متابعت میں مغربی پاکستان ھائی کورٹ کے جج مسٹر جسٹس اے ایس فاروق نے بھی بمقدمہ بدرالدین جتوئی بنام مرینا جتوئی (درخواست نگرانی بصیغۂ فوجداری نمبر ۵۲۵ بابت ۱۹۶۵ع) قرار دیا کہ ایک مسلمان شوہر اپنی عیسائی زوجہ کو دفعہ ۷ عائلی قوانین آرڈی نینس نمبر ۸ بابت ۱۹۶۱ع کے تحت طلاق دے کر علیحدہ کرسکتا ہے۔ بہر کیف، ضرورت ہے کہ طلاق ایکٹ، ۱۸۶۹ع کی متعلقہ دفعات کا جائزہ لیا جائے اور جہاں جہاں شرع اسلام کے متضاد ایسے احکام پائے جائیں جن کا تعلق مسلمان شوہر سے ہو۔ انہیں مناسب طور پر بدل دیا جائے۔ واضح رہے کہ انگریزوں نے اپنے دورحکومت میں عیسائی عورتوں کو مخصوص تحفظات دینے کی غرض سے یہ اور اسی قسم کے دوسرے قوانین نافذ کئے تھے۔

انیسواں باب

ایلاء، ظہار و لعان

ایلاء

۱۳۶ ۔ اگر کوئی شوہر یہ قسم کھائے کہ وہ اپنی زوجہ سے چار ماہ (یا زیادہ) صحبت نہ کرے گا تو چار ماہ گزر جانے کے بعد اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی الاّ یہ کہ مرد ۴ ماہ گزرنے سے قبل زوجہ سے قولاً اور بشرط قدرت فعلاً رجوع کرلے ۔

تشریح

ایلاء کے لغوی معنی ''اپنی منکوحہ بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا'' ہیں ۔ چنانچہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ اپنی زوجہ سے ایک ماہ یا دو ماہ (مگر چار ماہ سے کم) صحبت نہ کرے گا تو لغت کے اعتبار سے ایلاء ہوگا مگر شرعاً ایلاء نہ ہوگا ۔[1]

شرعاً ایلاء یہ ہے کہ کوئی شخص قسم کھائے کہ چار ماہ یا اس سے زائد مدت تک اپنی زوجہ سے جماع نہ کرے گا ۔[2]

ایلاء کے لئے شرط ہے کہ وہ قسم کی طرز پر ہو ۔ اگر قسم نہ کھائی تو ایلاء نہ ہوگا اور اس پر ایلاء کا کوئی شرعی حکم مرتب نہ ہوگا ۔[3]

---

(۱) المیزان الکبریٰ ، شعرانی ، مطبوعہ مصر ، جلد دوم ، صفحہ ۱۲۵

(۲) ''ان یحلف الرجل ان لا یطاء زوجۃ اما مدۃ ھی اکثر بین اربعۃ اشھر اواربعۃ اشھر ۔'' بدایۃ المجتہد ، ابن رشد ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۹ ہجری ، جلد دوم ، صفحہ ۹۹

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ، عبدالرحمٰن الجزیری ، جلد ۴ ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۵ ہجری ، صفحہ ۴۶۳

مجمع الانہر ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۷ ہجری ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۴۲

(۳) مجمع الانہر ، داماد آفندی (متوفی ۱۰۸۸ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۷ ہجری ، جلد اول ، صفحہ ۴۴۲

حکم قرآنی :

ایلاء کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے :

"الذین یؤلون من نسائھم تربص اربعة اشھر "[۴]

یعنی جو لوگ اپنی عورتوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کے لئے چار ماہ کا انتظار ہے ، مطلب یہ ہے کہ چار ماہ کے اندر اگر رجوع کر لیا تو اللہ غفور و رحیم ہے اور اگر طلاق کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ۔ چنانچہ اگر چار ماہ کے اندر جماع کرلیا تو اس کے ذمہ قسم کا کفارہ لازم آئے گا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا ۔

ایلاء کا حکم :

اگر مرد نے اپنی زوجہ سے ایلاء کیا اور چار ماہ کی مدت بلا رجوع (قولی یا فعلی) گذر گئی تو عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی ۔[۵]

ایلاء اور وقوع طلاق :

احناف کے نزدیک ایلاء کی صورت میں طلاق بلا قضائے قاضی واقع ہو جاتی ہے ۔ صرف مدت کا گذر جانا شرط ہے ۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک تفریق قاضی کے حکم سے عمل میں آئے گی ۔ حضرت عثمان ، حضرت علی ، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت ، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر کے اقوال احناف کے مطابق ہیں ۔[٦] اس سلسلے میں احناف کا مسلک راجح ہے ۔

---

(۴) قرآن پاک

(۵) المیزان الکبریٰ ، شعرانی ، مطبوعہ مصر ، جلد دوم ، صفحہ ۱۲۵
موطا امام محمد (عربی) ، کارخانہ تجارت کتب کراچی ، صفحات ۲۵۸-۵۹
مجمع الانہر ، داماد آفندی (متوفی ۱۰۸۸ھ) مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۷ ہجری ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۴۲

(٦) ہدایہ اولین (عربی) برہان الدین مرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ) قرآن محل ، صفحہ ۴۰۱
رحمة الامة فی اختلاف آئمہ ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۰۰ ہجری ، صفحہ ۱۱۵
المیزان الکبریٰ ، شعرانی ، مطبوعہ مصر ، جلد ۲ ، کتاب الایلاء

ظہار

۱۳۷۔ جو شخص ظہار کا مرتکب ہوگا اس کے لئے اس کی وہ زوجہ جس سے ظہار کیا گیا ہو حرام ہو جائے گی تاآنکہ وہ شخص کفارہ ادا نہ کرے۔

تشریح

ظہار لفظ ظہر سے مشتق ہے۔ ظہر کے معنی پیٹھ کے ہیں۔ چونکہ پیٹھ سواری کی چیز ہے اور زوجہ اپنے شوہر کی سواری ہوتی ہے اس لئے اس سواری کو مجازاً ایسی عورت سے تشبیہ دی گئی ہے جو حرام ہے۔

ظہار کی تعریف:

کسی مرد کا اپنی زوجہ کو کسی دائمی حرام عورت مثلاً ماں، بہن یا خالہ یا پھوپھی سے تشبیہ دینا ظہار کہلاتا ہے۔ اسی طرح زوجہ کے کسی عضو کو کسی دائمی حرام عورت کے کسی عضو سے تشبیہ دینا بھی ظہار کی تعریف میں داخل ہے بشرطے کہ یہ عضو ایسا ہو جس سے سارے بدن کی تعبیر کرنا جائز ہو۔

ظہار کا رکن:

ظہار کا رکن تشبیہ ہے اگر تشبیہ نہ ہو تو ظہار نہ ہوگا۔ مثلاً کوئی شخص اپنی زوجہ سے کہے کہ "تو میری ماں ہے" ظہار کی تعریف سے باہر ہے۔

ظہار کی شرط:

ظہار کی شرط یہ ہے کہ شوہر احکام شرع کا مکلّف ہو اور تصرف کرنے کی اہلیت رکھتا ہو یعنی عاقل و بالغ ہو۔ عورت اس کی منکوحہ ہو اور ملکیت نکاح قائم ہو۔

ظہار کا حکم:

ظہار کا حکم یہ ہے کہ اصلاً نکاح باقی رہتا ہے مگر جب تک مرد

کفارہ ادا نہ کرے اس عورت سے صحبت یا بوس و کنار کرنا حرام ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ ''اگر مرد نے اپنی زوجہ سے کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی مانند ہے تو اس پر یہ عورت حرام ہوگئی ۔ اس مرد کو اس عورت کے ساتھ صحبت کرنا یا مساس کرنا یا اس کا بوسہ لینا حلال نہیں ہے یہاں تک کہ اپنے ظہار کا کفارہ دے ''۔؎

ظہار کا قرآن سے اثبات :

ظہار کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے :

''والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل ان یتماسا ذالکم تو عظون به واللہ بما تعملون خبیر فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا ۔''

یعنی جو لوگ ظہار کرتے ہیں اپنی عورتوں سے ، پھر اسی کام کی طرف جھکتے ہیں جس کو منہ سے کہا ، تو ان پر فرض ہے کہ ایک غلام آزاد کریں باہمی مساس سے پہلے ، یہ ایسی بات ہے جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو جو تم کرتے ہو اس سے خوب آگاہ ہے ۔ پس جس نے غلام نہ پایا تو اس پر دو ماہ کے پے درپے روزے (واجب) ہیں باہمی مساس سے پہلے ، پھر جس کو یہ طاقت نہ ہو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا فرض ہے ۔

اس آیت کی شان نزول :

اس آیت کے نازل ہونے کے سبب کے بارے میں حضرت عائشہ سے

---

(۷) و اذا قال الرجل لامراته انت علی کظھر امی فقد حرمت علیه لا یحل له وطیھا ولامسھا ولا تقبیلھا حتی یکفر عن ظھارہ ۔ (ہدایہ (اولین) ، عربی ، قرآن محل ، کراچی ، صفحہ ۳۰۹)

روایت ہے کہ خولہ بنت ثعلبہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو کر شکایت کی کہ یا رسول اللہ میں نے اپنے شوہر کے پیچھے اپنا شباب کھویا اب جب میں بوڑھی ہوگئی تو اس نے مجھ سے ظہار کیا اب میں اپنے اللہ ہی سے شکایت کرتی ہوں ۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یہ عورت ہنوز ہٹی نہ تھی کہ یہ آیت نازل ہوئی ۔

دراصل زمانۂ جاہلیت میں عرب میں ظہار کا رواج تھا اور ظہار کرنا طلاق شمار ہوتا تھا ۔ شرع اسلام میں اس کی اصلیت کو برقرار رکھا گیا مگر اس کا حکم طلاق سے بدل کر وطی حرام قرار دے دیا گیا جب تک کہ کفارا ادا نہ کردیا جائے ، مگر نکاح قایم رہے گا ۔ کفارہ ادا کرنے کی کوئی مدت متعین نہیں ہے ۔[8]

لعان

۱۳۸ ۔ جب زوجین حاکم عدالت کے روبرو ایک دوسرے پر لعان کرچکیں تو حاکم عدالت ان میں باہم تفریق کرادے گا ۔

تشریح

لعان ''لاعن'' کا مصدر ہے ۔ یہ لفظ لعن سے ماخوذ ہے ۔ جس کے لغوی معنی ''دور کرنا'' ہیں[9] کیونکہ لعن کے سبب وہ شخص اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے ۔

لعان کی تعریف :

زوجین میں سے ہر ایک کی جانب سے قسم کے ساتھ اللہ کی لعنت اور

(۸) ظہار کے سلسلے میں مذکورہ بالا بحث ہدایہ اولین مطبوعہ قرآن محل، جلد ۲ ، صفحات ۴۰۹-۴۱۶ سے ماخوذ ہے چونکہ دور حاضر میں ظہار کی صورت نادرالوجود ہے اس لئے تفصیل سے اس مسئلے پر بحث کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی ۔ مزید تفصیل کے لئے کتب فقہ کی طرف مراجعت کی جا سکتی ہے ۔

(۹) فتح الباری، ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۹۵۹ع جلد ۱۱، صفحات ۳۶۰-۶۱

غضب کی شہادت دینا لعان کہلاتا ہے۔[۱۰]

یہ لعان شوہر کے حق میں جھوٹی تہمت اور عورت کے حق میں زنا کی حد (شرعی سزا) کا قایم مقام ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر شوہر اپنی زوجہ پر زنا کی تہمت لگائے اور چار چشم دید گواہ پیش نہ کرسکے تو اس پر لازم ہوگا کہ یا تو وہ اپنے الزام کے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے (اس صورت میں اس پر جھوٹا الزام لگانے کی شرعی سزا یعنی "۸۰ درے" نافذ ہوگی) یا لعان کرے۔

لعان کا طریقہ :

لعان کا طریقہ یہ ہے کہ حاکم کی موجودگی میں شوہر چار مرتبہ پہلے یوں کہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ میں البتہ ضرور سچا ہوں اس بات میں جو میں نے اس عورت کو زنا کی نسبت لگائی ہے اور پانچویں مرتبہ مرد اپنے لئے یوں کہے کہ مجھ پر اللہ کی لعنت اگر میں جھوٹوں میں سے ہوں اس زنا کے الزام میں، جو میں نے اس عورت کو لگایا ہے۔ پانچویں مرتبہ اس عورت کی طرف اشارہ کرے۔ اس کے بعد عورت چار مرتبہ یوں کہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتی ہوں کہ وہ مرد ضرور جھوٹوں میں سے ہے اس تہمت زنا میں جو اس نے مجھ پر لگائی ہے۔ اور پانچویں مرتبہ وہ عورت اپنے لئے یوں کہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو اگر یہ مرد سچوں میں ہے، اس الزام زنا میں جو اس نے مجھ پر لگایا ہے۔[۱۱]

---

(۱۰) "والاصل ان اللعان عند ناشعارالامو کداۃ بالایمان مقرونۃ باللعن" (ہدایہ اولین، مرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ) قرآن محل، جلد ۲، کتاب الطلاق، صفحہ ۴۱۶

(۱۱) کتاب الام، امام شافعی، (متوفی ۲۰۴ھ)، جلد ۵، صفحہ ۲۸۶
ہدایۃ الاولین، مرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ)، قرآن محل، جلد ۲، کتاب الطلاق، صفحہ ۴۱۸
المختصر، علامہ ابوالحسن قدوری، (۴۲۸ ہجری) قرآن محل، کراچی، صفحہ ۱۶۸

لعان کا وجوب :

لعان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

''والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشھادة احد ھم اربع شھادات باللہ انہ لمن الصادقین ۔''[۱۲]

یعنی جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگاتے ہیں اور ان کے پاس سوائے اپنے وجود کے اور کوئی گواہ نہیں تو ان میں سے ہر شخص ایسی گواہی دے جو اللہ کی قسم کے ساتھ چار گواہیوں پر مشتمل ہو اور ہرگواہی میں وہ یہ کہے کہ وہ راست بازوں میں سے ہے ۔

اس آیت کی شان نزول :

اس آیت کے نازل ہونے کے سبب کے بارے میں روایت یہ ہے کہ عویمر العجلانی رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کے ساتھ کسی دوسرے شخص کو (ناجائز حالت میں) پائے اور اسے قتل کردے تو کیا آپ بھی اسے (قصاص میں) قتل کردیں گے (اور اگر وہ اسے قتل نہ کرے تو پھر اسے ایسے موقع پر کیا کرنا چاہیے ؟ اس موقع پر لعان کا حکم نازل ہوا ۔[۱۳]

لعان کے واجب ہونے کا حکم صرف اس صورت میں ہے جب کہ وہ مرد اپنی بیوی پر الزام کے اثبات کے لئے چار گواہ پیش نہ کرے چنانچہ جب گواہ موجود ہوں حاکم لعان کا حکم دینے کا مجاز نہیں ۔

اہلیت لعان :

احناف کے نزدیک لعان صرف ان زوجین کے درمیان ہوسکتا ہے جو شہادت کی اہلیت رکھتے ہوں ۔ چنانچہ لعان بالغ ، مسلمان ، آزاد اور

---

(۱۲) قرآن پاک سورة النور ، رکوع ۱ آیت ۔
(۱۳) سنن ابو داؤد مطبوعہ ولی محمد اینڈ سنز، کراچی، ۱۳۶۹ ہجری ''باب اللعان'' صفحہ ۳۰۵
بدایة المجتہد ، ابن رشد ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۷۹ ہجری ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۱۵

عادل افراد کے درمیان ہوسکتا ہے۔[۱۴] لیکن فقہا کی ایک جماعت کے نزدیک میاں بیوی کے درمیان لعان ہو سکتا ہے خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام یا ایک غلام ہو اور ایک آزاد، عادل ہوں یا غیر عادل خواہ وہ دونوں مسلمان ہوں یا مرد مسلمان ہو اور عورت کتابیہ۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں زوجین کے لئے کوئی شرط مقرر نہیں کی گئی اور دوسرے یہ کہ لعان شہادت نہیں ہے بلکہ قسم ہے کیونکہ شہادت خود اپنے متعلق نہیں ہوا کرتی۔[۱۵]

لعان کا اثر :

لعان کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جب تک لعان باقی رہے مرد کے لئے اس عورت سے صحبت کرنا حرام ہوجاتا ہے لیکن اگر لعان کے بعد مرد اپنی تکذیب کرے یعنی خود کو جھوٹا کہے تو لعان کا اثر تحریمی زائل ہو جائے گا۔ چنانچہ اگر لعان کے بعد مگر قاضی کے تفریق کرانے سے پہلے مرد اپنے نفس کی تکذیب کرے یعنی یہ کہے کہ میں نے عورت پر جھوٹا الزام لگایا تو ایسی صورت میں مرد کے لئے عورت سے (بلا نکاح جدید) صحبت کرنا جائز ہوگا۔ اس طرح اگر قاضی نے تفریق کرادی اور اس کے بعد مرد نے اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کیا تو زوجین باہمی رضامندی سے نکاح جدید کرسکتے ہیں لیکن اگر لعان قائم رہے تو ایسی صورت میں عورت مرد کے لئے دائماً حرام رہتی ہے۔ یہ صورت امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک لعان کے سبب دائمی طور پر حرمت واقع ہو جاتی ہے اور وہ کسی بھی صورت میں جمع نہیں ہو سکتے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے

---

(۱۴) ہدایہ، اولین، مرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ) قرآن محل، جلد ۲، کتاب الطلاق، صفحہ ۴۱۷

(۱۵) بدایۃ المجتہد، ابن رشد، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۹ ہجری، جلد ۲، صفحہ ۱۱۸

"المتلاعنان لا یجتمعان ابداً" یعنی لعان کرنے والے (دونوں فریق) کبھی باہم جمع نہیں ہوں گے - لیکن امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ تکذیب کے بعد نہ لعان رہا اور نہ لعان کا اثر - لہٰذا عورت مرد کے لئے پھر حلال ہو سکتی ہے -[16] ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی فرقت دائمی ہوگی اور کسی صورت میں بھی دونوں جمع نہ ہو سکیں گے -[17] امام ابوحنیفہ کا مسلک دلائل کے اعتبار سے قوی تر نظر آتا ہے -

علّامہ شعرانی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر ، علی ، ابن مسعود ، ابن عمر عطاء ، زہری ، اوزاعی ، ثوری اور سعید بن جبیر کا قول بھی امام ابو حنیفہ کے موافق ہے کہ لعان سے تحریم استمتاع واقع ہوتی ہے جب مرد نے اپنے نفس کی تکذیب کی یعنی اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرلیا تو تحریم اٹھ جائے گی -[18]

علامہ شعرانی نے آگے لکھا ہے کہ "امام مالک اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبل کے نزدیک فرقت بسبب لعان کے واقع ہو جائے گی مگر ساتھ تفریق حاکم کے - امام ابو حنیفہ کا قول بھی یہی ہے - امام احمد بن حنبل سے مشہور روایت میں یہ ہے کہ فرقت واقع نہ ہوگی مگر ساتھ لعان عورت کے اور حکم حاکم کے - پس حاکم کہے گا کہ میں نے تمہارے درمیان تفریق کردی - لیکن امام شافعی رحمۃاللہ علیہ کے نزدیک فرقت واقع ہوگی ساتھ لعان شوہر کے خاص کر ، جیسا کہ مرد کے لعان سے نسب نفی ہوتا ہے (یعنی انکار نسب لازم آتا ہے) -[19]

---

(۱۶) ہدایہ ، اولین ، مرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ) قرآن محل ، جلد ۲ ، کتاب الطلاق ، صفحات ۱۹-۴۱۸

(۱۷) المیزان الکبریٰ ، امام شعرانی ، مطبوعہ مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۲۷

(۱۸) المیزان الکبریٰ ، امام شعرانی ، مطبوعہ مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۲۷

(۱۹) المیزان الکبریٰ ، امام شعرانی ، مطبوعہ مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۲۷

تفریق بذریعہ لعان :

جب مرد و عورت دونوں لعان کرچکیں تو قاضی ان دونوں میں تفریق کرادے گا۔ امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک جب تک قاضی ان دونوں میں تفریق نہ کرادے مرد و عورت کے درمیان فرقت واقع نہ ہوگی (اگرچہ مرد کے لئے عورت سے صحبت کرنا حرام ہوگا)۔ البتہ زفر اور امام شافعی نفس لعان کے سبب فرقت کے قائل ہیں۔ چنانچہ اگر لعان کے بعد کوئی ایک فریق مر جائے تو ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا۔[۲۰] جب کہ احناف کے نزدیک وراثت کا حکم جاری کیا جائے گا۔

تفریق بذریعہ لعان کا حکم :

احناف کے نزدیک لعان کے قائم رہنے کی صورت میں تفریق بذریعہ لعان ایک طلاق بائن کے حکم میں داخل ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فسخ کے حکم میں ہے اور عورت پر عدت واجب ہوگی۔ نفقہ اور مسکن کی مستحق ہوگی۔[۲۱]

لعان اور پاکستانی عدالتیں :

ہماری عدالتیں لعان کو تسلیم نہیں کرتیں۔ ان کے نزدیک لعان ایک جزو شہادت ہے۔ چنانچہ عدالت عالیہ بغداد الجدید (بھاول پور) نے مقدمہ مسماۃ لیلن بنام رحیم بخش میں قرار دیا کہ فسخ نکاح بذریعہ لعان کے طریقے کی عدالت میں اجازت نہیں ہے کیونکہ یہ شہادت کا ایک حصہ ہے اور چونکہ اسلامی قانون شہادت ہماری عدالتوں میں نافذ نہیں ہے اس لئے لعان کے ذریعہ تنسیخ نکاح کی ڈگری نہیں دی جاسکتی۔[۲۲] اس مقدمے کے

---

(۲۰) کتاب الام، امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ)، مطبوعہ مکتبہ الکلیات الازہریہ، ازہر، ۱۳۸۱ ہجری، جلد ۵، صفحہ ۲۹۰

(۲۱) المیزان الکبریٰ، علامہ شعرانی، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۱۲۷

(22) "The procedure prescribed by Muslim law for establishing the legal rights arising from the doctrine of Li'an was not permissible in our Courts for the simple reason that the Muslim law of Evidence had been superseded by the Evidence Act."
(Mst. Leelan v. Rahim Bakhash PLD 1951 B. & J. 91).

واقعات یہ تھے کہ مسماۃ لیلیٰ نے اپنے شوہر رحیم بخش کے خلاف منجملہ دیگر وجوہ کے اس بناء پر تفریق چاہی تھی کہ اس کے شوہر نے اس پر یہ الزام لگایا ہے کہ بعض افراد سے اس کے ناجائز تعلقات ہیں۔ شوہر نے اپنے جواب دعویٰ میں عورت پر بے عصمتی اور اپنے (شوہر) سے غیر وفاداری کا الزام لگانا تسلیم کرلیا تھا۔

عدالت عالیہ لاہور کے ایک اور مقدمے غلام بھک بنام حسین بیگم میں بہ اجلاس متفقہ جناب جسٹس ایم۔آر کیانی اور جناب جسٹس بی۔زیڈ کیکاؤس نے تحریر فرمایا کہ ''لعان کا طریقۂ کار ان حالات کا نتیجہ تھا جو اب موجود نہیں۔ یہ طریقہ کار موجودہ قانون کی صورت حال میں بالکل ناموزوں ہے نیز یہ کہ ہماری دیوانی عدالتیں طریقہ لعان کو نافذ کرنے کا کوئی اختیار سماعت (jurisdiction) نہیں رکھتیں۔ لعان کا طریقہ کار اسلامی قانون تہمت (slander) اور زنا کا نتیجہ تھا۔ یہ شوہر اور بیوی کے حق میں ایک رعایت تھی۔ پاکستانی عدالتوں سے شوہر اس رعایت کا طالب نہیں ہوتا اور بیوی کو بھی اس کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ زوجہ کی زنا کاری از روئے قانون موجودہ مطلقاً قابل سزا نہیں ہے اور نہ ہی دیوانی عدالتیں اختیار رکھتی ہیں کہ وہ کسی شخص کو ایسی قسم کھانے پر مجبور کرسکیں جو لعان کے ذریعہ مقرر ہیں۔ اور نہ ہی اس کے انکار کرنے پر جیل بھیجنے کا اختیار رکھتی ہیں۔ لعان کے طریقہ کا رو بہ عمل لانا ممکن نہ ہونا بجائے خود اس امر کے حق میں ایک دلیل کی حیثیت رکھتا ہے کہ زنا کا الزام لگانا، لعان کے طریقہ کو اختیار کئے بغیر تنسیخ نکاح کے لئے ایک عمدہ سبب بن سکتا ہے۔[۲۳]

---

(۲۳) "The procedure for Li'an was the result of circumstances which no longer exist. This procedure would be wholly out of place in the present state of the law, and, at the same time, there

—*Contd. to page 731.*

عدالتوں کے دلائل کا خلاصہ :

عدالتوں کے دلائل کی روشنی میں جو صورت حال سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ :

(۱) لعان ایک اسلامی طریقہ شہادت ہے۔

(۲) چونکہ اسلامی طریقۂ شہادت پاکستان میں نافذ نہیں للہذا لعان کے طریقہ پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) طریقۂ لعان ایک قسم کی رعایت ہے، شوہر پاکستانی عدالتوں سے اس رعایت کا طالب نہیں اور زوجہ کو اس کی ضرورت نہیں۔

(۴) دیوانی عدالتیں اس امر کی مجاز نہیں ہیں کہ کسی کو لعان کے طریقے پر قسم کھانے پر مجبور کرسکیں۔

(۵) دیوانی عدالتیں اس امر کا اختیار نہیں رکھتیں کہ انکار کی صورت میں اسے جیل بھیج سکیں۔

(۶) لعان کے طریقے کو روبہ عمل لانا غیرممکن ہے۔

(۷) مرد کا اپنی زوجہ پر زنا کا الزام بجائے خود تنسیخ نکاح کا ایک سبب بن سکتا ہے۔

دلائل کے جوابات :

۱- جہاں تک اس استدلال کا تعلق ہے کہ لعان ایک طریقۂ شہادت

---

would be no jurisdiction in the Civil Court to campel compliance with it. The procedure of Li'an was the result of the Law of Islam relating to slander and adultery. It was a concession shown to the husband and the wife. Before the Pakistaan Courts, the husband does not ask for such a concession and the wife does not stand in need of any for adultery of the wife is not punishable at all. Nor has the Civil Court the authority to force any person to take an oath in the form prescribed by Li'an and to send him to jail for refusing to take such oath. This impossibility of compliance with the procedure of Li'an is by itself an argument in favour of the contention that an accusation of adultery without recourse to the procedure of Li'an is a good ground for dissolution." (P.L.D. 1957 Lahore page 998 at page 1007)

ہے راقم الحروف کو اس سے اختلاف ہے - لعان کی حیثیت اصل قانون (Substantive Law) کی ہے نہ کہ اسلامی قانون شہادت کے ضابطے کی - اسلام میں زنا کی تہمت لگانا ایک ایسا جرم ہے جس پر حد شرعی یعنی ۸۰ درّوں کی سزا لازم آتی ہے - جس کو '' حدّ قذف '' کہا جاتا ہے - مرد کو حد قذف اور عورت کو '' حد زنا '' سے محفوظ رکھنے اور معاشرے میں ایک زبردست اخلاق برائی کے پھیلنے کو روکنے کی غرض سے خدائے تعالیٰ نے خاص طور پر لعان کے قانون کا ذکر فرمایا ہے - جس طریقے سے لعان کیا جاتا ہے وہ طریقہ بھی قرآن پاک متعین کرتا ہے چنانچہ وہ طریقہ بھی بجائے خود اصل قانون کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ اس کے خلاف عمل لعان کو وجوُد میں نہ لائے گا - متعلقہ آیت قرآنی میں چونکہ شہادت کا لفظ آیا ہے اس لئے شاید فاضل ججوں کو لعان کے متعلق ایک قاعدۂ شہادت کا خیال آیا ھو - در حقیقت لعان شہادت نہیں ہے بلکہ قسم ہے - یہاں شہادت قسم کے معنی میں ہے اور قانون کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ قسم خود اپنے متعلق نہیں ہوا کرتی - اسی سبب سے تمام فقہاء اور محدثین نے لعان کا کتاب الشہادات کے بجائے کتاب الطلاق میں ذکر کیا ہے- قسم کے لئے شہادت کا لفظ قرآن پاک میں ایک اور جگہ بھی استعمال کیا گیا ہے - چنانچہ اللہ تعالیٰ منافقین کا ذکر کرتے ہوئے سورہ منافقون کے پہلے رکوع میں فرماتا ہے - '' ازاجاءک المنافقون قالوا نشہد انک لرسول اللہ '' یعنی جب آپ کے پاس منافق آتے ھیں تو کہتے ھیں کہ ھم قسم کھا کر کہتے ھیں کہ آپ اللہ کے رسول ھیں -

۲- جہاں تک اس نقطۂ نظر کا تعلق ہے کہ ھماری عدالتیں طریقہ لعان کو نافذ کرنے کا اختیار نہیں رکھتیں اس کے جواب میں مسلم شخصی قانون (شریعت) طلاق ایکٹ ۱۹۳۷ع کی دفعہ ۲ کی عبارت کو پیش

کیا جا سکتا ہے جس میں تنسیخ نکاح میں طلاق، خلع اور مبارات و ایلاء کے ساتھ لعان بھی شامل کیا گیا ہے۔ البتہ یہ امر صحیح ہے کہ لعان کو ''حد قذف'' اور ''حد زنا'' سے بچنے کی غرض سے ہماری عدالتیں نافذ نہیں کر سکتیں، کیونکہ یہ دونوں افعال پاکستان میں جرم نہیں ہیں۔ لیکن جہاں تک لعان کے ذریعہ تنسیخ نکاح کا تعلق ہے اس حد تک عدالتیں مذکورہ بالا شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ع کی دفعہ ۲ کے تحت نکاح فسخ کرنے کی مجاز قرار دی جاسکتی ہیں۔ (واضح رہے کہ جس وقت مذکورہ بالا مقدمات میں فیصلے دئے گئے تھے شریعت ایکٹ میں ترمیم نہیں ہوئی تھی)۔

۳۔ لعان کو ایک رعایت کہنا متبادل صورت کے طور پر درست ہو سکتا ہے لیکن کسی صورت میں بجائے خود اس کی قانونی حیثیت کو متاثر نہیں کرتا البتہ یہ بات صحیح ہے کہ تعزیرات پاکستان کے تحت تہمت زنا اور زنا کو جرم قرار نہ دینے کے سبب زوجین کے لئے اس کا طالب ہونا غیر ضروری سا ہے۔

۴۔ یہ کہنا کہ دیوانی عدالتیں لعان کے طریقہ پر قسم کھانے کے لئے مجبور نہیں کر سکتیں، محل نظر ہے۔ اگر عدالتوں کے عدم اختیار کی دلیل کو درست قرار دیا جائے تو شریعت ایکٹ کی مذکوہ دفعہ میں لعان کے ذریعہ تنسیخ نکاح کا حق فی الاصل معدوم ہو جائے گا۔

۷۔ اسی طرح یہ کہنا کہ لعان سے انکار کی صورت میں عدالتوں کو جیل بھیجنے کا اختیار نہیں ہے محل نظر ہے۔ لعان کے احکام میں قید کا اختیار خود شامل ہے۔ علاوہ ازیں عدالتیں اپنے حکم کی عدم تعمیل کی صورت میں جو تحقیر عدالت کا موجب ہو، سزا دینے کا ہر وقت اختیار رکھتی ہیں۔

۶- یہ کہنا درست نہیں معلوم ہوتا کہ لعان کا طریقہ روبہ عمل لانا غیرممکن ہے ۔ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ لعان کا پہلا مقصد (یعنی مرد کو " حد قذف " اور زوجہ کو " حد زنا " سے محفوظ رکھنا) رائج الوقت تعزیری قوانین کے سبب معدوم ہوچکا ہے لیکن لعان کے سبب تفریق زوجین کا قانون تو بہر حال باقی ہے اور اس حد تک اس پر عمل ضرور کیا جا سکتا ہے ۔

۷- فاضل ججوں کا یہ قرار دینا کہ زنا کا الزام بجائے خود تنسیخ نکاح کا ایک عمدہ سبب بن سکتا ہے، صحت پر مبنی ہے بشرطیکہ وہ الزام جھوٹا ثابت ہو جائے لیکن اگر الزام صحیح ثابت ہو تو کیا ایسی صورت میں عدالت محض الزام زنا کو تفریق کی معقول وجہ قرار دے سکتی ہے ؟ ظاہر ہے کہ نہیں !

تجویز

بہرحال، مندرجہ بالا مباحث کی روشنی میں اس نتیجے پر ضرور پہونچا جا سکتا ہے کہ لعان کے نفاذ میں یقیناً کچھ دشواریاں اور رکاوٹیں ہیں ۔ للہذا مناسب ہوگا کہ اس کا تفصیلی جائزہ لے کر شریعت ایکٹ میں ضروری تصریح کر دی جائے تاکہ صاف اور صریح حکم قرآنی پر عمل پیرا ہونے میں عدالتیں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں ۔ اس سلسلہ میں ۱۹۶۲ع میں مغربی پاکستان شریعت ایکٹ میں جو ترمیم کی گئی ہے اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے اور اسی روشنی میں عائلی قوانین آرڈی ننس، ۱۹۶۱ع کی دفعہ ۸ میں ایلاء، ظہار اور لعان کی صراحت بھی غیر مناسب نہ ہوگی ۔

بیسواں باب

عدّت

تعریف عدت

۱۳۹ - زوال نکاح کے بعد خواہ نکاح حقیقتاً ہو یا شبہۃً، جو دخول یا موت سے متاکد ہوا ہو، عورت کا ایک مدت معلومہ تک نکاح ثانی سے باز رہنا عدّت کہلاتا ہے -

تشریح

شریعت اسلام میں عدت دراصل وہ ایام ہیں جو عورت پر سے شوہر کی ملک تمتع زائل ہونے کے بعد اس کو انتظار میں گزارنے لازم ہوتے ہیں بشرطیکہ شوہر نے اس سے صحبت کی ہو یا خلوت صحیحہ ہوگئی ہو یا شوہر مر گیا ہو - چنانچہ جس عورت سے نکاح بالشبہ کی صورت میں صحبت کی گئی ہو اس پر بھی عدت کے احکام نافذ ہوں گے -

وجوب عدت

۱۴۰ - حسب ذیل صورتوں میں عورت پر عدت واجب ہوگی :

(۱) نکاح جائز میں دخول یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی جائے یا تفریق ہو جائے -

(۲) نکاح فاسد میں بعد دخول یا خلوت صحیحہ طلاق دی جائے یا تفریق ہو جائے -

(۳) نکاح جائز یا فاسد میں شوہر انتقال کر جائے -

توضیح : دخول سے قبل طلاق یا تفریق کی صورت میں زوجہ پر عدت واجب نہ ہوگی -

تشریح

عدت خدائے تعالیٰ کے فرمان کے تحت واجب ہے - چنانچہ اللہ تعالیٰ

قرآن پاک میں فرماتا ہے :

(۱) " والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء "[۱] (جن عورتوں کو طلاق دی جائے وہ تین حیض تک اپنے تئیں روک رکھیں) ۔

(۲) " و الذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن با نفسھن اربعۃ اشھر و عشرا فاذابلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف ۔[۲] (جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ (بیویاں) اپنے تئیں چار مہینے دس دن تک روک رکھیں پھر جب اپنی عدت پوری کرلیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو وہ اپنے لئے دستور کے موافق عمل کریں ۔)

(۳) "و الّٰئی یئسن من المحیض من نساء کم ان ارتبتم فعد تھن ثلثۃ اشھر و الّٰئی لم یحضن" ۔[۳] (تمہاری عورتوں میں جو حیض سے نا امید ہوگئیں (ان کی عدت میں) اگر تم کو شبہ پڑے تو ان کی عدت تین مہینے ہے (اور اسی طرح) ان عورتوں کی عدت جن کو حیض نہ آیا ہو ۔)

(۴) " واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن " (اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جنیں) ۔[۴]

(۵) " ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتب اجلہ "[۵] (اور عقد کا قصد نہ کرو جب تک مقررہ عدت نہ گزر جائے) ۔

اگر کتابیہ عورت کسی مسلمان مرد کے نکاح میں ہو تو اس پر بھی عدت کے وہی احکام واجب ہوں گے جو مسلمان عورت پر واجب ہوں گے ۔[۶]

---

(۱) پارہ ۲ سورۃ البقر رکوع ۲۸ (۲) پارہ ۲ سورۃ البقر رکوع ۳۰
(۳) پارہ ۲۸ سورۃ الطلاق رکوع ۱ (۴) پارہ ۲۸ سورۃ الطلاق رکوع ۱
(۵) پارہ ۲ سورۃ البقرہ رکوع ۳۰
(۶) سراج الوہاج، بحوالہ فتاوی عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کانپور، باب العدت ۔

مدت عدت ۱۴۱۔ (۱) بالغہ مطلقہ عورت جس کو حیض آتا ہو اس کی عدت تین حیض ہے۔

توضیح : اگر شوہر نے زوجہ کو حالت حیض میں طلاق دی تو ایسی عورت پر تین حیض کامل عدت واجب ہوگی اور وہ حیض جس میں طلاق دی گئی ہے تین حیض میں شمار نہ ہوگا۔

(۲) وہ مطلقہ عورت جس کو بوجہ کم سنی، کبر سنی، مرض یا کسی اور وجہ سے حیض نہ آتا ہو، اس کی عدت تین ماہ ہے۔

توضیح : اگر بوقت طلاق یا تفریق حیض آیا ہو مگر دوران عدت بند ہوگیا ہو ایسی عورت کی عدت تین ماہ ہوگی جو حیض بند ہونے کے وقت سے شمار کی جائے گی۔

(۳) جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی۔

توضیح : اگر شوہر نے طلاق رجعی دی اور عدت کے دوران مر گیا تو عورت پر وفات کی عدت واجب ہوگی یعنی تاریخ وفات سے چار ماہ دس دن۔

(۴) اگر زوجہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے۔

توضیح : اگر طلاق یا تفریق یا شوہر کی وفات کے وقت حمل کے آثار نہ تھے مگر عدت میں حمل ظاہر ہو گیا تو عدت وضع حمل تک ہوگی۔

تشریح

حیض آنے کی صورت میں :

جب شوہر اپنی زوجہ کو رجعی یا بائن طلاق دے یا دونوں میں طلاق کے علاوہ کسی دوسری صورت سے تفریق ہوجائے اور اس عورت کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت تین حیض مقرر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ہے ''والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء''^۷ لہٰذا جب تک یہ مدت نہ گزر جائے عورت کا کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا ممنوع ہے۔

اس آیت کے لفظ '' قروء '' کے معنی میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک اس کے معنی حیض کے ہیں جب کہ امام شافعی کے نزدیک اس کے معنی طہر (زمانۂ پاکی) کے ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک عدت تین حیض نہیں بلکہ تین '' طہر '' ہیں۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ خدائے تعالی نے '' قروء '' کے لفظ کو لفظ ثلاثۃ یعنی تین کے ساتھ مختص فرمایا ہے اور تین سے مکمل تین مراد لیا جائے گا ، نہ کم نہ زیادہ۔ بس اگر کسی شخص نے حالت طہر یعنی پاکی میں طلاق دی (جیسا کہ حکم بھی ہے) تو اس طہر کا کچھ عرصہ ضرور گزر چکا ہوگا پس اگر اس طہر کو عدت میں شمار کیا جائے گا تو عدت تین طہر سے کچھ کم ہوگی اور اگر اس طہر کو شمار نہ کیا جائے تو تین طہر سے زائد ہو جائے گی لہٰذا '' قروء'' سے ''طہر'' مراد لے کر حکم قرآنی پر عمل کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

لیکن امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے '' قروء '' کے پہلے ثلثۃ کا لفظ ارشاد فرمایا ہے اور ثلثۃ کا لفظ مونث ہے اور نحوی قاعدے کے اعتبار سے ممیز ہے۔ جس کی تمیز قروء ہے۔ اور یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب ممیز مونث ہو تو تمیز مذکر ہوگا۔ قروء مذکر ہے اور اس کے معنی طہر ہی مراد لئے جائیں گے کیونکہ طہر مذکر آیا ہے جب کہ حیض مونث ہے۔ لہٰذا قروء کا معنی حیض مراد لینے سے نحوی قاعدہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہاں '' ثلثۃ کے

---

(۷) پارہ ۲ ، سورۃ البقر ، رکوع ۲۸

بعد '' قروء '' کا اعتبار لفظ کے لحاظ سے کیا جائے گا ، نہ کہ معنی کے اعتبار سے ۔

تجزیہ :

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ '' قروء '' کا لفظ اپنے معنی کے لحاظ سے مشترک ہے ۔ یعنی اس کے معنی حیض کے بھی ہیں اور طہر کے بھی ۔ اور یہ ایک قاعدہ کلیّہ ہے کہ اگر ایک لفظ کے دو معنی ہوں اور دونوں ایک دوسرے کی ضد ہوں تو ایک جگہ صرف ایک ہی معنی مراد لیا جا سکتا ہے ۔ احناف کے نزدیک قروء کے معنی حیض مراد لینے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ عدت سے مقصود دراصل رحم کا پاک ہونا ہے اور حیض ہی رحم کا پاک ہونا بتلاتا ہے ۔ علاوہ ازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب اور ائمہ کے نزدیک بالاتفاق ایک کنیز کی عدت دو حیض ہے[8] اس لئے رسول صلعم کی اس حدیث کو لفظ قروء کے بیان کے ساتھ ملحق کیا جائے تو قروء کے معنی حیض ہی مراد لئے جائیں گے نہ کہ طہر ۔ چونکہ قروء کے معنی حیض متعین کرنے کے لئے رسول اللہ کی مذکورہ بالا حدیث سے قرینہ بھی پایا جاتا ہے لہذا اس بناء پر حیض ہی مراد لیا جائے گا ۔

جن عورتوں کو حیض نہیں آتا :

جن عورتوں کو حیض نہیں آتا ان کی عدت تین ماہ ہے جیسا کہ خدائے تعالی نے فرمایا ہے '' والآئی یئسن من المحیض من نساء کم ان ارتبتم فعدتھن ثلثة اشھر والی لم یحضن ۔[9] یعنی اللہ تعالی نے ایسی عورتوں کے معاملہ میں جنھیں حیض سے مایوسی ہو تین مہینے عدت مقرر فرمائی ہے ۔

---

(۸) ''طلاق الامۃ تطلیقتان و عدتھا حیضتان'' حدیث نبوی

(۹) قرآن پاک ، پارہ ۲۸ سورۃ الطلاق رکوع ۱

حاملہ کی عدت :

حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ''واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن'' یعنی حاملہ عورتوں کی عدت یہ کہ وہ اپنا حمل جنیں ۔ چنانچہ معتدہ حاملہ کے واسطے عدت کی کوئی معین مدت مقرر نہیں ۔ اگر طلاق کے چند گھنٹے بعد ہی وضع حمل ہوجائے تو اسی وقت عدت ختم ہو جائے گی ۔[10]

علامہ شعرانی نے اپنی کتاب المیزان الکبری میں لکھا ہے کہ ائمہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے خواہ وہ عورت مطلقہ ہو یا بیوہ ۔[11]

اگر آئسہ (جس عورت کو حیض نہ آتا ہو) نے کچھ عدت مہینوں کے حساب سے گزاری تھی کہ حمل ظاہر ہوگیا تو عدت کی تکمیل وضع حمل سے ہوگی ۔[12]

تجویز

پاکستان کے عائلی قوانین آرڈی نینس نمبر ۸ بابت ۱۹۶۱ع کی دفعہ ۷ کے تحت حاملہ کی عدت کے احکام کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ حاملہ مطلقہ کی عدت وضع حمل یا تین ماہ (جو زیادہ ہو) ہوگی ۔ بعض اصحاب سے بیوہ حاملہ کی عدت کے بارے میں یہ منقول ہے کہ اس کی عدت ۴ ماہ دس دن یا وضع حمل (جو زائد ہو) ہوگی ۔ حضرت علی کرم‌اللہ وجہہ سے بھی یہی منقول ہے ۔ غالباً زوجہ مطلقہ حاملہ کی عدت کے سلسلے میں

(۱۰) جوہرہ بحوالہ فتاوی عالمگیری ، مطبع مجیدی کانپور کتاب الطلاق ، باب العدۃ ہدایہ ، برہان الدین مرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ) ، قرآن محل ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۰۳-۳۲۲

(۱۱) ''اتفق الائمۃ علی ان عدۃ الحامل مطلقاً بالوضع سواء المتوفی عنھا زوجھا والمطلقۃ'' (المیزان الکبریٰ ، علامہ شعرانی ، مطبوعہ مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۳۵)

(۱۲) فتاویٰ قاضی خان ، کتاب الطلاق ، باب العدۃ

اسی قول سے استخراج کرتے ہوئے ہمارے مقننین نے حاملہ مطلقہ کی عدت تین ماہ یا وضع حمل (جو زائد ہو) قرار دی ہے ۔ لیکن ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق حاملہ مطلقہ یا بیوہ کی عدت مطلقاً وضع حمل ہے ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سورۃ الطلاق جس میں حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل قرار دی گئی ہے سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے اس لئے اس پر عمل کرنا واجب ہے ۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ سبیعہ اپنے شوہر کے انتقال کے وقت حاملہ تھی اس نے چالیس روز بعد بچہ جنا ۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نکاح کی اجازت دے دی ۔

حکم قرآنی ، راجح روایات ، اتفاق ائمہ اور تعامل امت کے پیش نظر ہم اس نتیجہ پہونچتے ہیں کہ سورۃ الطلاق سورۃ البقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے جس میں حاملہ عورتوں کی عدت کا حکم وضع حمل مطلق اور غیر مشروط انداز میں بیان کیا گیا ہے ۔ اس لئے اس پر عمل کرنا واجب ہے ۔ چنانچہ حاملہ عورت کی عدت خواہ وہ مطلقہ ہو یا بیوہ صرف وضع حمل ہے ۔ اس کی تائید آیت قرآنی "و ان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن" سے بھی ہوتی ہے جس میں حاملہ مطلقہ عورتوں کو وضع حمل تک نفقہ دینے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ وضع حمل کے بعد ہی عدت ختم ہوجاتی ہے اس لئے نفقہ کی ذمہ داری بھی ختم ہوجاتی ہے ۔ مناسب ہوگا کہ اگر دفعہ ۷ آرڈی نینس مذکور مندرجہ بالا معروضات کی روشنی میں ترمیم کر دی جائے ۔

آغاز عدت

۱۴۲۔ عدت تفریق یا طلاق یا وفات کے وقت سے واجب ہوگی۔

تشریح

اگر عورت کو طلاق یا وفات کا علم نہ ہوا ہو یہاں تک کہ عدت کی مدت گزر گئی تو اس کی عدت پوری سمجھی جائے گی۔[۱۳] یعنی عدت کا آغاز وقت طلاق یا وفات سے شمار ہوگا، نہ کہ عورت کے علم میں آ جانے سے۔

اگر شوہر نے اپنی زوجہ کو طلاق دی مگر پھر اس سے مکر گیا، عورت نے عدالت میں مقدمہ دائر کیا اور گواہ پیش کئے اور عدالت نے یہ قرار دیا کہ شوہر نے طلاق دی تھی تو عدت وقت طلاق سے شمار ہوگی نہ کہ وقت حکم سے۔[۱۴] چنانچہ اگر عدالتی کارروائی کے دوران عدت کی مدت گزر گئی ہو تو عدت پوری سمجھی جائے گی۔

عائلی قوانین آرڈی ننس کی دفعہ ۷ کے تحت یہ کہنا کہ طلاق چیرمین کو نوٹس ملنے کے نوے یوم تک موثر نہ ہوگی۔ عدت کے احکام میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کا بھی موجب ہے۔ ضرورت ہے کہ مذکورہ قانون کی دفعات ۷ و ۸ سے پیدا ہونے والے اثرات کا شریعت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور مناسب ترمیمات کی جائیں۔

---

(۱۳) ہدایہ، قرآن محل، ۳۰-۳۲۲
(۱۴) خلاصہ، بحوالہ فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کانپور باب العدۃ

ضمیمہ

قانون طلاق

متن (Text)

گیارھواں باب

طلاق کی تعریف ' اقسام ' اھلیت ' شہادت اور تفویض

تعریف طلاق

۹۳- شوھر کی جانب سے اصالتاً یا وکالتاً ' نیابتاً یا تفویضاً مخصوص الفاظ کے ساتھ یا بالکنایہ' فی‌الفور یا بالنتیجہ' رشتۂ ازدواج ختم کرنے کا نام طلاق ہے۔

اقسام طلاق

۹۴- (الف) بہ لحاظ کیفیت طلاق کی دو قسمیں ھیں :

(۱) طلاق سنت یا مسنون طلاق۔

(۲) طلاق بدعی یا غیر مسنون طلاق۔

(ب) بہ لحاظ تاثیر طلاق کی تین قسمیں ھیں :

(۱) طلاق رجعی۔

(۲) طلاق بائن صغریٰ۔

(۳) طلاق بائن کبریٰ یا مغلظہ۔

تعداد طلاق

۹۵- ھر مسلمان شوھر ایک رشتۂ نکاح میں اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دینے کا مجاز ہے۔

اھلیت طلاق

۹۶- ھر مسلمان عاقل و بالغ شوھر' ماسوائے ان اشخاص کے جن کا ذکر دفعات ۱۰۲ تا ۱۰۵ میں کیا گیا ہے' اپنی زوجہ کو طلاق دینے کا اھل ہے۔

محل طلاق

۹۷- ھر وہ عورت محل طلاق ہے جو نکاح صحیح میں ھو یا طلاق رجعی یا ایک یا دو طلاق بائن کی عدت پوری کر رھی ھو۔

توضیح : ایسی عورت محلّ طلاق نہ ہوگی جس کا طلاق دینے والا ملک زوجیت کا حقدار نہ ہو ۔

وقوع طلاق

۹۸- طلاق صریح الفاظ ' کنایہ اور اشارہ سے واقع ہو سکتی ہے ۔

توضیح : زوجین میں سے کسی ایک کے معذور ہونے کے سبب ایسے اشارے کے ذریعہ طلاق واقع کی جا سکتی ہے جو معلوم اور مشخّص ہو ۔

اصالتاً یا وکالتاً

۹۹- ہر مسلمان شوہر مجاز ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو خود طلاق دے یا دینے کے لیے کسی عاقل و بالغ شخص کو اپنا وکیل مقرر کرے ۔

شہادت طلاق

۱۰۰- ایقاع طلاق کے لیے شہادت شرط نہیں ۔

تفویض طلاق

۱۰۱- شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو حق طلاق تفویض کر دے مگر اس صورت میں خود اس کا حق طلاق ساقط نہ ہوگا ۔

توضیح : شوہر کے اپنی زوجہ کو حق طلاق تفویض کر دینے کی صورت میں زوجہ خود اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے ۔

بارھواں باب

کن اشخاص کی طلاق واقع نہ ہوگی

کن اشخاص کی طلاق واقع نہ ہوگی

۱۰۲- حسب ذیل اشخاص کی دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی :

(۱) نابالغ ۔

(۲) پاگل (مجنون) ۔

(۳) مغلوب العقل (معتوہ) ۔

(۴) مغشی (جس شخص پر غشی طاری ہو) ۔

(۵) مدہوش ۔

(۶) خوابیدہ ۔

(۷) سرسام زدہ - اور

(۸) مغمیٰ علیہ -

طلاق بحالت نشہ

۱۰۳- (۱) نشے کی حالت میں دی جانے والی طلاق واقع نہ ہوگی خواہ وہ نشہ حرام شے کے استعمال سے پیدا ہوا ہو -

مگر لازم ہے کہ طلاق دینےوالے کی عقل نشے کے سبب معطل ہوگئی ہو اور وہ ھذیان بکنے لگا ہو -

توضیح : (۱) اگر کسی شخص کو نشہ آور شے بالجبر استعمال کرائی گئی اور وہ شخص اس نشے کی حالت میں اپنی زوجہ کو طلاق دے تو طلاق واقع نہ ہوگی -

(۲) اگر کوئی شخص بلا علم نشہ آور شے استعمال کرے اور اس نشے کی حالت میں اپنی زوجہ کو طلاق دے تو طلاق واقع نہ ہوگی -

طلاق بحالت مرض الموت

۱۰۴- مرض الموت کی حالت میں، یا ایسی حالت میں جس میں مرنے کا امکان غالب ہو، دی جانے والی طلاق باغراض وراثت موثر نہ ہوگی بشرطے کہ شوہر اسی مرض میں انتقال کر جائے دراں حالیکہ زوجہ عدت میں ہو -

طلاق مکرہ (شخص مجبور کی طلاق)

۱۰۵- طلاق مکرہ (شخص مجبور کی طلاق) واقع نہ ہوگی جب طلاق دینے والے یا اس کے متعلقین کو غیر معمولی ضرر پہونچنے کا حقیقی خطرہ درپیش ہو، مگر لازم ہے کہ طلاق دینے والے شخص کی نیت طلاق دینے کی نہ ہو -

طلاق مکرہ کا اقرار

۱۰۶- طلاق مکرہ کا اقرار خواہ زبانی ہو یا تحریری غیر نافذ ہوگا -

تحریری طلاق

۱۰۷- تحریری طلاق بالجبر باطل ہوگی -

تیرھواں باب

رجعت، بینونت صغریٰ و بینونت کُبریٰ (مغلّظه)

رجعت

۸ ۱- زوجه کو ایک یا دو طلاق رجعی دینے کی صورت میں شوهر کو بلا مرضی زوجه اور بلا نکاح یا مهر جدید قولاً یا فعلاً اپنی زوجه سے رجوع کرنے کا حق حاصل هوگا، بشرطے که بوقت رجوع عدت ختم نه هوئی هو۔

بینونت صغریٰ

۱۰۹- شوهر کے اپنی زوجه کو ایک یا دو طلاق بائن دینے سے علی الفور، اور طلاق رجعی دینے کی صورت میں بعد انقضائے عدت رشته زوجیت منقطع هو جائے گا۔

بینونت کبریٰ (مغلّظه)

۱۱۰- اگر کوئی شوهر اپنی زوجه کو یک وقت ایک کلمه سے تین طلاق دے یا متفرق کلمات سے تین مرتبه طلاق، طلاق، طلاق کہے تو اسی وقت تین طلاق بائن (مغلّظه) واقع هو جائیں گی اور وه اپنی زوجه سے رجوع نه کر سکے گا۔ الاّ یه که وه عورت دوسرے مرد سے نکاح کرے اور اس سے طلاق مل جائے یا نکاح فسخ هو جائے یا وه مر جائے ایسی صورت میں عدت ختم هونے پر فریقین باهمی رضامندی سے نکاح جدید کر سکتے هیں۔

غیر مدخوله کو طلاق

۱۱۱- اگر زوجه غیر مدخوله هو یعنی اس سے صحبت نه هوئی هو اور اس کو ایک کلمه سے تین طلاقیں دی جائیں تو تینوں طلاقیں ایک ساتھ واقع هوں گی اور وه عورت بدون حلاله اس مرد سے دوباره نکاح نه کر سکے گی۔

البته اگر تین طلاقیں فرداً فرداً دی گئیں تو پہلی طلاق سے وه زوجه بائن هو جائے گی باقی دو طلاقیں بے اثر رهیں گی۔ اس صورت میں حلاله کے بغیر مرد و عورت باهم نکاح جدید کر سکتے هیں۔

چودھواں باب

خُلع و مبارأت

خلع کی تعریف

۱۱۲- خلع زوجہ کی مرضی اور اس کی خواہش پر عقد نکاح سے آزاد کیے جانے کے معاوضے میں شوہر کو بدل دینے یا دینے کا وعدہ کرنے پر قید زوجیت سے بلفظ خلع یا جو لفظ اس کا ہم معنی ہو، رہائی کا نام ہے۔

خلع کے معاوضے کی مقدار

۱۱۳- شوہر اس امر کا مجاز ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو مہر یا اس کی رقم سے کم یا زائد کے عوض خلع دے لیکن زوجہ کی اس معاوضے پر نارضامندی کی صورت میں عدالت حالات مقدمہ کے پیش نظر معاوضہ کا تعین کرنے کی مجاز ہوگی۔

عوض خلع کی نوعیت

۱۱۴- ہر وہ شے جو شرعاً مہر ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے اور مہر میں دی جا سکتی ہے خلع کا معاوضہ ہونے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے۔

طلاق بالخلع بلا ذکر عوض

۱۱۵- اگر کوئی شوہر بلا ذکر عوض طلاق بالخلع دے تو زوجہ کا حق مہر ساقط نہ ہوگا۔

خلع کا جواز

۱۱۶- اگر عدالت کو اس امر کا اطمینان ہوگیا ہو کہ زوجین شدید ناچاق کے سبب باہمی معاشرت میں احکام خداوندی کی پابندی نہ کر سکیں گے تو شوہر کو خلع کا حکم دے گی:

مگر شرط یہ ہے کہ اگر قصور مرد کا پایا جائے گا تو عدالت بلا معاوضہ تفریق کرا دے گی:

مزید شرط یہ ہے کہ اگر قصور عورت کا ہو یا دونوں میں سے کسی کا نہ ہو مگر حالات خلع کے متقاضی ہوں تو شوہر کو عورت سے مناسب معاوضہ دلوایا جائے گا۔

اهمیت خلع

۱۱۷- خلع کے جواز کے لیے یہ امر شرط ہے کہ شوہر طلاق واقع کرنے کا اہل اور زوجہ طلاق کی محل ہو۔

خلع کی نوعیت بہ اعتبار حکم

۱۱۸- خلع ایک طلاق بائن کے حکم میں داخل ہے۔

مبارات

۱۱۹- مبارات ایسی طلاق کہلاتی ہے جو زوجین کی باہمی رضامندی سے ہوتی ہے۔ خلع کی طرح اس کا اثر طلاق بائن کا ہوتا ہے۔

خلع و مبارات کا اثر مہر و نفقہ پر

۱۲۰- (۱) خلع سے زوجین کے ایک دوسرے پر جو غیرمالی حقوق بسبب نکاح اس وقت قائم ہوں ساقط ہو جائیں گے۔

(۲) مبارات سے زوجین کے ایک دوسرے پر جملہ حقوق جو اس وقت بسبب نکاح قائم ہوں، ساقط ہو جائیں گے الّا یہ کہ اس کے خلاف کوئی معاہدہ ہو گیا ہو۔

توضیح : خلع سے زوجہ کا مہر (اگر ادا شدہ نہ ہو) اور زمانۂ عدت کا نفقہ ساقط نہ ہوگا الّا یہ کہ مابین زوجین اس کے خلاف کوئی معاہدہ ہوگیا ہو۔
مگر لازم ہے کہ بلا لحاظ کسی معاہدۂ مخالف کے بوقت خلع یا مبارات زوجہ جس مکان میں سکونت پذیر ہے زوجہ کا اُس مکان میں حق سکونت برقرار رہے گا۔

پندرھواں باب

تفریق بسبب امراض و عیوب

تفریق بسبب مرض یا عیب

۱۲۱- شوہر میں ایسے تناسلی یا متعدی مرض یا عیب کی بناء پر جو اتصال جنسی میں مانع ہو یا شوہر کی طرف سے زوجہ کی طبیعت میں ایسا تنّفر پیدا کرنے کا موجب ہو جو باہمی معاشرت کو ناممکن بنا دے، زوجہ کو حق ہوگا کہ بذریعہ عدالت تنسیخ نکاح کا حکم حاصل کر لے :

مگر لازم ہوگا کہ جہاں تک ممکن ہو مجموعۂ ھذا کے احکام مندرجہ باب ھذا کا اطلاق کیا جائے گا۔

تفریق بسبب نامردی

۱۲۲- (۱) جس عورت کا نکاح شرع اسلام کے بموجب منعقد ہوا ہو بریں بناء عدالت سے تنسیخ نکاح کا حکم حاصل کر سکتی ہے کہ اس کا شوہر بوقت نکاح نامرد تھا نیز یہ کہ اس کی وہ حالت برقرار ہے۔

(۲) شوہر کی درخواست پر عدالت پر لازم ہوگا کہ بربناء نامردی تنسیخ نکاح کا حکم جاری کرنے سے قبل شوہر کو ایک سال کی مہلت دے تاکہ شوہر اس ایک سال کی مدت میں عدالت کو مطمئن کر سکے کہ وہ نامرد نہیں رہا۔ اگر شوہر اس مدت میں عدالت کو مطمئن کر سکا تو عدالت نامردی کی بناء پر تنسیخ نکاح کا حکم دینے کی مجاز نہ ہوگی۔

تفریق بسبب جب یا قطع عضو

۱۲۳- اگر شوہر مقطوع الذکر یا خصی ہو یا اس کا عضو مخصوص بہت چھوٹا یا مثل نہ ہونے کے ہو تو زوجہ بذریعہ عدالت طلب تفریق کی مجاز ہوگی اور عدالت شوہر کے مجبوب یا مقطوع الذکر ہونے کی تحقیق کے بعد بلا مہلت شوہر کو طلاق دینے کا حکم دے گی اور اس کے انکار کرنے کی صورت میں خود تفریق کرنے کی مجاز ہوگی۔

تفریق بسبب جنون

۱۲۴- زوجہ کو شرعاً حق حاصل ہے کہ شوہر کے جنون کے سبب بذریعہ عدالت تفریق حاصل کر لے۔

تفریق بسبب جذام و برص

۱۲۵- شوہر میں جذام یا برص یا اسی قسم کا کوئی مرض پائے جانے کی صورت میں زوجہ عدالت کے ذریعہ تنسیخ نکاح کا حکم حاصل کرنے کی مجاز ہوگی بشرطیکہ مرض کی نوعیت کے پیش نظر

عدالت اس امر پر مطمئن ہو کہ باہمی معاشرت ممکن نہیں ہے اور مقاصد نکاح کے فوت ہو جانے کا غالب امکان موجود ہے۔

تفریق بسبب مرض یا عیوب کی شرائط

۱۲۶- (الف) اگر زوجہ مرد کے عیب یا مرض سے بوقت نکاح واقف تھی اور اس علم کے باوجود اس سے نکاح کر لیا تو اس کا اس مرض یا عیب کی بناء پر طلب تفریق کا حق ساقط ہو جائے گا، ماسوائے نامردی کے۔

(ب) اگر مرض یا عیب مذکورہ دفعہ سابقہ نکاح کے بعد پیدا ہوا اور عورت اس پر راضی ہو گئی تو اس کا حق ساقط ہو جائے گا۔

توضیح: مرض یا عیب کے علم میں آ جانے کے بعد زوجہ کی صریحی رضامندی کی غیر موجودگی میں اس کا اپنے شوہر کے ساتھ رہنا سہنا رضامندی یا اسقاط حق کے مترادف نہ سمجھا جائے گا۔

تفریق بسبب عیب کا اثر

۱۲۷- تفریق بالعیب یا مرض ایک طلاق بائن کے حکم میں داخل ہوگی۔

تفریق بسبب ظلم

۱۲۸- زوجہ اپنے شوہر کے ظلم و ضرر کے سبب بذریعہ عدالت تفریق طلب کرنے کی مجاز ہے۔

تفریق بسبب ظلم کا اثر

۱۲۹- شوہر کے ظلم کے سبب عدالت زوجین میں جو تفریق کرائے گی وہ بمنزلہ ایک طلاق بائن کے ہوگی۔

سترھواں باب

تفریق بسبب مفقودالخبری، قید و عدم فراہمی نفقہ

تفریق بسبب مفقودالخبری

۱۳۰- (۱) اگر کوئی شوہر مفقودالخبر ہو تو اس کی زوجہ عدالت کے ذریعہ تنسیخ نکاح کا حکم حاصل کرنے کی مجاز ہوگی۔

(۲) شوہر کی مفقودالخبری متحقق ہو جانے کے بعد عدالت

عورت کو ایک سال مزید انتظار کا حکم دے گی اور شوہر کے اس مدت میں نہ آنے کی صورت میں عدالت نکاح فسخ کر دے گی اور وہ عورت بعد انقضائے عدت نکاح ثانی کرنے کی مجاز ہوگی:

مگر لازم ھے کہ مزید ایک سال انتظار کا حکم اس صورت میں دیا جائے گا جب کہ عورت کے لیے ایک سال کا نفقہ موجود ہو، بصورت دیگر عدالت بعد ثبوت مفقود الخبری بسبب فراھمی نفقہ بلا انتظار نکاح فسخ کرنے کی مجاز ہوگی۔

(۳) تفریق بسبب مفقودالخبری طلاق رجعی کے حکم میں ہوگی۔

تفریق بسبب قید

۱۳۱- اگر کسی شوہر کو تین سال یا اس سے زائد مدت کے لیے سزائے قید دی گئی ہو تو اس کی زوجہ بذریعہ عدالت طلب تفریق کی مجاز ہوگی۔

تفریق بسبب عدم فراھمی نفقہ

۱۳۲- شوھر کے چھ ماہ تک زوجہ کو نفقہ فراہم نہ کرنے یا نفقہ فراہم کرنے سے غفلت برتنے کی صورت میں عدالت اس اطمینان کے بعد کہ شوہر بلا عذر شرعی زوجہ کو نفقہ دینے سے منکر ھے یا عمداً غفلت برتتا ھے، تفریق کا حکم جاری کر سکتی ھے۔

اٹھارواں باب

تفریق بسبب ارتداد و انکار اسلام

تفریق بسبب ارتداد شوھر

۱۳۳- کسی مسلمان شوھر کے مرتد ھو جانے کی صورت میں اس کا نکاح خود بخود فسخ ھو جائے گا۔

تفریق بسبب ارتداد زوجہ

۱۳۴- زوجہ کے اسلام سے پھر جانے کی بناء پر نکاح فسخ نہ ھوگا اّلا یہ کہ زوجہ اسلام سے پہلے جس مذھب کی حامل تھی اسی کی

طرف لوٹ جائے۔

استثناء : اس مذہب میں عیسائی اور یہودی مذاہب شامل نہیں ہیں۔

قبول اسلام اور تنسیخ نکاح

۱۳۵- غیر مسلم زوجین یا ان میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کر لینے کے بعد اس مسلمان مرد یا عورت (جیسی صورت ہو) کو تنسیخ نکاح کے سلسلے میں وہ جملہ حقوق حاصل ہو جاتے ہیں جو شریعت اسلام کے تحت ایک مسلمان مرد یاعورت کو حاصل ہیں۔

اکیسواں باب

ایلاء، ظہار و لعان

ایلاء

۱۳۶- اگر کوئی شوہر یہ قسم کھائے کہ وہ اپنی زوجہ سے چار ماہ (یا زیادہ) صحبت نہ کرے گا تو چار ماہ گزر جانے کے بعد اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی الاّ یہ کہ مرد ۴ ماہ گزرنے سے قبل زوجہ سے قولاً اور بشرط قدرت فعلاً رجوع کر لے۔

ظہار

۱۳۷- جو شخص ظہار کا مرتکب ہوگا اس کے لئے اس کی وہ زوجہ جس سے ظہار کیا گیا ہو حرام ہو جائے گی تاآنکہ وہ شخص کفارہ ادا نہ کرے۔

لعان

۱۳۸- جب زوجین حاکم عدالت کے روبرو ایک دوسرے پر لعان کر چکیں تو حاکم عدالت ان میں باہم تفریق کرا دے گا۔

بیسواں باب

عدت

تعریف عدت

۱۳۹- زوال نکاح کے بعد خواہ نکاح حقیقتاً ہو یا شبہۃً، جو دخول یا موت سے متاکّد ہوا ہو عورت کا ایک مدت معلومہ تک نکاح ثانی

سے باز رھنا عدت کہلاتا ہے۔

وجوب عدت

۱۴۰- حسب ذیل صورتوں میں عورت پر عدت واجب ہوگی :

(۱) نکاح جائز میں دخول یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی جائے یا تفریق ہو جائے۔

(۲) نکاح فاسد میں بعد دخول یا خلوت صحیحہ طلاق دی جائے یا تفریق ہو جائے۔

(۳) نکاح جائز یا فاسد میں شوہر انتقال کر جائے۔

توضیح : دخول سے قبل طلاق یا تفریق کی صورت میں زوجہ پر عدت واجب نہ ہوگی۔

مدت عدت

۱۴۱- (۱) بالغہ مطلقہ عورت جس کو حیض آتا ہو اس کی عدت تین حیض ہے۔

توضیح : اگر شوہر نے زوجہ کو حالت حیض میں طلاق دی تو ایسی عورت پر تین حیض کامل عدت واجب ہوگی اور وہ حیض جس میں طلاق دی گئی ہے تین حیض میں شمار نہ ہوگا۔

(۲) وہ مطلقہ عورت جس کو بوجہ کم سنی، مرض یا کسی اور وجہ سے حیض نہ آتا ہو، اس کی عدت تین ماہ ہے۔

توضیح : اگر بوقت طلاق یا تفریق حیض آیا ہو مگر دوران عدت بند ہوگیا ہو ایسی عورت کی عدت تین ماہ ہوگی جو حیض بند ہونے کے وقت سے شمار کی جائے گی۔

(۳) جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی۔

توضیح : اگر شوہر نے طلاق رجعی دی اور عدت کے دوران مر گیا تو عورت پر وفات کی عدت واجب ہوگی یعنی تاریخ وفات سے چار ماہ دس دن ۔

(۴) اگر زوجہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے ۔

توضیح : اگر طلاق یا تفریق یا شوہر کی وفات کے وقت حمل کے آثار نہ تھے مگر عدت میں حمل ظاہر ہوگیا تو عدت وضع حمل تک ہوگی ۔

آغاز عدت

۱۴۲- عدت تفریق یا طلاق یا وفات کے وقت سے واجب ہوگی ۔

کتابیات

الف مقصورہ

احکام الشخصیہ فی الفقہ الاسلام، ڈاکٹر محمد یوسف، مطبوعہ مصر، ۱۹۵۸ع

احکام القرآن، از ابن عربی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۱ ہجری

احکام القرآن، از امام جصاص، مطبوعہ مطبعۃ الاستانہ، ۱۳۲۸ ہجری

اصل الشیعہ و اصولہا، از محمد الحسنین، (ساتواں ایڈیشن)

اعلام الموقعین از ابن القیم، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیرہ، دمشق

الاختیارات العلمیہ از ابن تیمیہ، مطبوعہ مصر

الانصاف، مروادی، مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۶۰ع

البحرالذخار، از مرتضی، مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۴۸ع

البخاری، بحاشیۃ السندی، مطبعۃ داراحیاء الکتب العربیہ، مصر

التاج المذاہب، قاضی احمد بن قاسم قاہرہ، ۱۹۳۸ع

التفسیر الکبیر، امام فخر الدین رازی، مطبوعہ مصر، ۱۹۳۸ع، جلد ۱

الجامع الاحکام القرآن، لابی عبداللہ محمد انصاری القرطبی، مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۳۶ع

الحیلۃ الناجزہ، اشرف علی تھانوی، مطبوعہ قرآن محل، کراچی

الدار المنتقی فی شرح الملتقی، برحاشیہ مجمع الانہر، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۹ ہجری

الدرایہ فی تخریج الاحادیث الہدایہ، ابن حجر عسقلانی، مطبوعہ محبوب المطابع، دہلی ۱۳۵۰ ہجری

الرسالہ فی اصول الفقہ والحدیث، امام شافعی، مطبوعہ مصر

الروضۃ الندیۃ، علامہ سید صدیق حسن خان، مطبوعہ قاہرہ، جلد ۲

السرائر، شیخ ادریس، مطبوعہ ایران

السنن الکبری، بیہقی، مطبوعہ دکن

السنن، نسائی، مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب، کراچی

العروۃ الوثقی، از محمد کاظم طباطبائی، مطبوعہ دارالسلام، بغداد، ۱۳۳۰ ہجری

الفائق، زمخشری، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۱۳۲۴ ہجری

الفروع، محمد بن مفلح، مطبعۃ المنار، قاہرہ

الفصول الشرعیہ علی مذہب الامامیہ، جواد مغنیہ، مطبوعہ بیروت، ۱۳۷۰ ہجری

الفقہ علی المذاہب الاربعہ، عبدالرحمٰن الجزیری، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۵ ہجری، جلد ۴

الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، امام محمود بن عمر الزمخشری، مطبوعہ مصر، ۱۳۴۵ ہجری، جلد ۱

اللباب للمیدانی، شرح علی مختصر القدوری، المطبعۃ الجمالیہ، ۱۳۳۰ھ جلد ۱

المبسوط، امام سرخسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ھ جلد ۶

المحرر فی الفقہ، مجد الدین ابوالبرکات، مطبع السنۃ المحمدیہ، ۱۹۵۰ع

المحلی، ابن حزم، مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۵۲ ہجری

المدونۃ الکبری، مطبوعہ ۱۳۲۴ ہجری، جلد ۲

المغنی، ابن قدامہ مقدسی، مطبوعہ مصر، ۱۳٦۷ ہجری
المغنی المحتاج، جلد ۳
المنتزع المختار، شیخ عبداللہ بن مفتاح، مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۳۲ ہجری
المہذب، ابی اسحاق ابراہیم الفیروز آبادی الشیرانی، مطبوعہ مطبع عیسی البابی، ۱۳۴۳ ہجری
المیزان الکبری، علامہ شعرانی، مطبوعہ مصر، جلد ۲
النکت شرح زیادات، امام سرخسی، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۷۸ ہجری
النہایہ فی غزیب الحدیث، ابن اثیر، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۳
الموجز فی الفقہ الشافعی، امام غزالی، مطبوعہ قاہرہ
انوار التنزیل و اسرار التاویل بالتفسیر البیضاوی، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۲٦ ہجری

ردیف بائے موحدہ (ب)

بحرالرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۳
بدایۃ المجتہد، ابن رشد، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۹ھ جلد دوم
بدائع الصنائع، امام کاسانی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ ہجری، جلد ۳
بلوغ المرام، ابن حجر عسقلانی، مطبوعہ اصح المطابع، کراچی

ردیف بائے فارسی (پ)

پاکستان کا قانون انفساخ ازدواج مسلمانان، مجریہ، ۱۹۳۹ع

ردیف تائے فوقانی (ت)

تاج العروس، زبیدی، جلد ۸
ترمذی (عربی) مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی
تفسیر ابی السعود، مطبوعہ مکتبہ الحسینیۃ، ۱۳۴۷ ہجری
تفسیرالطبری، مطبعۃ الامیریہ، ۱۳۲۹ ہجری
تفسیرالقرآن العظیم معروف بہ تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ عیسی البالی، مصر
تفسیرالکشاف عن حقایق التنزیل، محمود الزمخشری
تفسیر المحیط، ابن حبان، مطبوعہ قاہرہ
تفسیر بیضاوی، عبداللہ بن العمر البیضاوی، مطبوعہ مطبعۃ مصطفی البالی، مصر، ۱۳۵۸ ہجری
تفسیر جامع الاحکام القران، قرطبی، مطبوعہ ۱۹۳٦ع
تفسیر کبیر، امام رازی، عبدالرحمٰن، قاہرہ، ۱۳۵۷ ہجری
تلخیص المستدرک، امام ذہبی، برحاشیہ المستدرک، حاکم، مطبوعہ دکن، ۱۳۴۰ ہجری
تہذیب السنن، حافظ ابن القیم، مطبوعہ مصر
تہذیب التہذیب، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۲٦ ہجری

ردیف جیم معجمہ (ج)

جامع الترمذی، مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب، نور محمد، کراچی دارالکتب العربیہ الکبری، مطبوعہ مصر
جواہر الکلام، جلد ٥
جوہر النقی، ابن الترکمانی، برحاشیہ السنن الکبری

ردیف حائے حطی مہملہ (ح)

حاشیہ دسوقی، جلد ۲
حیات ابن حزم، ابوزہرہ، مطبوعہ مصر، (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور

ردیف دال مہملہ (د)

درالمختار برحاشیہ ردالمختار، علاء الدین حصکفی، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۲ ہجری، جلد ۲

ردیف دال ہندی (ڈ)
ڈائجسٹ آف محمڈن لا ' بیلی ' مطبوعہ لاہور
ڈائی وورس ایکٹ ' ۱۸۶۹ع
ردیف رائے مہملہ (ر)
رحمۃ الامۃ فی اختلاف ائمہ' ابی عبیداللہ' برحاشیہ المیزان الکبری' مطبوعہ مصر ' ۱۳۰۰ ہجری
ردالمحتار مع درالمختار ' ابن عابدین ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۵۶ ہجری
ردیف زائے معجمہ (ز)
زادالمعاد ' حافظ ابن القیم ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۶۹ ہجری
ردیف سین مہملہ (س)
سنن ابن ماجہ' مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب ' کراچی
سنن ابو داؤد' مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب کراچی
سنن دار قطنی ' مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ' ۱۳۱۰ ہجری
سنن نسائی ' اصح المطابع ' کراچی
ردیف شین معجمہ (ش)
شرائع الاسلام ' نجم الدین ابی جعفر' مطبوعہ تہران
شرح الخرشی علی مختصر خلیل ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۱۷ ہجری
شرح الد سوقی ' علی مختصر خلیل ' مطبوعہ مصر' ۱۳۲۰ ہجری
شرح المجلہ' خالد الاتاسی ' مطبوعہ حمص ' ۱۳۴۹ ہجری ' جلد اول
شرح مجمع البحرین' احمد بن علی المعروف بابن الساعاتی مطبوعہ مطبع المطابع' دہلی ۱۸۹۹ع (کتاب الطلاق)
شرح موطا ' امام مالک ' یوسف زرقانی ' مطبوعہ مصر' جلد ۴
شرح وقایہ ' مطبوعہ دہلی ' ۱۹۲۷ع
ردیف صاد مہملہ (ص)
صحیح بخاری' مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب' کراچی
صحیح مسلم مع شرح النوری ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۲۴ ہجری
ردیف طائے مہملہ (ط)
طلاق ایکٹ ' ۱۸۶۹ع
ردیف عین مہملہ (ع)
عائلی قانون سوڈان نمبر ۱ بابت ' ۱۹۳۵ع
عائلی قوانین آرڈی نینس نمبر ۸ بابت' ۱۹۶۱ع
عنایہ' شرح ہدایہ' ابن محمود ' برحاشیہ فتح القدیر' ابن ہمام ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۵۶ ہجری
ردیف فا معجمہ (ف)
فتاویٰ ابن تیمیہ
فتاویٰ تاتار خانیہ
فتاویٰ عالمگیری' مطبوعہ مطبع مجیدی کان پور
فتاویٰ قاضی خان' جلد اول مطبوعہ مطبع مصطفائی' دہلی
فتح الباری ' شرح بخاری ' علامہ حجر عسقلانی ' مطبوعہ مصر
فتح القدیر ' ابن ہمام ' مطبوعہ مصر ' ۱۳۵۶ھ ' جلد ۳
فرق الزواج فی المذاهب الاسلامیہ' علی الخفیف ' مطبوعہ الرسالہ ' عابدین ' ۱۹۵۸ع
ردیف قاف معجمہ (ق)
قانون الاحوال الشخصیہ ' سوریہ
قانون الاحوال الشخصیہ ' عراق ' نمبر ۸۸ مجریہ' ۱۹۵۹ع
قانون المصری ' نمبر ۲۵ بابت ۱۹۲۹ع
قانون بلوغ ' پاکستان ' مجریہ ' ۱۸۷۵ع
قانون حقوق العائلۃ ' اردن
قانون (شریعت) ایکٹ ' ۱۹۳۷ع

قدوری ، علامہ ابوالحسن قدوری ، مطبوعہ قرآن محل ، کراچی

قرآن کریم

ردیف کاف (ک)

کتاب الاثار، امام محمد مطبوعہ نور محمد، کراچی

کتاب الام ، امام شافعی

کتاب السنن ، بیہقی، مطبوعہ حیدر آباد ، جلد ۷

کتاب الفقہ فی مذاہب اربعہ، عبدالرحمٰن الجزیری، مطبوعہ مصر

کنز الدقائق، نسفی، مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۳۸ھ

کنز الدقائق ، عبداللہ نسفی، مکتبہ رحیمیہ دیوبند

ردیف لام مہملہ (ل)

لسان العرب ، ابن منظور ، جلد ۱۵

ردیف میم مہملہ (م)

مجلۃ الاحکام العدلیہ ، ترکیہ ، مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب ، نور محمد ، کراچی

مجمع الانہر ، داماد آفندی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۷ھ جلد ۱

مجمع البحرین ، احمد بن علی المعروف بابن الساعاتی، مطبوعہ مصلح المطابع ، دہلی ، ۱۸۹۹ع ، (کتاب الطلاق)

محمڈن لا ، سید امیر علی، چھٹا ایڈیشن، ۱۹۵۱ع

مختلف الشیعہ ، طوسی ، مطبع حجر ایران

مدارک التنزیل و حقائق التاویل المعروف بہ تفسیر نسفی ، امام حافظ الدین عبداللہ ، بن احمد محمود النسفی ، مطبوعہ قاہرہ (مصر) ۱۹۳۶ع

مدونۃ الاحوال الشخصیہ ، مراکش

مدونۃ الکبری ، امام سحنون ، مطبوعہ مصر ، ۱۳۲۳ ہجری ، جلد ۵

مستدرک، حاکم، مطبوعہ دکن، ۱۳۴۰ ہجری

مسلم شریف

مسلم فیملی لاز آرڈی نینس نمبر ۸ مجریہ ۱۹۶۱ع

مشکوۃ المصابیح ، مطبوعہ اصح المطابع ، کارخانہ تجارت کتب ، کراچی

مغنی المحتاج ، (شافعیہ کتاب)

مفردات القرآن، (اردو ترجمہ)، امام راغب اصفہانی، مطبوعہ لاہور

ملتقی الابحر ، برحاشیہ مجمع الانہر ، شیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبی ، مطبوعہ مصر ۱۳۲۷ ہجری ، جلد ۱

منحۃ الخالق ، برحاشیہ بحرالرائق ، ابن عابدین ، مطبوعہ دارالکتب العربیہ ، مصر

مواہب الجلیل ، جلد ۳

موطا ، امام مالک مع شرح زرقانی ، مطبوعہ مصر، ۱۳۸۲ ہجری

موطا ، امام محمد ، مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب ، کراچی

ردیف نون معجمہ (ن)

نسائی ، مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب ، نور محمد ، کراچی

نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ، زیلعی ، مطبوعہ ڈابھیل ، ۱۳۵۷ ہجری

نہایہ ابن کثیر ، جلد ۱

نہایۃ المحتاج ، ابن رملی ، مطبوعہ مطبعۃ البابی ، ۱۹۳۸ع

ردیف ہائے ہوز مہملہ (ہ)

ہدایہ اولین ، برہان الدین مرغینانی ، مطبوعہ قرآن محل ، کراچی

اشاریہ

(الف) موضوع وار

ردیف الف مقصورہ

ردیف الف مقصورہ (جاری)—

ردیف بائے موحدہ (ب) (جاری)

ردیف بائے موحدہ (ب) (جاری)

ردیف تائے فوقانی (ت) (جاری)—

تفریق کے اسباب (جاری)—

ردیف تائے فوقانی (ت) (جاری)—

تفریق کے اسباب (جاری)—

ردیف تائے فوقانی (ت) (جاری)—

ردیف تائے فوقانی (ت) (جاری)—

ردیف خائے معجمہ (خ)

ردیف خائے معجمہ (خ) (جاری)—

ردیف خائے معجمہ (خ) (جاری)—

خلع (جاری)—

ردیف خائے معجمہ (خ) (جاری)—

خلع (جاری)—

ردیف خائے معجمہ (خ) (جاری)—

ردیف خائے معجمہ (خ) (جاری)—

ردیف دال مہملہ (د)

ردیف دال مہملہ (د) (جاری)—

ردیف رائے مہملہ (ر)

ردیف رائے مہملہ (ر) (جاری)—

ردیف شین معجمہ (ش) (جاری)—

ردیف شین معجمہ (ش) (جاری)—

ردیف طائے مہملہ (ط) (جاری)ــ

ردیف طائے مہملہ (ط) (جاری)ــ

ردیف طائے مہملہ (ط) (جاری)—

ردیف طائے مہملہ (ط) (جاری)—

ردیف طائے مہملہ (ط) (جاری) —

ردیف طائے مہملہ (ط) (جاری) —

ردیف طائے مہملہ (ط) (جاری)—

طلاق (جاری)—

ردیف طائے مہملہ (ط) (جاری)—

طلاق (جاری)—

ردیف طائے مہملہ (ط) (جاری)—

ردیف ظائے معجمہ (ظ)—

ردیف عین مہملہ (ع)

عدت سے متعلق :

ردیف عین مہملہ (ع) (جاری)—

عدالتوں سے متعلق :

عراق کا قانون :

ردیف عین مہملہ (ع) (جاری) —

ردیف غین معجمہ (غ)

ردیف غین معجمہ (غ) (جاری) —

ردیف فے معجمہ (ف)

ردیف قاف معجمہ (ق)

ردیف کاف عربی (ک)

ردیف کاف فارسی (گ)

ردیف لام مہملہ (ل)

ردیف میم مہملہ (م)

ردیف میم مہملہ (م) (جاری)ــ

ردیف میم مہملہ (م) (جاری)—

مبارات سے متعلق (جاری)—

ردیف میم مہملہ (م) (جاری)—

مبارات سے متعلق (جاری)—

مسلک (مسالک) :

ردیف نون معجمہ (ن) (جاری)—

ردیف نون معجمہ (ن) (جاری)—

اشاریہ

(ب) نام وار

(ردیف الف مقصورہ)

ردیف الف مقصورہ (جاری)—

ردیف الف مقصورہ (جاری)—

ردیف الف مقصورہ (جاری)—

ردیف الف مقصورہ (جاری)—

ردیف الف مقصورہ (جاری)—

ردیف الف مقصورہ (جاری)—

ردیف الف مقصورہ (جاری)—

ردیف الف مقصورہ (جاری) —

ردیف الف مقصورہ (جاری)—

ردیف بائے موحدہ (ب)

ردیف بائے موحدہ (ب) (جاری)—

ردیف تائے فوقانی (ت)

ردیف ثائے مثلثہ (ث)

ردیف جیم معجمہ (ج)

ردیف جیم معجمہ (ج) (جاری)—

ردیف حائے حطی مہملہ (ح)

ردیف طائے مہملہ (ط)

ردیف عین مہملہ (ع)

ردیف عین مہملہ (ع) (جاری)—

ردیف عین مہملہ (ع) (جاری)—

ردیف عین مہملہ (ع) (جاری)—

ردیف عین مہملہ (ع) (جاری)—

ردیف قاف معجمہ (ق)

ردیف قاف معجمہ (ق) (جاری)—

ردیف کاف عربی (ک)

ردیف کاف عربی (ک) (جاری)—

ردیف کاف عربی (ک) (جاری)—

ردیف لام (ل)

ردیف میم (م)

(اشاریے— مرتبہ: امان علی نقوی)

صحت نامہ

غلط	صحیح	صفحہ/سطر
جزاء	جزاۃ	دیباچہ/آخر
حتی الی	حتی اَتیٰ	۳۶۵/نوٹ
طلاق میں	طلاق ہیں	۲۳/۳۷۸
عدت میں ہیں	عدت میں	،،
مختلف فیہ مثلاً ہے	مختلف فیہ ہے	۱/۳۷۹
دینے	×	۱۷/۳۸۱
کرتا	کرنا	۱۳/۳۹۳
بنیاد پر	بنیاد بر	۱۵/۳۹۸
الا یہ وہ	الا یہ کہ	۳/۴۰۰
دی جانے والی طلاق	دی ہوئی طلاق	۱۱/۴۰۶
عدم وقوع کے طلاق	عدم وقوع طلاق	۷/۴۰۹
جب اہم	جب ہم	۱۵/۴۲۲
غیر مرض سے	مرض سے یا غیر مرض سے	۱۵/۴۲۶
الصبغی	الضبعی	۴۵۵/نوٹ
الجمعی	الجمحی	۴۵۵/نوٹ
فحلف	فحلفت	۴۶۳/نوٹ
المحنیٰ	المحلیٰ	۴۹۱/نوٹ
ایک کلمہ سے طلاق	ایک کلمہ سے تین طلاق	۱۴/۴۹۶
کے بارے امام	کے بارے میں امام	۱۶/۵۲۱
سے ثابت کیا	سے ثابت نہیں کیا	۲۰/۵۲۵
نافد	نافذ	۸/۵۴۴
متقدین	متقدمین	۱۴/۵۴۹
نفاد	نفاذ	۱۶/۵۶۱
اہمیت خلع	اہلیت خلع	۱۴/۵۹۷
ولا اعدل اعدل لها	ولا اعدل لها	۵۸۶/نوٹ
منصة الخالق	منحة الخالق	۶۰۹/نوٹ